ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۷۱

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

ایڈیٹر: سعید انصاری - بی اے جامعہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ ؏

ششماہی عہ

فی پرچہ ۱ر

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ہے

نصف صفحہ ہہ

چوتھائی صفحہ ہے

جلد ۸ | ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

ہزایکسلنسی وائسرائے نے مہاتما گاندھی اور پنڈت موتی لال نہرو سے دوبارہ ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی ہے۔ ۲۳ر دسمبر ملاقات کی تاریخ رکھی گئی ہے جس میں گزشتہ اعلان کی مزید تاویل اور تشریح ہوگی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ملاقات بہت تاخیر سے ہو رہی ہے۔

لاہور کانگریس کے لئے بہت کافی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کانگریس کی طرف سے رضاکاروں کی ایک بہت بڑی جماعت تیار کی جا رہی ہے۔ حکومت پنجاب مزید پولیس کی بھرتی کا بھی انتظام کر رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکھوں اور بعض مسلمان حلقوں کی طرف سے نقض امن کا اندیشہ ہے۔

۲۹ر نومبر کی تاریخ شاردا ایکٹ کے خلاف ہڑتال منانے کے لئے مقرر کی گئی تھی تاکہ اس دن تمام مسلمان اپنے کاروبار بند کر کے حکومت پر یہ ظاہر کر دیں کہ وہ اس قانون کو ہرگز نہیں چاہتے۔ تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں نہایت مکمل ہڑتال ہوئی ہے دہلی میں بھی جو ہندوستان کا مرکز ہے، مسلمانوں کی تمام دکانیں بالخصوص صدر بازار اور چاندنی چوک کی بند تھیں۔

اخبارات میں یہ خبر گشت لگا رہی ہے کہ مہاراجہ صاحب سری نگر اپنی ریاست کشمیر گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں خیال یہ ہے کہ چونکہ ہندوستان جلد یا دیر میں آزاد ہو جائیگا اور اس صورت میں ایسی ریاستوں کا کوئی وجود نہ رہیگا، اس لئے والیان ریاست چاہتے ہیں کہ اس سے قبل ہی جو کچھ ہاتھ آئے اسے غنیمت سمجھکر علٰحدہ ہو جانا چاہئیے۔

ہندوستان سے باہر

شمالی منچوریا میں چین اور روس کے درمیان کسی مشترک مسئلہ پر سخت جنگ کا اندیشہ ہے۔ منچوریہ وہ علاقہ ہے جہاں روس اور چین دونوں کی سرحدیں آکر ملتی ہیں اور ایک ذرہ سا حد سے تجاوز دوسرے کیلئے سخت ناراضگی و شکایت کا باعث بن سکتا ہے۔

معاہدۂ کیسلاگ جو ابھی حال میں مرتب ہوا ہے، اسکی رو سے برطانیہ نے حکومت روس اور حکومت چین دونوں کو یہ اطلاع بھیجی ہے کہ وہ جنگ سے باز آئیں اور اپنے معاملات بجی طور پر طے کرلیں، ورنہ دوسری سلطنتوں کی نظر میں ان کی بہت بے وقعتی سمجھی جائیگی۔

حکومت برطانیہ کے اس مراسلہ کے بعد فرانس، امریکہ، اور جرمنی وغیرہ نے بھی اسی قسم کے تہدید آمیز خطوط بھیجے ہیں، بجز جاپان کے کہ اسکو یہ طریقہ پسند نہیں آیا ہے۔ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ ہر دو فریق پر سلطنتوں کے ان خطوط کا بہت اثر پڑا ہے۔ اور اپنے جھگڑے باہمی سمجھوتے سے طے کر رہی ہیں۔

سر آغا خاں نے ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کی ہے جس میں انھوں نے ۲ لاکھ پونڈ یعنی ۲۷ لاکھ روپے کا مہر باندھا ہے اور اسکے علاوہ ۶۴ ہزار پونڈ یعنی ۸ لاکھ روپے سے اوپر کے ہدیے و تحائف اور ایک بہت بڑی جائداد دی جاتی ہے۔

پولینڈ کے مشہور پہلوان زبسکو نے جو گزشتہ سال گاما سے شکست کھا چکا ہے، اس سال پھر مقابلہ کے لئے دعوت بھیجی ہے جسے امرتسر کے مجیب نامی پہلوان نے منظور کر لیا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جو ہار جائے وہ دوسرے

(مذہب)

اسلام
سب دینوں سے بڑھکر دین

واضح ہو کہ یہ مضمون دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں اسلام کے وہ اوصاف ہیں جن سے انسانی زندگی کو بیحد فائدے پہنچتے ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں اسلام کی وہ خاص خاص باتیں ہیں جنکی وجہ سے اسلام لقبِ مذکورہ کا مستحق ہو سکتا ہے۔

سر ولیم میور جو ایک زبردست اور دیندار عیسائی گزرے ہیں اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں ارقام فرماتے ہیں کہ "میں بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اسلام میں معاشرتی خوبیاں کم نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کریں۔ انہیں اپنے چھوٹوں اور غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاہیئے۔ مذہب اسلام میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ نشہ کی چیزوں کی سخت ممانعت ہے۔" واضح ہو کہ اسلام کے اندر برادرانہ دینی محبت کا برتاؤ کرنے کی تاکید آپس میں ایک خدا کے ماننے کی وجہ سے کیگئی ہے ورنہ انسانی محبت کا برتاؤ تو تمام انسانوں کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ غلامی کی نسبت اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اسلام نے غلامی کو ایک طرح سے معدوم کر دیا کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ زمانہ جاہلیت ہی میں زیادہ تر نئے نئے غلام ہوا کرتے تھے۔ لیکن قرآن شریف نے "اما منا و اما فداء" کہکر اسے بھی نیست و نابود کر دیا مذہب اسلام نے صرف نشہ ہی کی چیزوں کی ممانعت نہیں کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ قمار بازی، زناکاری، فحش گوئی کی بھی سخت ممانعت کی ہے۔ جانوروں کے ساتھ مہربانی کرنے، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک برتنے اور محبت رکھنے کی بھی تاکید کی ہے۔

"چیمبرز انسائیکلوپیڈیا" میں اسلام کے اخلاق پر ایک مصنف نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ بغض، کینہ، ظلم و ستم، بے ادبی، دغابازی، ایذا رسانی، چوری، رہزنی، غیبت، استہزا، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، دلآزاری، عورتوں کی بے پردگی یہ سب اسلام میں نہایت قابلِ ملامت سمجھی گئی ہیں۔ اور نیک نیتی، فیاضی، حیا، ادب، تحمل، صبر، استقلال، بردباری، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، صلح، سچی دوستی اور سچی محبت، خدا پر ایمان لانا، اسکی مرضی پر توکل کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا، اندھوں کو راہ دکھانا، گمراہ کو ہدایت کرنا، سچی ایمانداری اچھے اور سچے مسلمانوں کی نشانی خیال کیگئی ہے" اور واضح ہو کہ یہ سب محض قرآن شریف کے اخلاق ہیں جو اسلام کو سکھائے گئے ہیں۔

اسلام نے لڑکیوں کے زندہ گاڑنے کی رسم کو بند کیا، اسلام نے غلامی کو بڑی حد تک موقوف کیا، اسلام نے انسانوں کے حقوق کو برابر تسلیم کیا، اسلام نے سود خواری کی ممانعت کی، اسلام نے صفائی اور پرہیزگاری کی تاکید کی۔ حرام کاری سے منع کیا۔ ہر شخص کی تعظیم فرض کی، ادب کی تاکید کی۔ غرض جتنے اچھے اوصاف انسانی تھے، ان سب کے برتنے کی تاکید کی اور جتنے برے خصائل انسانی تھے، ان سب کے چھوڑنے کی ممانعت کی تاکہ "مسلمان" "امت وسطیٰ" بنیں اور تمام دنیا کے لئے مشعلِ ہدایت ہوں۔

محشر خیال

سجاد علی انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند بے حد دلکش ادبی و اصلاحی مضامین کا مجموعہ نادر جو صرف ڈھائی سو چھپا تھا۔ اب چند کاپیاں باقی ہیں۔ چونکہ اسے مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار کے طور پر شائع کرنا تھا اس لئے بڑے اہتمام اور نفاست سے چھپا ہے اور جلد پر سنہرے حروف میں نام تحریر ہے۔ سجاد مرحوم خوش فکر خوش گفتار ادیب تھے انکے مضامین میں بلند خیالی اور جذبات نگاری ہوتی ہے۔ قیمت ۶/

ریاضی

ضرب کے لئے پہاڑے کی ضرورت نہیں

بچو! اس کو دیکھ کر تعجب ہوا ہوگا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر پہاڑوں کی مدد کے ضرب کے سوال حل کرسکتے ہیں؟ تعجب کی بات نہیں، ہم تمہیں ایک ایسا گُر بتاتے ہیں جس کی رُو سے صرف دو کے پہاڑے کی مدد سے ضرب کے سارے سوال حل کرسکتے ہو۔ ذیل میں ایک حل دیا جاتا ہے اس کی تشریح پڑھنے سے پہلے صرف حل دیکھتے ہوئے خود ہی سوچو، فکر کرو، غور کرو، پھر نتیجہ نکالنے کی کوشش کرو۔

مثال - ۸۶ × ۴۵

(ل)	(ب)
۸۶	۴۵
۴۳	۹۰
۲۱	۱۸۰
~~۱۰~~	~~۳۶۰~~
۵	۷۲۰
~~۲~~	~~۱۴۴۰~~
۱	۲۸۸۰
	۳۸۷۰

جواب ۳۸۷۰

تشریح - کیا سمجھے؟ خیر اب سمجھنے کی کوشش کرو۔ دی ہوئی رقموں میں سے ۸۶ کو فریق (ل) میں رکھا گیا اور ۴۵ کو فریق (ب) میں۔ پھر ۸۶ کا نصف کیا گیا، ۴۳ حاصل ہوا پھر اُس کا نصف کیا گیا ۲۱ حاصل ہوا (نصف کرنے میں باقی کو نظر انداز کیا گیا) اسی طرح سے اس عمل کو جاری رکھنے سے اخیر میں "۱" آیا۔ اب فریق (ب) میں ۴۵ کا دُگنا کیا گیا، ۹۰ حاصل ہوا پھر اُس کا دُگنا کیا گیا ۱۸۰ حاصل ہوا۔ اسی طرح ہر ایک رقم کو دُگنا کیا گیا۔ چونکہ فریق (ل) میں صرف سات رقمیں ہیں اس لئے فریق (ب) میں بھی سات رقمیں (یعنی ۲۸۸۰ تک) کافی سمجھی گئیں۔ اب فریق (ل) کی جفت رقموں کے مقابل میں فریق (ب) کی جسقدر رقمیں تھیں (خواہ وہ رقمیں طاق ہوں یا جفت) وہ سب کاٹ دی گئیں اور صرف فریق (ب) کی باقی رقموں کو جمع کرنے سے ۳۸۷۰ جواب حاصل ہوا۔

قاعدہ - مندرجہ بالا مثال سمجھنے کے بعد اب تم اس قابل ہوگئے ہوگے کہ اس قاعدہ کو مناسب الفاظ میں اپنی کاپیوں میں درج کرسکو، ہم بھی مختصراً لکھے دیتے ہیں۔

دئے ہوئے سوال میں مضروب کو ایک طرف اور مضروب فیہ کو اُس کے مقابل لکھو۔ مضروب کو بتدریج نصف کرتے جاؤ حتیٰ کہ "۱" آئے۔ مضروب فیہ کو بتدریج دُگنا کرتے جاؤ یہاں تک کہ تعداد میں دونوں فریق کی رقمیں برابر ہوجائیں۔ فریق (ل) کی جفت رقموں کے مقابل میں فریق (ب) کی جسقدر رقمیں ہوں ان کو کاٹ دو۔ اب فریق (ب) کی باقی رقموں کو جمع کرلو، حاصل جمع جواب ہوگا۔

فائدہ - ضرب کے چھوٹے چھوٹے سوال عام طور پر ہم جس طریقہ سے حل کرتے ہیں، اُن کی جانچ پڑتال کرسکتے ہیں۔

ضروری نوٹ - تم نے غور کیا ہوگا کہ اس قاعدے سے ضرب کے لمبے سوال حل کرنے میں بہت وقت خرچ ہوتا ہے مثلاً ۸۰۲۵ × ۹۹۵۲ میں ۱۲ دفعہ نصف کرنا اور ۱۲ دفعہ ۲ سے ضرب دینا پڑتا ہے، اس لئے ہر حالت میں پہاڑوں کا عمل آسان ہے، لہٰذا سارے پہاڑوں کو ذہن میں رکھو۔ اس خوشی میں کہ ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے، اُن پہاڑوں کو ایک بار دہرالو جن کے استعمال میں تمہیں دقت ہوتی ہے۔

نام - اس قاعدے کے موجد نے اس قاعدہ کا نام "بالشویک طریقہ" رکھا ہے۔ یہ قاعدہ روس کے کسانوں میں رائج ہوا تھا۔

مشق کے لئے سوالات - ضرب کے چند چھوٹے سوال بناؤ اور دونوں طریقوں سے حل کرکے دیکھو کہ آیا جوابات ملتے ہیں یا نہیں۔

جغرافیہ

زمین کیسے بنی؟

تم جانتے ہوگے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے اور چاند زمین کے گرد گھومتا ہے۔ تمہیں شاید یہ بھی معلوم ہو کہ اور بھی بعض سیارے ہیں جو زمین کی طرح سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ یہ سب جس میں ہماری زمین بھی شامل ہے سورج کے سیارے کہلاتے ہیں۔ ان سیاروں کے گرد بھی بہت سے سیارے گھومتے ہیں جنھیں 'قمر' کہتے ہیں۔ سورج، سیارے مع اپنے تمام قمر کے یہ سب مل کر ایک اچھا خاصہ خاندان بنجاتا ہے جسے "نظام شمسی" کہتے ہیں۔ 'شمسی' سے مراد وہ چیزیں جو 'شمس' یا سورج سے تعلق رکھتی ہوں، سورج چونکہ ان سب کا دادا ہے، اسلئے ان کے تمام مجموعہ کو "نظام شمسی" کہتے ہیں۔

رات کے وقت آسمان پر تمہیں ہزاروں ستارے نظر آتے ہونگے۔ ان میں سے صرف چند سیارے ہیں، جو حقیقت میں ستارے نہیں کہے جاسکتے ہیں۔ کیا تم تمیز کرسکتے ہو کہ ان میں کون سیارہ ہے اور کون ستارہ؟ سیارے حقیقت میں ستاروں کی بہ نسبت بہت چھوٹے ہوتے ہیں جیسے ہماری زمین، لیکن وہ آسمان پر بڑے اس وجہ سے نظر آتے ہیں کہ وہ ہم سے بہت قریب ہیں۔ مثلاً چاند جو حقیقت میں دوسروں کے مقابل میں ایک بچہ ہے، اس قدر بڑا نظر آتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ہم سے بہت قریب ہے۔ لیکن سب سے بہتر طریقہ سیاروں اور ستاروں میں تمیز کرنیکا یہ ہے کہ تم دیکھو کہ آیا وہ جگمگاتے ہیں یا نہیں سیارے جگمگاتے نہیں بلکہ وہ صرف چمکتے ہیں، اس لئے کہ انھیں روشنی سورج سے ملتی ہے۔ اصل ستارے مثل سورج کے ہوتے ہیں جنکی اپنی روشنی ہوتی ہے۔ وہ خود بخود چمکتے ہیں، اس لئے کہ وہ خود روشن اور جلتے ہوئے ہیں حقیقت میں ہمارا یہ سورج خود بھی ایک ستارہ ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ بڑا نظر آتا ہے، اس لئے کہ یہ ہم سے قریب ہے اور ہمکو یہ آگ کے ایک بڑے گولے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

بہرحال، ہماری زمین سورج کے خاندان یعنی "نظام شمسی" سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زمین بہت بڑی ہے اور ہماری بہ نسبت یہ واقعۃً بہت بڑی ہے۔ اگر ہم اسکے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو بھی تیز سے تیز ریل گاڑی یا جہاز کے ذریعہ طے کریں تو بھی ہفتے اور مہینے لگ جاتے ہیں، لیکن اگرچہ یہ ہمکو اس قدر بڑی معلوم ہوتی ہے، تاہم اس کی حقیقت مٹی کے ایک ذرے سے زیادہ نہیں جو ہوا میں پھر رہا ہو۔ سورج لاکھوں میل دور ہے اور دوسرے ستارے اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر ہیں۔

علمائے ہیئت، یعنی وہ لوگ جو ستاروں کا علم رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں برس پہلے ہماری یہ زمین اور تمام سیارے سورج کا ایک جزو تھے۔ سورج اس وقت بھی ایک شعلہ انگیز گرم مادے کا ٹکڑا تھا جیسا وہ آج ہے کسی طرح پر کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سورج سے جدا ہوئے اور وہ ہوا میں پھرنے لگے لیکن وہ اپنے اس اصل مادے یعنی سورج سے بالکل الگ نہ ہوسکے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ سب کے سب ایک دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں اور اسی طرح سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ یہ دھاگہ جو انھیں ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے ہے، حقیقت میں ایک عجیب و غریب طاقت ہے جو ہر چھوٹی چیز کو بڑی چیز کی طرف کھینچتی ہے۔ یہی کشش ہے جسکی وجہ سے وزنی چیزیں گر پڑتی ہیں زمین چونکہ ہم سے قریب سب سے بڑی چیز ہے، اس لئے وہ ہماری تمام چیزوں کو کھینچے ہوئے ہے۔

غرض اس طریقہ سے ہماری زمین سورج سے پیدا ہوئی۔ اور اس وقت یہ بہت زیادہ گرم رہی ہوگی لیکن چونکہ سورج سے بہت چھوٹی تھی اس لئے آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہونے لگی۔ سورج بھی رفتہ رفتہ ٹھنڈا ہورہا ہے لیکن اس کے بالکل سرد پڑنے میں ابھی لاکھوں برس لگیں گے۔ زمین کے ٹھنڈے ہونے میں بہت کم وقت صرف ہوا جسوقت کہ یہ گرم تھی، اس وقت ظاہر ہے اس پر کوئی چیز نہ رہی ہوگی ۔ نہ آدمی رہے ہونگے، نہ جانور۔ نہ درخت رہے ہونگے نہ گھاس پات، ہر چیز جل بھن کر خاک سیاہ ہوجاتی۔

غرض جس طرح سورج سے ایک ٹکڑا علیحدہ ہوا اور وہ زمین بنگیا، اسی طرح زمین سے ایک ٹکڑا الگ ہوا اور چاند بنگیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ چاند اس بڑے سمندر سے نکلا جو امریکہ اور جاپان کے بیچ میں ہے۔

بہرحال زمین ٹھنڈی ہونے لگی۔ اس میں ایک بہت بڑا عرصہ لگا۔ سب سے پہلے زمین کی سطح ٹھنڈی ہونے لگی اور اس کے اندر کا حصہ گرم کا گرم رہا۔ اب بھی اگر تم ایک کوئلہ کی کان میں جاؤ تو تمہیں سخت گرمی محسوس ہوگی۔ اور اگر تم زمین کے بہت اندر چلے جاؤ تو غالباً تمہیں جلتی ہوئی آگ ملے۔ اسی طرح چاند بھی ٹھنڈا ہونا شروع ہوا اور چونکہ وہ زمین سے بھی بہت چھوٹا تھا، اس لئے اسکے ٹھنڈے ہونے میں اور کم وقت لگا۔ اسکی ٹھنڈک آنکھوں کو بہت اچھی محسوس ہوتی ہے۔ غالباً اس میں بہت سے چشمے اور برف کے کھیت معلوم ہوتے ہیں۔

جب زمین ٹھنڈی ہوگئی تو جو آبخرات تھے وہ سب نچڑ کر پانی بنگئے اور غالباً بارش کی شکل میں بھی گرے۔ اس وقت تو یکایک بہت زور کی بارش ہوئی ہوگی۔ اس پانی سے زمین کے جتنے گڈھے اور نشیب تھے وہ سب بھر گئے اور اس طرح سمندر اور بحر اعظم پیدا ہوئے۔ جب زمین ٹھنڈی ہوگئی اور سمندر بھی ٹھنڈے ہوگئے، اسوقت خشکی اور تری میں ہر قسم کی جاندار چیزیں پیدا ہوئیں اور ان میں رفتہ رفتہ رہنے سہنے لگیں۔

کوائف جامعہ

شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب بھوپال اور حیدر آباد کے تقریباً تین ماہ کے دورے کے بعد جمعہ ۷ر دسمبر کو اچانک واپس تشریف لائے۔ اب آپ جامعہ کی تعلیمی اور اندرونی انتظامی حالت کو درست کرنے کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کر رہے ہیں۔ آپ دسمبر کی تعطیل میں لاہور کانگریس بھی نہیں جا رہے ہیں بلکہ جامعہ کے ہی کاموں میں اپنا سارا وقت صرف کریں گے۔

جناب شیخ الجامعہ کا یہ سہ ماہی دورہ ہر حیثیت سے کامیاب اور بار ور ثابت ہوا ہے آپ نے اس عرصہ میں تقریباً ۱۲ ہزار نقد وصول کئے ہیں۔ بھوپال کی ماہانہ امداد کا سنہ ہست... اجرا بھی ہوگیا ہے اور تین مہینے کے روپے آبھی گئے ہیں۔ ریاست حیدر آباد میں جامعہ کی امداد کی درخواست کونسل کے تمام مراحل طے کرکے انشاء اللہ عنقریب منزل مراد تک پہنچنے والی ہے۔

صوبہ خلافت کمیٹی دہلی کے جدید انتخابات میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب اس سال کے لئے صدر منتخب کئے گئے تھے لیکن آپ نے اس بناپر یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ جامعہ کے کاموں سے آپ کو اتنا وقت نہیں بچتا کہ باہر کے کاموں میں آپ کوئی عملی حصہ لے سکیں۔

نہایت افسوس ہے کہ پروفیسر محمد مجیب صاحب اپنی علالت کے باعث کچھ عرصہ کے لئے جامعہ سے علیحدہ رہنے پر مجبور ہیں۔ موصوف ابھی حال میں جامعہ تشریف لائے تھے اور ایک دو روز قیام کے بعد پھر واپس چلے گئے ہیں۔ آپ کی وجہ سے سردست مطبع کا کام بھی بند ہے کوشش ہے کہ کوئی اچھا آدمی ملے تو اس کا کام پھر سے شروع ہو۔

تاریخ

سقراط

بچو! آج ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا حال سناتے ہیں جس کا شمار دنیا کی غیرفانی ہستیوں میں ہوتا ہے جس نے محض صداقت کی خاطر اپنی جان قربان کردی اور اپنے نام کو زندۂ جاوید بنا لیا۔

سقراط ۴۷۰ ق۔م میں ایتھنز دارالخلافۂ یونان میں پیدا ہوا۔ شروع ہی سے وہ نہایت ذہین اور جدت پسند واقع ہوا تھا۔ فلسفے سے اُسے خاص لگاؤ تھا اور اسی کو اُس نے اپنا زندگی کا مشغلہ قرار دیا۔

اُس زمانے میں یونان میں بُت پرستی کا عام رواج تھا۔ ہر چیز کا ایک ایک دیوتا ہوتا تھا اور شب و روز انہیں دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ اُنہیں سے ہر قسم کی امداد طلب کی جاتی اور اُن کو خوش کرنے کے لئے اُن کے معبدوں میں ہزاروں قسم کی قربانیاں چڑھائی جاتیں۔ سقراط ان سب خرافات کے خلاف تھا اور لوگوں سے کہتا کہ تمہارے یہ اپنے بنائے ہوئے پتھر کے دیوتا تمہیں کیا مدد دے سکتے ہیں۔ لوگ سمجھے کہ یہ ہمارے دیوتاؤں کی توہین ہے۔ انہوں نے حکومت سے فریاد کی۔ حکومت نے سقراط کو مجرم قرار دیا اور کہا کہ وہ نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے اور دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے۔ اور اس جرم کی سزا یہ قرار پائی کہ یا تو وہ معافی مانگے یا زہر کا پیالہ پیئے۔ سقراط نے آخری شرط کو قبول کیا اور زہر کا پیالہ پینے پر آمادگی ظاہر کی۔ جب زہر پینے کا وقت آیا تو اُس کے بیوی بچے، اور تمام شاگرد اردگرد جمع ہوگئے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے لیکن سقراط کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی کے آثار نمایاں نہیں تھے۔ وہ سب کو باری باری سے تسلی دیتا تھا اور صبر کی تلقین کرتا تھا اور کہتا تھا "میں حق کی خاطر جان دے رہا ہوں۔ خدا حق کا حامی ہے۔ وہ ضرور حق کا انتقام لے گا۔"

آخر زہر کا پیالہ پیش کیا گیا۔ سقراط نے نہایت اطمینان سے پیالہ ہاتھ میں لیا اور آنکھیں بند کرکے غٹاغٹ پی گیا اور فرش پر دراز ہوگیا۔ اور شاگردوں کو نصیحت کرنی شروع کی۔ جب زہر کا اثر تمام رگ و ریشے میں سرایت کرگیا اور اعضاشکنی ہونے لگی تو اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور کہا "یاد رہے، میں حق کی خاطر جان دے رہا ہوں"۔ یہ کہنے کے ساتھ ہی اُس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

گو سقراط مرگیا لیکن اُس کا نام قیامت تک زندہ ہے کیونکہ اُس نے حق کی خاطر جان دی تھی۔

اسی سقراط کا ایک مشہور مقولہ ہے "نیکی علم ہے" (Virtue is Knowledge)۔ اس کے معنی ہیں کہ کسی چیز کا اچھی طرح جان لینا ہی نیکی ہے۔ کسی چیز کو حق سمجھ لینے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ پھر تم اُس کے خلاف کرسکو۔ مثال کے طور پر اگر تمہیں یقین ہوجائے کہ سچ بولنا نیکی ہے۔ تو پھر تمہارے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ تم جھوٹ بولو۔ اگر تم پھر بھی جھوٹ بولتے ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تم نے سچ کو نیکی سمجھنے سے انکار کیا۔ کیا انسان کو نیک بننے کے لئے یہ چھوٹا سا فقرہ کافی نہیں ہے؟

بچو! تمہیں معلوم ہوا ایک شہیدِ علم نے محض صداقت اور آزادیٔ ضمیر کی خاطر کس طرح اپنی جان دے کر اپنے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیرفانی بنا لیا۔ سچ ہے۔

جو کھوتا ہے سو پاتا ہے

نظم

پھول

پاکیزہ ہے پھول کس قدر تو
ہر دل کیلئے سرور ہے تو
صورت تیری جب ہی ایسی دلکش
ہے گل، دلکش وجود تیرا
پائی ہے جو پرورش فضا میں
جو دیکھے گل بدست ہو جائے
ہے گل تری نکھری گلابی
ہے کیسی لطیف تیری خوشبو
اک چیز ہے بے مثال. دلکش
تو خاکہ ہے کس کی دلبری کا
ہر رگ ہے دل فریب تیرا
ہر گل کی ادا سنہری ہیکل
فطرت نے بھرا ہے تجھ میں وہ رنگ
اے گل تصویر ہے تو کس کی؟
تتلی، بھونرا، غریب بلبل
ہے تجھ میں مٹھاس ہی کچھ ایسی
عشاق کا دلفریب منظر
ہر پنکھڑی عالم نمو ہے
خوشبو تری نم ہے یہ ہوا سے
تجھ میں برقِ ازل نہاں ہے
حسن تیرا جو نیچرل ہے
ہلکی ہلکی سی سرخیاں ہیں
ہیں چھڑکے ہوئے جو مختلف رنگ

بھینی بھینی ہے تیری خوشبو
اِک جنتِ رنگ و نور ہے تو
کیوں آئے نہ میری سوچ کو غش
خاکہ فطرت کی تجلیوں کا
ہے دلکشی تیری ہر ادا میں
جو سونگھ لے تجھکو مست ہو جائے
فطرت کا نمونۂ شہابی
قدرت کے عجائبات میں تو
ہے ہستی خوش جمال دلکش
جلوہ ہے تو کسکی کم سنی کا
دلکش ہے ترا ہر شگوفا
فطرت کی ردا حسین مخمل
پانی بھی ہے دیکھ کر تجھے دنگ
رنگیں تحریر ہے تو کس کی؟
ہے تجھ پہ نثار دل سے اے گل
رس چوستی ہے شہد کی مکھی
معشوقوں کا ہے حسین زیور
ہر گل دنیائے رنگ و بو ہے
یا شب سے وضو کئے کھلا ہے
یعنی بہار کی تو جاں ہے
اک عکسِ تجلیِ ازل ہے
جلوے تجلی کے یاں نہاں ہیں
فطرت کے ہیں معرفت کی فرہنگ

تجھ میں مری آرزو ہے نہاں
تو ہی مرے درد کا ہے درماں

قصے کہانیاں

بُری صحبت کا اثر

رحیم ایک شریف خاندان کا مالدار شخص تھا۔ فارسی اور اُردو خوب جانتا تھا۔ پُرانے زمانے کے رواج کے موافق انگریزی سے بالکل ناواقف تھا۔ نماز روزہ کا پابند تھا۔ شادی کو قریب قریب دس برس کا عرصہ گذر چکا تھا لیکن کوئی اولاد نہ تھی۔ رحیم بہت پریشان رہا کرتا تھا۔ بزرگوں سے ملتا اور دعا کا طالب ہوا کرتا۔ آخر کار گیارہویں سال ایک لڑکا پیدا ہوا۔ خوب خوشیاں منائی گئیں مہینوں تک مہمان جمع رہے، خوب خاطر و تواضع ہوئی۔ لڑکے کا نام کریم رکھا گیا ماں اور باپ دل و جان سے بچے کو چاہتے تھے۔ اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ بچہ نہایت خوبصورت اور تندرست تھا۔ دولت کی کچھ کمی نہ تھی۔ بچے کے لئے تین نوکرانیاں رکھی گئیں۔ آخر کریم کی بسم اللہ کا زمانہ آیا۔ پندرہ روز پہلے سے مہمان آنا شروع ہوئے۔ نوبت رکھی گئی۔ بسم اللہ کا دن آیا۔ صبح سے کھانے پکنے شروع ہوئے۔ شہر کے رئیس اور عزیز و اقربا جوق جوق آنے لگے، سہ پہر کو بسم اللہ کی رسم ادا ہوئی کریم کی عمر پانچ سال کی ہوئی۔ ایک اُستاد نوکر رکھے گئے۔ اور انھوں نے پڑھانا شروع کیا جب پہلے روز کریم مولوی صاحب کے پاس پہنچا۔ تو اس کی تینوں کھلائیاں بھی ساتھ تھیں۔ مولوی صاحب نے پڑھانا شروع کیا۔ کھلائیاں پاس بیٹھی رہیں۔ مولوی صاحب نے تھوڑی دیر پڑھانے کے بعد چھٹی دیدی۔ دوسرے روز بھی کھلائیاں کریم کے ساتھ پہنچیں۔ یہ عمل روزانہ جاری رہتا۔ ایک مہینہ تک تو مولوی صاحب نے تھوڑی دیر پڑھا کے چھٹی دے دیدی۔ اب جب اُنھوں نے زیادہ دیر پڑھانا شروع کیا۔ تو میاں کریم لگے رونے اور ضد کرنے۔ کھلائیاں تو سایہ کی طرح ساتھ تھیں، مولوی صاحب سے کہہ کر چھٹی دلوا دیتیں کئی سال اسی طرح گذر گئے۔ مولوی صاحب لاکھ کوشش کرتے مگر کچھ اثر نہ ہوتا۔

کریم کے ساتھ کھیلنے کے لئے محلہ کے جاہل، شریر اور رذیل خاندان کے بچے آنے لگے، رحیم نے جب یہ حالت دیکھی تو منع کرنا چاہا اور ایک روز ان سب بچوں کو نکالدیا۔ کریم تو بہت لاڈلے اور ضدی تھے ہی۔ لگے رونے اور ضد کرنے۔ آخر کار کھلائیاں جا کر ان بچوں کو بُلا لائیں رحیم سے بیوی نے کہدیا۔ کہ بچہ ہے بچوں ہی میں کھیلے گا۔ آخر ان بچوں کے ساتھ کھیلنے میں کیا حرج ہے وہ خاموش ہوگیا، اب کریم کا تمام وقت ان ہی لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں گزرتا۔ اور پڑھنے میں دل نہ لگتا جب پڑھنے جاتا تو رو کر ہی بھاگتا۔ اسی طرح دن گذرتے رہے۔ اور کریم کی عمر بارہ سال کے قریب پہنچ گئی۔ اب تک انھوں نے پندرہ پارے قرآن شریف کے ختم نہیں کئے تھے۔ اور اُردو میں یہ حالت تھی کہ کسی کا خط تک بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ رحیم نے بیوی کو بہت سمجھایا۔ اور کہا کہ بچہ بالکل خراب ہوا جاتا ہے۔ تمہارے اور کھلائیوں کے لاڈ پیار نے بالکل خراب کر دیا ہے۔ نہ پڑھتا ہے نہ لکھتا ہے۔ شریر لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا ہے۔ بیوی نے یہ کہہ کر کہ سب ٹھیک ہوجائیگا سمجھ آنے دو، خاموش کر دیا۔ اب کریم کی حالت دن بدن خراب ہوتی جاتی تھی۔ ضد، بے ادبی، بدتمیزی جتنی بھی ایک خراب لڑکے میں پائی جا سکتی ہے، سب اُس میں موجود تھی۔ اب اس کا مرض حد کو پہنچ گیا تھا۔ اور بالکل لاعلاج سا ہوتا جاتا تھا۔ اسکے پُرانے دوست اس کے ہمدم و رفیق تھے۔ کریم کی عمر اب ستر سال تک پہنچ چکی تھی کہ یکایک رحیم سخت بیمار پڑا۔ لاکھ کوششیں کی گئیں بڑے بڑے ڈاکٹر اور حکیم علاج کے لئے بُلائے گئے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز صبح کو رحیم کی حالت کچھ درست ہوئی اور عزیز و اقربا کو کچھ اُمید بندھی تھی۔ لیکن قریب بارہ بجے کے حالت خراب ہوگئی اور لحظہ بہ لحظہ ردی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ شام کے چھ بجے اسکی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ تمام گھر میں کہرام مچ گیا۔ عزیز و اقربا کو تو افسوس و رنج ہونا ہی چاہئے تھا لیکن شہر کے اُن

غریب اور بیکسوں کی حالت جنکی پرورش کا ذریعہ صرف رحیم تھا، بیان سے باہر ہے۔ سوئم تک تو لوگوں کے آنے جانیکا سلسلہ قائم رہا۔ اور یہاں کریم کو بالکل فرصت نہ ملی۔ لیکن اس کے بعد اُنکے یار غار جمع ہوتے، صبح کے چھ بجے سے رات کے بارہ ایک بجے تک کریم کے دوستوں کا مجمع رہتا۔ اور گپ، شطرنج، پچیسی اور گنجفہ میں وقت گزارا جاتا۔ اب رفتہ رفتہ شراب بھنگ اور افیون کا بھی استعمال شروع ہوا، پھر ایک سال کے بعد کی حالت ملاحظہ کیجئے۔ تمام جائداد نیلام ہو چکی ہے۔ دیوان خانہ رہن رکھا جا چکا تھا۔ اور اب سکے لئے بھی نیلام کا حکم عدالت سے ہو چکا ہے۔ صرف ایک زنانہ مکان باقی ہے، اور کریم کی والدہ کی جائداد جو کہ اس بیکس اور مصیبت کی ماری نے نہ معلوم کن کن مصیبتوں سے بچائی تھی۔ کریم کے تمام دوستوں نے آنا جانا بالکل ترک کر دیا ہے کہیں مل بھی جاتے ہیں تو منہ پھیر کر اور راستہ کترا کر نکل جاتے ہیں۔ دیوانخانہ بھی ایک روز نیلام ہو گیا۔

جب سب کچھ کھو چکے تو کریم اپنی اس بیکس ماں کے پاس جسکی باپ کے مرنیکے بعد انھوں نے خبر تک نہ لی تھی، پہنچے پاؤں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اور معافی مانگی۔ ماں نے سر اُٹھا کر اپنے سینہ سے لگایا اور کہا "بیٹا جو کچھ مقدر میں ہونا تھا وہ ہوا۔ اب اسکا افسوس فضول ہے۔ تمہارے لئے یہ مکان اور جائداد موجود ہے تم کچھ فکر نہ کرو۔" کریم کو ماں کے ان محبت بھرے الفاظ سے تسلی ہوئی، اور اب یہ حالت ہو گئی کہ میاں کریم ہر وقت زنانے مکان میں رہتے۔ ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا۔ اس حالت کے ایک سال بعد کریم کی ایک غریب اور شریف خاندان کی لڑکی سے شادی کر دی گئی۔ اور وہ دونوں خوش و خرم اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

سچ ہے بری صحبت کا نتیجہ سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا اور آخر میں سوائے حسرت و یاس کے کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔

سچّی محبت

رشید اور کمال دو دوست تھے اور ہم جماعت تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ ایک دن اسکول میں آڈر آیا کہ کل انسپکٹر صاحب معائنہ کرینگے۔ کاپیاں وغیرہ درست ہونی چاہئیں اور خاصکر کتابیں ضرور لانی چاہئیں غرض دوسرے دن اسکول میں انسپکٹر صاحب آئے حسن اتفاق سے رشید اپنی انگریزی کی کتاب بھول آئے۔ انسپکٹر صاحب نے معائنہ بھی کیا انگریزی کے گھنٹے میں۔ اب رشید بہت گھبرائے، اور کمال سے بولے "انسپکٹر صاحب ضرور مجھکو پیٹینگے۔ دوست کہیں سے کتاب لاؤ ورنہ خیریت نہیں"۔ کمال نے جو اپنے دوست کو اس قدر پریشان دیکھا تو کہا کوئی پرواہ کی بات نہیں، تو یہ کتاب لے لو۔ میں یا تو کہیں سے دوسری کتاب لے آؤنگا۔ یا کوئی اور ترکیب کرونگا۔ بہرکیف مجھے انسپکٹر صاحب نہ ماریں گے۔ اول تو کمال نے انکار کر دیا لیکن رشید کے اصرار پر آخر کتاب لے ہی لی۔

انسپکٹر صاحب نے معائنہ کیا کمال کے پاس کتاب نہ پا کر مارنے لگے۔ اب رشید سے نہ رہا گیا۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ تم آخرکار اس نے سارا ماجرا انسپکٹر صاحب کو سُنا دیا۔ انسپکٹر صاحب نے غور سے سُنا اور سُن کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے دونوں لڑکوں کو شاباش دی اور کہنے لگے کہ بیشک تم دونوں سچے دوست ہو۔ میں رشید کا قصور معاف کرتا ہوں۔ آیندہ سے کتاب بھول کر نہ آنا

لطیفہ

نسیم :- حضرت! آپکی سالگرہ نہ ہوئی حالانکہ سارا سال گذر گیا

شمیم :- ایک سال کیا تین سال تک نہ ہوگی۔

نسیم :- یہ کیوں؟

شمیم :- میں ۲۹ فروری کو پیدا ہوا تھا اور اب ۱۹۲۹ء ہے۔

انعامی معما

صرف بچوں کے واسطے

مندرجہ ذیل بارہ جملوں میں سے ہر ایک میں ایک پھل کا نام پوشیدہ ہے۔ بطور مثال کے ایک جملہ درج کیا جاتا ہے۔ "اب پردہ کا رواج اس قدر اُٹھتا جاتا ہے کہ نئی کوٹھیوں میں کسی قسم کی آڑ وغیرہ نہیں بنائی جاتی"۔ اس میں "آڑ" اور وغیرہ کی "و" ملانے سے آڑو بنجاتا ہے۔ اسی طرح ہر جملہ میں ایک پھل کا نام پوشیدہ ہے اُنکو معلوم کیجئے۔

(۱) جامعہ کی جملہ کمیٹیوں کی ایک عام روداد شائع ہونی چاہیئے تاکہ پبلک کو تمام کارروائیوں کی خبر رہے۔

(۲) اللہ رے انتظار۔ جان گو روانہ ہوگئی مگر آنکھیں اب بھی کھلی ہی رہیں۔

(۳) میں نے اُن سے بارہا کہا مگر وہ اپنا وعدہ پورا کرنیکے لئے تیار نہیں ہوتے۔

(۴) مرد پان ناحق کھاتے ہیں۔ مستورات کے لئے البتہ پان آرایش کی چیز ہے۔

(۵) محمود کے پیر میں ایک کیل ایسی چبھی ہے کہ خون نکل آیا۔ اب حضرت کبھی ننگے پاؤں نہ پھریں گے۔

(۶) میں دہلی گیا تھا۔ وہاں جے رات رہا گرمی کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔

(۷) لکھنؤ کی مجلس عزاداری میں آنا۔ رنگ یہ ہوگا کہ ہر طرف سے آہ و بُکا کے نالے بلند ہو رہے ہونگے۔

(۸) شریر لڑکے نے اپنا سر دھم سے زمین پر دے مارا۔ لاکھ منع کیا نہ مانا۔

(۹) ریف قوم کے لوگ اس قدر بہادر ہوتے ہیں کہ اس قوم کے ہر فرد کو دیکھ کر بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے کہ "شاباش ریف ہے"۔

(۱۰) روشن آرا باغ میں بہت سی گول روشیں بنی ہوئی ہیں جنسے باغ کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی ہے۔

(۱۱) چھینک آنا بُری فال سہی لیکن میں ان باتوں کا قائل نہیں۔

(۱۲) جاڑا آچلا۔ آبی جانور خوب آنے لگے۔ اب شکاریوں کے مزے ہیں۔

شرائط مطابق اشاعت سابق۔

مرسلہ سید ظہیر الدین احمد علوی۔ ایم اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل

بچوں کا کتبخانہ

سرکار کا دربار

لڑکوں اور لڑکیوں مردوں اور عورتوں کیلئے سیرۃ مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین تالیف

مقتدر مشاہیر علماء اور ادیبوں کی رائیں

اردو ۔ زیر ادارت مولوی عبدالحق صاحب ۔ معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۔ دکن ۔

"یہ کتاب سلسلۂ تعلیم (آقائے اُمت کی سیرت) کی کتاب ہے۔ مولف صاحب جامعہ ملیہ کے قدیم مخلص رکن ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب نہایت اخلاص کے ساتھ تیار کی ہے اور اپنے معیار و مضامین کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ موصوف نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ دس بارہ برس کے بچے اس کتاب کو پڑھ سکیں اور مطالب سے فائدہ اٹھا سکیں اور اپنے آقا کی سیرت سے اپنی اصلاح اخلاق کر سکیں۔ یہ سچ ہے کہ مجیبی صاحب کو اس کی تالیف میں پوری کامیابی ہوئی ہے۔ ہم انکو اس تالیف پر مبارکباد دیتے ہیں انکی یہ کوشش کامیاب اور ملک و قوم میں مشکور ہوگی۔ کتاب بچوں کے لئے دلچسپ بنانے کے لئے خانۂ کعبہ، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے فوٹو بھی شامل کر دئے ہیں اس نے کتاب کے محاسن میں اور خوبی پیدا کر دی ہے۔ سرورق بھی بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے جس سے مولف صاحب کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔

سچ (لکھنؤ) زیر ادارت مولانا عبدالماجد دریابادی ۔ بی ۔ اے ۔

سیرۃ نبوی پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن شاید ہی کوئی ایسی موجود ہو جو صاف و سادہ زبان میں بچوں کے پڑھنے کے قابل ہو اور واقعات بھی جس میں حتی الامکان صحیح صحیح بیان کئے گئے ہوں خوشی کی بات ہے کہ یہ سعادت احمد الیاس مجیبی کے حصہ میں آئی وہ نہ کوئی مذہبی مقتدا اور عالم دین ہیں اور نہ اردو کے مصنف و ادیب لیکن اللہ پاک اپنے کام جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے اس نے اس خدمت کے لئے انکو چن لیا ضخامت ۱۶۸ صفحے۔ سرورق، کاغذ، کتابت ہر شے خوشنما اور مولف کی نفاستِ مذاق پر دلیل۔ صرف زبان ہی سلیس و سادہ نہیں بلکہ انداز بیان بھی لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے دلکش اور ادب و احترام کا سر رشتہ کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہ پایا۔ جا بجا حرم کعبہ۔ حرم مدینہ کے فوٹو دیے ہوئے ہیں۔ شروع میں "دربار کا سلام" کے عنوان سے مدیر سچ کا دیباچہ ہے۔ آخر میں چالیس چھوٹی چھوٹی حدیثیں معہ ترجمہ اردو۔ اور بالکل خاتمہ پر مولانا حالی کے مشہور مسدس، کے چند بند مسلمانوں کا کوئی گھرانا جس میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے قابل موجود ہوں اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ کتاب کا مطالعہ لڑکوں کے علاوہ بڑے بوڑھوں مردوں اور بڑی بوڑھی عورتوں کے لئے بھی مفید ہوگا۔

ملنے کا پتہ

منیجر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ دہلی

طابع و ناشر ۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ مطبع ۔ جید برقی پریس دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ/

ششماہی عہ/

فی پرچہ

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ

نصف صفحہ

چوتھائی صفحہ

اڈیٹر :- سعید انصاری - بی اے

نمبر ۳ ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۵ سنہ عیسوی جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

اب کی سال لاہور میں بڑے زور کی کانگریس ہو رہی ہے۔ نوجوانوں کے سردار پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس کے صدر ہوئے ہیں۔ گزشتہ سال کلکتہ میں آپ کے والد ماجد پنڈت موتی لال نہر صدر ہوئے تھے جن کا جلوس ۳۴ گھوڑوں کی نقرئی گاڑی پر نکالا گیا تھا۔ امسال لاہور میں صاحبزادہ موصوف صدر ہوئے ہیں جن کا جلوس گھوڑوں کی سواری پر نکالا جائیگا۔ والد ماجد اپنے تمام زمانہ صدارت میں ہندوستان کے لئے حکومت زیر سایہ برطانیہ کی کوشش کرتے رہے۔ صاحبزادی ممدوح حکومت برطانیہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے اور "آزادیٔ کامل" کے حامی ہیں۔ باپ کی کوششیں تو اب تک بار آور ہوتی نظر نہیں آتیں۔ دیکھیئے بیٹا کہاں تک کامیاب ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔

پدر نتواند پسر تمام کند

دسمبر کے آخری ہفتہ میں کانپور میں ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتوں کی ایک کانفرنس ہوگی جس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو بھی اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت آئی ہے۔ اس کانفرنس کا منشار یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں جو ایک عام انتشار پیدا ہو گیا ہے، اسے کسی طرح رفع کیا جائے اور انھیں کسی ایک مشترک مقصد پر لایا جائے۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء سے ہوائی جہاز کا سلسلہ کراچی سے دہلی تک قائم ہو جائیگا اور اس کے بعد ۱۹۳۰ء کے درمیان میں کلکتہ تک اور ایک سال بعد رنگون تک پہنچ جائیگا۔ کراچی سے بمبئی تک سلسلہ قائم کرنے کے متعلق بھی گورنمنٹ غور کر رہی ہے۔

ہندوستان کے باہر

گزشتہ چہارشنبہ کو دارالعوام میں ہندوستان کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور اہم مباحثہ ہوا جس میں وزیر ہند مسٹر ویجوڈ بن نے اپنی ایک تقریر کے سلسلہ میں اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان میں نوآبادیات کے طرز کی حکومت قائم ہو اور خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان اس طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا ہے

دو انگریز ہوا باز ڈیمس اور جنکنس جو شمالی افریقہ کو بغیر درمیان میں کہیں رُکے ہوئے پار کرنا چاہتے تھے، ٹیونس کے قریب ایک پہاڑ سے ٹکرا کر فنا ہو گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ موسم کے خراب ہونیکی وجہ سے فضا اس قدر تاریک تھی کہ انھیں اپنے سامنے کی چیز کا پتہ نہیں چلتا تھا۔

روس اور چین میں جو معاملات نجی طور پر طے ہو رہے تھے، وہ معلوم ہوتا ہے کہ طے نہیں پا سکے اور اب منچوریا میں جنگ کے کچھ آثار نظر آ رہے ہیں۔ چین کی حکومت اپنی قوت کو مضبوط کر رہی ہے اور دوسری طرف منچوریا میں روس نے کچھ حملے وغیرہ شروع بھی کر دئیے ہیں۔

بقیہ صفحہ (۷) اسے خوب جذب کر لیتے ہیں۔ پہاڑوں پر رات کو جو حرارت خارج ہوتی ہے، وہ ہوا میں جذب نہیں ہوتی کیونکہ پہاڑوں پر ہوا لطیف اور خشک ہوتی ہے اور اُس میں خاکی ذرات کم ہوتے ہیں حرارت جذب نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے اِسی وجہ سے پہاڑوں پر سردی زیادہ ہوتی ہے۔ میدانوں پر ہوا کثیف ہوتی ہے۔ اُس میں خاکی ذرات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں زیادہ حرارت جذب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میدانوں کی ہوا بہ نسبت پہاڑوں کی ہوا کے زیادہ گرم ہوتی ہے۔

تعلیم

بے علم چو شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

خدا کی شناخت تو بڑی بات ہے پیغمبران دین و اولیا اللہ کی زندگی پر غور کیجئے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو عبادت و ریاضت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے عجز کا اعتراف کرتے رہے اور اگر اس منزل مقصود پر پہنچ بھی گئے تو "خبرے باز نہ آمد"۔

اگر مذکورہ بالا شعر میں "خدا را" کی بجائے "خود را" کر دیا جائے تو لوگوں کو اکتساب علم کی طرف زیادہ رغبت ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ بے علم انسان اپنے آپ کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ اسکو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ اس دنیا میں کس مشن کی تعمیل و تکمیل کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ وہ اندھوں کی طرح اس دنیا میں ادھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ اور اپنے خاص مشن کا پتہ نہیں چلا سکتا۔

"ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔ اس "کار" کے معلوم کرنے میں اسکی تمام عمر ختم ہو جاتی ہے اور آخر کار اسکو بصد حسرت و یاس فرشتہ اجل کو لبیک کہنا پڑتا ہے۔

اکتساب علم کے دو پہلو ہیں۔ ایک دینی دوسرا دنیاوی۔ یہ دونوں پہلو دو مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں۔ پھر بھی ایک دوسرے سے اس طرح پیوست ہیں کہ علیحدہ نہیں کئے جا سکتے لیکن بعض ماہرین تعلیم نے ان دونوں پہلوؤں کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تسلیم کیا ہے اور انکی پیوستگی کو یک لخت نظر انداز کر گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے خیال میں صحیح ہوں لیکن عموماً مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ جس شخص کو دنیاوی تعلیم اعلیٰ اصول پر دی گئی ہے اسکا اخلاق خود بخود درست ہو جاتا ہے۔ اور درستئی اخلاق مذہب کا خاص جز ہے۔ علم اخلاق کا زاید حصہ احکام مذہبی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مذہب اس دنیا میں انسان کی رہبری کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالے کو فطرت انسانی پر کامل اعتماد ہوتا کہ یہ انسان کو لغزشوں سے محفوظ رکھیگی تو مذہب کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دین و دنیا کے واسطے بھیجا گیا ہے کہ انسان مذہبی احکام پر کار آیند ہو کر کامیاب زندگی بسر کر سکے۔ مذہبی تعلیم وہی بہتر ہو سکتی ہے جو ہم میں دنیا کے کام انجام دینے کی صلاحیت پیدا کر دے۔ آپکو بہت سے مذہبی تعلیم یافتہ اشخاص ایسے ملیں گے جو اپنی زندگی نہایت مسرت اور کامیابی سے بسر کر رہے ہیں۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی و دنیاوی تعلیم دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

اب ذرا ایک تعلیم یافتہ اور ایک غیر تعلیم یافتہ شخص کی زندگی کا مرقع اپنے سامنے کھینچئے اور پھر مشاہدہ کیجئے کہ یہ دونوں انسان ہیں مگر ایک کی فطرت میں کتنا تفاوت ہے۔ ایک "مجسمۂ بہیمیت" ہے تو دوسرا "مجسمۂ انسانیت"۔ دونوں نے عناصر اربعہ سے نشو و نما پائی ہے لیکن ایک اپنی جہالت کی وجہ سے "حماقت" کے عنصر خمسہ کا اپنے اندر اضافہ کرتا ہے اور دوسرا اپنی "علمیت" کی وجہ سے جوہر لطافت سے اپنے کو مزین کرتا ہے۔ ایک کو وقت اور دولت کی قلت کی شکایت اتنی فرصت نہیں دیتی کہ اپنی پست طاقت کو درست کرے۔ دوسرا گو افلاس کا مارا ہے مگر اپنی ہمت اور تربیت کو اپنا پشت پناہ سمجھتا ہے۔ اور جو کام اس نے اپنے واسطے منتخب کیا ہے اُسکے انجام و انصرام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا۔ اسکو خوب معلوم ہے کہ وقت دولت ہے۔ تساہل پسند انسان ہمیشہ وقت کو رویا کرتا ہے۔ مگر وہ شخص جسکو وقت کی قیمت معلوم ہے ہر کام کے واسطے وقت نکال لیتا ہے۔

ایک تعلیم یافتہ شخص کی زندگی اوداسی اور پریشان خیالی کا نمونہ ہے اسکی زندگی تین کاموں پر مشتمل ہے۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ کوئی اور شغل اُسکے ذہن میں آتا ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو زمانہ کی شکایت یا دوسروں کی غیبت کرنا۔ برعکس اسکے ایک تعلیمیافتہ شخص کے مشاغل دیکھئے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو کسی مفید مصرف میں صرف کرتا ہے۔ اگر اسکو اپنے ضروری کاموں سے فرصت ہے تو وہ اپنا بقیہ وقت مطالعہ کتب، فہم مشاہدۂ قدرت، درستی اخلاق، اور سیر و سیاحت میں صرف کرتا ہے۔ اس کے ہر شغل کا منشا اپنی موجودہ حالت کو درست کرنا ہے اگر ان مشاغل سے اسکو کسی قسم کا مالی فائدہ بھی نہو تب بھی وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور اپنے دماغ کو فاسد خیالات سے محفوظ رکھتا ہے۔ بس اگر اپنی انفرادی حالت درست کرنا ہے تو تعلیم حاصل کرو۔ اپنی حالت درست کرنے سے آپ اپنی خاندانی اور قومی حالت درست کر سکیں گے۔

پڑھے لکھوں کی بے روزگاری

حکومت ہند کے موجودہ نظام تعلیم کے نقایص پر اب سے پیشتر ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ توجہ دلائی جا چکی ہوگی اور یہ آواز نہ صرف غیر سرکاری حلقوں بلکہ سرکاری طبقہ سے بھی، خواہ کتنے ہی دبے لہجے میں کیوں نہ ہو، اٹھی ہے۔ لیکن حکومت نے اپنی تعلیمی پالیسی میں کوئی بنیادی تغیر کرنا گوارا نہ کیا۔ حکومت کی سلطنت انگلشیہ کے قیام کے زمانہ میں بیشک حکومت کی مشین کو چلانے کے لئے ایسی تعلیمگاہوں کی ضرورت تھی جو اس کے لئے اچھے کل پرزے پیدا کر سکیں لیکن آخر کل پرزوں کی تعداد کی بھی ایک حد تھی جب ان تعلیمگاہوں کی پیداوار کی حکومت کے اس کارخانہ میں کھپت نہ رہی تو پھر اب وہ کیا کرتے! ان میں کچھ تو لگے خود حکومت کا سر کھانے اور کچھ خود حکومت ہی کے لئے مارِ آستیں ثابت ہوئے۔

ہندوستان کے تمام علاقوں میں صوبہ بنگال کو سب سے پہلے یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس نے غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالا اور انگریزی تعلیم و اثر کو سب سے زیادہ قبول کیا۔ حکومت کا منشا جہاں تک اپنے کام کے لئے اشخاص پیدا کرنے کا تھا، وہ بدرجۂ اولی پورا ہوا اور تمام دفاتر اور محکمے بنگالی بابوؤں سے بھر گئے لیکن نصف صدی بھی مشکل سے گزرنے پائی تھی کہ جب دفاتر کی ملازمتیں اور سرکاری نوکریاں سب پر ہو گئیں تو وہی بھوکے بنگالی لگے حکومت کا سر کھانے۔ ہندوستان میں سب سے پہلا سیاسی ایجی ٹیشن جو کسی بڑے پیمانہ پر ہوا وہ ۱۹۰۵ء میں "تقسیم بنگالہ" کا تھا۔ اس میں ان سرکاری تعلیمگاہوں کے بنگالی تعلیم یافتوں نے اپنے شور و پکار سے حکومت کا ناطقہ بند کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعد میں خفیہ انجمنوں کے ذریعہ خود حکومت ہی کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ حکومت کے اپنے ہی ہاتھوں ہوا اور یہ اپنے ہی قائم کئے ہوئے نظام تعلیم کی خرابیوں کا نتیجہ تھا۔ دور رس نگاہوں نے دیکھ لیا کہ یہ بلا ایک بنگالہ ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جہاں کہیں بھی تعلیم یافتوں کے لئے بے روزگاری کا سوال پیدا ہوگا وہ لامحالہ ایسے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور حکومت کے لئے خطرے کا باعث ثابت ہونگے۔

انہی نتائج کو مدنظر رکھتے ہوئے یوپی گورنمنٹ نے ابھی حال میں ایک کمیٹی مقرر کی تھی جو وزیر محکمہ تعلیم، وزیر محکمہ زراعت، ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات اور دوسرے اکابر عمال حکومت پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی جو رپورٹ پیش کی ہے، اسکے تمہیدی الفاظ بنگالہ کے ناگوار نتائج کا عکس ثانی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ۔

"ملک میں ایک ایسی روز افزوں جماعت کا وجود جو بے روزگار اور بے کار ہو، حکومت کے لئے نہ صرف ایک بہت بڑا معاشی نقصان بلکہ ایک عظیم الشان سیاسی خطرہ بھی ہے۔"

یہ الفاظ کسی مزید تشریح کے محتاج نہیں۔ مندرجہ بالا تمہید اسکی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد ارکین کمیٹی نے اس صوبہ متحدہ کے اندر

اس کے بعد ارکین کمیٹی نے اس صوبہ متحدہ کے اندر اس بے روزگاری اور بے کاری کو دور کرنے کے لئے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جو ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

"لکھنؤ، الہ آباد، کانپور، اور آگرہ ان میں سے ہر مقام پر ایک ایسا محکمہ قائم کیا جائے جو ان تدابیر پر عمل کرے۔

(۱) متوسط طبقہ کے ایسے طلبہ کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے کسی ہائی اسکول انٹرمیڈیٹ یا یونیورسٹی کا امتحان پاس کیا ہو۔ (۲) یہ معلوم کیا جائے کہ ان سندات کے لئے کون کونسی ملازمتیں مل سکتی ہیں (۳) ایسے مالکان کارخانہ سے ان کا تعلق کر دیا جائے جنہیں اشخاص کی ضرورت ہو (۴) والدین اور اساتذہ کو مشورے دئے جائیں کہ وہ اپنے لڑکوں کو ایسی تعلیم دیں جو اُن کے لئے حصول معاش میں ممد ہو اور خواہ لڑکوں کو یہ فیصلہ کرنے میں مدد دی جائے کہ وہ آیندہ کس قسم کی تعلیم حاصل کریں۔

(۵) ہر سال محکمہ کیطرف سے ایک رپورٹ شائع ہوا کرے جس سے اسکی کارروائی معلوم ہوتی رہیں

ظاہر ہے کہ یہ تدابیر مریضوں کے لئے صرف ایک تسکین کا کام دے سکتی ہیں۔ مرض کا اصل علاج یہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی دانشمندانہ تدبیر ہے۔ ایک طرف تو اسباب مرض بھی ہوں اور دوسری طرف مریضوں کے لئے شفاخانے بھی کھولے جائیں۔ اصل علاج اور صحیح تدبیر یہ ہے کہ سرے سے مرض ہی کو زائل کیا جائے یعنی تمام نظام تعلیم ہی کو اس طریقہ سے بدلا جائے کہ تعلیمیافتوں کے لئے بے روزگاری کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔

کوائفِ جامعہ

دسمبر ۲۵ء کو طلبائے کالج کی مجلس علمی "انجمن اتحاد" کا جلسہ مسند نشینی تھا جس میں تمام اساتذہ اور طلبائے جامعہ خواہ مدرسہ کے ہوں یا کالج کے، شہر کے رہنے والے ہوں یا دارالاقامہ کے، سب مدعو کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں مولینا محمد علی صاحب مدظلہ بھی مع بیگم صاحبہ اور اپنی صاحبزادی کے تشریف لائے تھے۔ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب جو اس انجمن کے مستقل صدر ہیں حسب قواعد اس جلسہ کے صدر تھے۔ ابتدائی رسوم کے بعد گزشتہ نائب صدر نے اپنی مجلس انتظامیہ کی ایک سال کی روئداد پڑھکر سنائی، جو عموماً اعداد و شمار اور حاضرانہ و غائبانہ شکریوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اسکے بعد جدید منتخب شدہ نائب صدر عبدالکریم خاں صاحب نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ طلبائے جامعہ کی زندگی میں یہی ایک موقع ہوتا ہے جب وہ اپنے منتخب شدہ نائب صدر کے ذریعہ اپنی انجمن کے اغراض و مقاصد اور انکی کاموں کی تشریح کرنے کے بعد جامعہ کے مقاصد اور اسکی پالیسی پر اپنی جائز حدود کے اندر رہ کر اظہار رائے کرتے ہیں اور اپنی کسی عام ضرورت کو شیخ الجامعہ کے سامنے مودبانہ طریقہ پر پیش کرتے ہیں۔ جدید منتخب شدہ نائب صدر نے بھی قدیم روایات کی پابندی کی اور اپنے مختصر مگر پرمغز خطبہ میں اس امر کی ضرورت جتائی کہ جامعہ کا ایک خاص مقصد متعین ہونا چاہیئے اور اساتذہ سے یہ درخواست کی کہ وہ انھیں کسی ایک رنگ میں رنگ دیں۔

تمام مراسم ادا ہونے کے بعد اخیر میں جناب شیخ الجامعہ نے ایک مختصر لیکن نہایت پرمعنی تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا کہ مقصد اور نصب العین تو چیز ہی ایسی ہے جو مخصوص اور متعین نہ ہو۔ جب وہ مقرر اور متعین ہوگیا تو پھر مقصد نہیں رہا۔ ہاں ایسی چیزیں مقرر کی جا سکتی ہیں جن سے مقصد اور نصب العین کا اظہار ہو سکے۔ ایک قسم کی ٹوپی اوڑھنا یا ایک رنگ کے کپڑے پہننا یقیناً کسی درسگاہ کا مقصد نہیں ہو سکتے۔ جامعہ کے مقصد اور نصب العین کو معلوم کرنے کے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ وہ ایک ایسے زمانہ میں وجود میں آئی جب اسلام اور مسلمانوں پر سب سے بڑی مصیبت آئی تھی اور جب ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں نے آزادیِ وطن کے لئے متحدہ کوششیں کی تھیں۔ اس حیثیت سے جامعہ جہاں ایک طرف "اسلامیہ" ہے، وہاں دوسری طرف "ملیہ" بھی ہے۔ وہ اپنے اندر ایک طرف اسلامی روایات اور تعلیم کو زندہ کرنے کی کوشش کریگی اور اسی کے ساتھ دوسری طرف متحدہ قومیت کی تعمیر اور اپنے وطن کی آزادی میں بھی ساعی رہیگی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا مقصد اس سے زیادہ واضح اور روشن اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیزیں اس مقصد کے ذرائع اور مظاہر ہونگے مقصد نہ ہونگے۔

اس کے بعد آپ نے کالج کے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں اساتذہ پر ایک رنگ میں رنگنے کی ذمہ داری ہے، وہاں کالج کے لڑکوں پر بھی ایک رنگ میں آسانی سے رنگ جانے کا فرض عاید ہوتا ہے۔ جامعہ کے اکثر اساتذہ ابھی کل تک جامعہ کے طالب علم تھے اور آج وہ اس کے اساتذہ کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ میں خود بھی اب سے چند سال بیشتر جامعہ کا طالب علم تھا اور میرا نام آج تک جامعہ کے رجسٹر داخلہ میں موجود ہے، لیکن آج میں اس جامعہ کا شیخ الجامعہ ہوں۔ تو کیا اس سے کچھ بہت زیادہ فرق پڑ گیا۔ کل کو بہت ممکن ہے کہ انہی کالج کے طلبہ میں سے بعض تعلیم سے فراغت پاکر جامعہ کے اساتذہ میں آجائیں۔ اس لحاظ سے کالج کے طلبہ پر بھی کچھ کم ذمہ داری عاید نہیں ہوتی ہے، وہ مدرسہ کے دوسرے چھوٹے لڑکوں کے لئے بطور نمونہ کے ہیں۔ انہی کو دیکھ کر وہ بھی رنگ پکڑینگے اس لئے بڑے طلبہ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنی ہر ہر بات کا خیال رکھیں اور اپنی ذمہ داری کو ہر ہر قدم پر ملحوظ رکھیں"

اسکے بعد مولانا محمد علی صاحب مدظلہ نے بھی اپنے خاص انداز میں کچھ نصائح فرمائیں جو بحیثیت بزرگ کے طلبہ اور اساتذہ دونوں کیلئے تھیں۔

اسکے بعد کھانا ہوا۔

حساب و الجبرا

منزل ثانوی کے لئے۔

طریقہ "ضرب بالستویک"

طریقہ "ضرب بالستویک" (جو منزل ابتدائی کے واسطے گذشتہ اشاعت میں درج ہو چکا ہے) کی تائید میں حسب ذیل توضیح پیش کی جا سکتی ہے:-

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فریق (ب) کی وہ رقمیں جن کے جمع کرنے سے جواب حاصل ہوتا ہے، ۴۵ میں دو یا دو کی کسی قوت کو ضرب دینے سے حاصل ہوئی ہیں (ظاہر ہے پہلی رقم اس سے مستثنیٰ ہے) یعنی ہم ۴۵ × ۱ = ۴۵ کہہ سکتے ہیں۔

یعنی ۹۰ + ۱۸۰ + ۷۲۰ + ۲۸۸۰

= (۴۵ × ۲) + (۴۵ × ۲^۲) + (۴۵ × ۲^۴) + (۴۵ × ۲^۶)

= ۴۵ (۲ + ۲^۲ + ۲^۴ + ۲^۶)

= ۴۵ (۲ + ۴ + ۱۶ + ۶۴)

= ۴۵ × ۸۶ (یہی سوال کی رقمیں تھیں)

الجبرا کے فارمولے حساب میں

(۱) (ا + ب) (س + د)

(ا) ۳۲۲ × ۲۳۰

= (۳۰۰ + ۲۲) (۲۰۰ + ۳۰)

= ۶۰۰۰۰ + ۴۴۰۰ + ۹۰۰۰ + ۶۶۰

= ۷۰۰۶۰ جواب

(ب) کسر میں ۱۵ ۱/۲ × ۲۰ ۱/۲

= (۱۵ + ۱/۲) (۲۰ + ۱/۲)

= ۳۰۰ + ۷ ۱/۲ + ۱۰ + ۱/۴

= ۳۱۷ ۳/۴ جواب

(۲) (ا) (ا + ب)^۲

(ا) (ا + ب)^۲

= ا^۲ + ۲اب + ب^۲

```
  ۶۱۲
  ۶۱۲
 ----
 ۱۲۲۴
  ۶۱۲
۳۶۷۲
------
۳۷۴۵۴۴
```

(ب) (۶۱۲)^۲

= (۶۰۰ + ۱۲)^۲

= (۱۲)^۲ + ۱۴۴۰۰ + (۶۰۰)^۲

= ۱۴۴ + ۱۴۴۰۰ + ۳۶۰۰۰۰

= ۳۷۴۵۴۴

تشریح کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی

(ب) ایسے اعداد کا مربع نکالنا جن کے آخر میں ۵ ہو

مثال۔ (۷۵)^۲

= (۸ × ۷) ۱۰۰ + ۲۵

= ۵۶۰۰ + ۲۵

= ۵۶۲۵ جواب

توضیح۔ (ا + ب)^۲ کے فارمولے پر

= (۷۰)^۲ + ۷۰۰ + (۵)^۲

= ۵۶۰۰ + ۲۵

= (۸ × ۷) ۱۰۰ + ۲۵

دوسری مثال۔ (۱۹۵)^۲

= (۲۰ + ۱۹) ۱۰۰ + ۲۵

= ۳۸۰۰۰ + ۲۵

= ۳۸۰۲۵ جواب

تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایسے اعداد کا مربع نکالنا ہو جن کے آخر میں ۵ ہو تو اکائی کی جگہ ایسا عدد رکھو جو دوسرے ہندسوں سے بنی ہوئی رقم سے بقدر ایک زیادہ ہو پھر ان کے حاصل ضرب کو ۱۰۰ میں ضرب دے کر ۲۵ جمع کر لو۔

سائنس

کیوں اور کسطرح

(۱) زلزلے کیوں آتے ہیں؟

زلزلوں کے آنیکی سب سے اہم وجہ یہ ہے۔ کہ زمین کی سطح اپنے اندرونی حصے کی نسبت بالکل سرد ہے اور آپ صاحبان جانتے ہونگے۔ کہ زمین کی سطح اس کے اندرونی حصے کے سہارے پر قائم ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ ایک مکان کی دیواریں بنیادوں پر قائم ہوتی ہیں۔ اب اگر زمین کا اندرونی حصہ سکڑ جائے تو ضروری بات ہے کہ اسکی سطح کا کوئی نہ کوئی حصہ بغیر سہارے کے رہ جاویگا اس حالت میں وہ حصہ کسی صورت میں بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ایک کھوکھلی بنیاد والے مکان کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ جب اندر کی زمین کا کوئی حصہ سکڑنے لگتا ہے، تو زمین کے بعض حصوں میں شگاف ہو جاتے ہیں۔ اور ان شگافوں کا اپنے آس پاس کے حصۂ زمین پر کافی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ دور دور تک زمین پھٹ جاتی ہے۔ اور اطراف وجوانب میں جنبش کی ایک زبردست لہر پھیل جاتی ہے۔ یہ لہر بلا کی تیز رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک عالمگیر کھلبلی سی مچا دیتی ہے۔ جسے ہم زلزلے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان زلزلوں کے برپا ہونے کا کوئی ایک مقام نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ خشکی ہی کے کسی حصہ میں برپا ہوں۔ وہ سمندر کی تہ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سمندر کی تہ بھی خشکی سے بنی ہوتی ہے۔ اور اسے زمین کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے ان زلزلوں سے بعض اوقات کسی جگہ کی زمین بلند اور کسی جگہ کی زمین پست ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح اونچے پہاڑ اور عمیق غار بن جاتے ہیں۔ کسی وقت جھٹکے سے زمین پھٹ جاتی ہے تو اندر کی گرمی جو ہزاروں سال پیشتر سے اندر کی دھاتوں کو پگھلا کر باہر پھینک دیتی ہے اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی صورت اختیار کر کے سینکڑوں میل تک تباہی و بربادی مچا دیتی ہے

ایسے افسانوں میں کہ زمین کے نیچے ایک بیل کھڑا ہے۔ اور زمین کو اپنے سینگوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جب وہ زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے۔ تو زلزلہ آجاتا ہے۔ ان باتوں میں کوئی صداقت کی لہر ہی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ تو جاہل لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ میرے بھائیو! آپکو ان جاہل لوگوں کی باتوں میں نہیں آنا چاہیئے۔

(۲) جذب و اشعاع کا موسم پر کیا اثر ہوتا ہے؟

آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ موسم گرما میں منطقہ حارہ کے شمال میں گرمی ہوتی ہے۔ اور جنوب میں سردی اور موسم سرما میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ موسم کی یہ تبدیلی حرارت کے جذب و اشعاع پر منحصر ہے

گرمیوں میں شمالی نصف کرۂ پر سورج کی شعاعیں مقابلۃً عمودی ہوتی ہیں پس ان کو ہوا کے کم حصہ میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے گرمی ہوا سے کم رکتی ہے۔ اس کا زیادہ حصہ زمین پر پڑتا ہے اور زمین اس گرمی کو جذب کرتی ہے۔ لیکن چونکہ رات چھوٹی ہوتی ہے اس لئے اتنی گرمی خارج نہیں ہوتی جتنی جذب ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گرمیوں میں زمین کا درجہ حرارت بڑھتا جاتا ہے۔

زمین کے قریب جو ہوا ہوتی ہے وہ زمین سے گرمی لیکر گرم ہوتی ہے۔ اس لئے اسکی تپش زمین کی تپش پر منحصر ہوتی ہے۔ گرمیوں میں زمین گرم ہوتی ہے۔ تو اس کے اوپر کی ہوا بھی گرم ہو جاتی ہے۔

سردی میں شعاعیں ترچھی ہوتی ہیں۔ دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس لئے گرمی کم پڑتی ہے اور جذب بھی کم ہوتی ہے۔ اور رات کو اشعاع حرارت سے زیادہ گرمی خارج ہو جاتی ہے۔ اس لئے رفتہ رفتہ زمین ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے اوپر کی ہوا بھی سرد پڑ جاتی ہے۔ ہوا کا گرم و سرد ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس میں گرمی جذب ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جو ہوا زیادہ کثیف ہوگی اس میں گرمی بھی زیادہ جذب ہو سکیگی۔ آبی بخارات سورج کی گرمی کم جذب کرتے ہیں۔ مگر جو گرمی زمین سے خارج ہوتی ہے

صاحبقران امیر تیمور

دہلی کے "قتل عام" کا افسانہ

امیر تیمور کے ظلم و ستم کی داستان میں ایک بہت پُر لطف داستان دہلی میں "قتل عام" کی ہے جو بڑے مزے لے لیکر بیان کیجاتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دہلی میں قتل عام کا افسانہ بھی اسی طرح اصل واقعہ کی یکرخی تصویر ہے جس طرح ایک لاکھ قیدیوں کے تہ تیغ کرنے کا۔

پچھلے بیان میں تم پڑھ چکے ہو کہ دہلی پر حملہ کرنے سے پیشتر امیر تیمور نے امراء اور افسران فوج کی ایک مجلس اس غرض سے منعقد کی تھی کہ اس میں یہ طے کرے کہ حملہ کب اور کس طریقہ سے شروع کیا جائے اور حملہ کے دوران میں فوجوں کو کن کن امور کا خاص لحاظ رکھنا چاہیئے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کچھ یونہی اچانک اور بے سوچے سمجھے ہلّہ نہیں بول دیا ہوگا بلکہ اس کے اور تمام افسران فوج کے ذہن میں خاص تدابیر موجود رہی ہونگی اور فوجوں کو خاص خاص ہدائتیں دیدی گئی ہونگی۔

بہرحال، حملہ کی ابتدا ہوئی اور سب سے پہلے میمنہ نے پیشقدمی شروع کی۔ اسکے بعد قلب سے فوجیں بڑھنا شروع ہوئیں، پھر میسرہ نے قدم بڑھایا۔ دشمن نے ان میں سے صرف قلب کے جواب میں اپنے فیل سواروں کی فوجیں بھیجیں۔ تیمور کے افسروں نے جب یہ دیکھا تو چند سپاہیوں کو حکم دیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر فیلبانوں کو تیروں سے گرانا شروع کیا اور ہاتھیوں کو تلواروں سے زخمی کرنے لگے۔ اب اسکے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ سلطان محمود اور اسکے سپاہی نہایت جانبازی سے لڑے، لیکن ان کے پاؤں اخیر تک جم نہ سکے اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ سلطان محمود اور اس کے ساتھی ملّو خاں دونوں بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ فوجوں نے جب یہ حال دیکھا کہ سلطان اور وزیر دونوں میدان جنگ سے غائب ہیں تو وہ بھی میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد امیر تیمور قلعہ میں داخل ہوا۔ ادھر ایک دروازے سے اس نے قدم رکھا اُدھر دوسرے دروازے سے محمود اور ملّو خاں چپکے سے نکل بھاگے۔ مثل ہے، ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند، وہی امراء اور اہل دربار جو کل تک سلطان محمود اور ملّو خاں کے سامنے دست بستہ رہا کرتے تھے، آج امیر تیمور کے آگے تہنیت و مبارکباد پیش کرنے کے لئے آگے بڑھے تیمور نے بھی قبول تہنیت و مبارکباد کے بعد سب سے پہلے اس قادر مطلق و توانا کے دربار میں سجدۂ شکر ادا کیا اور منت پذیری اور احسانمندی کے آنسو بہائے جس نے یہ مبارک دن دکھائے۔ اس کے بعد عیدگاہ میں ایک دربار عام منعقد کیا تاکہ اس میں تمام لوگ اپنے اپنے معروضات پیش کریں۔ اہل شہر نے اپنے کچھ نمائندے بھیجکر اپنی جان و مال کی حفاظت کی درخواست کی۔ علماء و سادات نے اسکی پرزور سفارش کی جسکی بنا پر امیر تیمور نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور یہ اطمینان دلا دیا کہ اہل شہر دستور کے مطابق مقررہ تاوان جنگ دیدیں پھر انکی جان و مال ہر طرح سے محفوظ ہے۔ جمعہ کے دن امام نے خطبہ میں امیر تیمور کا نام پڑھا۔ دہلی اور ہندوستان کی سلطنت فاتح کی تلوار سے بلکہ خود مفتوح کی زبان سے اب امیر تیمور کے حق میں مسلم ہوگئی۔ امراء اور اہل فوج کو اس کامیابی اور فتح پر عطایا اور خلعتیں تقسیم کی جانے لگیں لیکن ابھی وہ ناگوار واقعہ پیش آنیکو باقی تھا جس نے امیر تیمور کی ان سب کامیابیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

دہلی فتح ہو چکی تھی۔ دعویداران سلطنت تاج و تخت سے دست بردار ہو کر بھاگ چکے تھے۔ فوجیں منتشر ہو گئیں تھیں۔ رہے سہے سپاہی قید ہو کر حراست میں آ گئے باشندگان شہر تاوان جنگ دینا قبول کر کے اپنی جان و مال محفوظ کر چکے تھے کہ یکایک ایک معمولی سی آویزش خونچکاں واقعہ بن گئی۔ کچھ عجیب اتفاق کہ شہر میں امن و امان ہو جانے کے بعد فوجوں کی مقصد مختلف ضرورتوں سے شہر میں نکلیں۔ فوج کا ایک دستہ

جغرافیہ

قدرت کی کتاب

پنڈت جواہر لال نہرو کو بہ حیثیت مصنف کے بہت کم لوگ جانتے ہونگے۔ آپ نے کچھ عرصہ ہوا، اپنی لڑکی اندرا کو انگریزی میں کچھ خطوط لکھے تھے جو اب کتابی صورت میں شائع ہوگئے ہیں دنیا کے متعلق عام معلومات کا یہ مجموعہ بچوں کے لئے مفید اور سبق آموز ہے، گزشتہ اشاعت میں ہم نے اس مجموعہ کے ایک خط کا ترجمہ دیا تھا۔ آج اس کے ایک دوسرے خط کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ یہ خطوط اردو خواں بچوں کے حلقہ میں بھی مقبول ہونگے۔ (ایڈیٹر)

جب ہم تم ساتھ ہوتے ہیں تو تم اکثر مجھ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوالات کیا کرتی ہو اور میں ان کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اب جبکہ تم مسوری میں ہو اور میں الہ آباد میں، ہماری تمہاری وہ بات چیت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میں تمہیں زمین اور ان ملکوں کے بارے میں جس میں زمین منقسم ہے، وقتاً فوقتاً لکھتا رہونگا۔ تم نے انگلستان کی اور ہندوستان کی تاریخ تو کچھ نہ کچھ یقیناً پڑھی ہے لیکن یہ انگلستان محض ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اور یہ تمہارا ہندوستان اگرچہ ایک بہت بڑا ملک ہے، لیکن اس وسیع زمین کا چھوٹا سا حصہ ہے۔ اگر ہم اس دنیا کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں، تو ہم کو ان تمام ممالک اور ان تمام قوموں کا حال جاننا چاہیئے جو اس دنیا میں بستی ہیں نہ کہ صرف اپنے اس چھوٹے سے ملک ہی کا حال جانیں جہاں ہم پیدا ہوئے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ ان خطوط میں میں تمہیں بہت کم حالات بتا سکونگا لیکن تھوڑا بہت جو کچھ بھی تمہیں معلوم ہوگا، اس سے مجھے اُمید ہے کہ تم اس دنیا کو اس کی مجموعی حیثیت سے سمجھنے لگوگی اور دوسری قوم والوں کو اپنا بھائی اور بہن خیال کروگی۔ جب تم بڑی ہوگی تو تم زمین اور اسکے باشندوں کے حالات موٹی موٹی کتابوں میں پڑھوگی اور وہ تمہیں کسی ناول یا قصے کی کتابوں سے کہیں زیادہ دلچسپ معلوم ہونگے۔

تم اتنا تو جانتی ہوگی کہ ہماری یہ زمین بہت زمانہ کی ہے، یعنی لاکھوں، کروروں برس کی۔ اور بہت عرصہ تک اس پر نہ کوئی مرد بستا تھا نہ عورت۔ قبل اس کے کہ انسان پیدا ہوا اس پر جانور رہتے تھے، اور جانوروں سے پیشتر ایک زمانہ تھا جبکہ اس پر کسی قسم کی کوئی جاندار چیز نہیں تھی۔ یہ تصور ہی کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ دُنیا جو آج مختلف قسم کے حیوانات اور انسانات کی بستی ہے، کبھی ان کے بغیر کیسی رہی ہوگی۔ لیکن سائنسداں اور وہ لوگ جنھوں نے ان باتوں کے متعلق بہت کچھ غور و فکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ زمین اس قدر گرم تھی کہ اس پر کوئی جاندار شے نہیں رہ سکتی تھی۔ اگر ہم ان کتابوں کو پڑھیں اور بعض چٹانوں اور مردہ جانوروں کی ہڈیوں کو دیکھیں تو ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ بیشک ایسی ہی حالت رہی ہوگی۔

تم ملکوں اور قوموں کی تاریخ کتابوں میں پڑھتی ہو لیکن پُرانے زمانے میں جب کہ لوگ نہیں تھے، اس وقت یقیناً کتابیں بھی نہیں ہونگی۔ پھر ہم کیسے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس وقت کیا ہوا ہوگا؟ ہم صرف بیٹھکر ہر بات کو خیال سے معلوم نہیں کر سکتے۔ یہ اگرچہ بہت دلچسپ ہوتا، اس لئے کہ ہم ہر چیز کا تخیل کرتے اور اس طرح بہت اچھے اچھے قصے بنا لیتے۔ لیکن یہ صحیح نہ ہوتا اس لئے کہ یہ ان واقعات پر مبنی نہ ہوتا جو ہم دیکھ چکے ہیں۔ لیکن اگرچہ اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہمارے پاس کتابیں نہیں ہیں، پھر بھی ہمارے پاس ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے تقریباً اسی طرح حالات معلوم ہوتے ہیں جس طرح کتابوں سے۔ یہ چیزیں چٹانیں، پہاڑ، سمندر، ستارے، دریا، ریگستان اور پُرانے جانوروں کی ہڈیاں ہیں۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ہیں جن سے ہماری زمین کے ابتدائی حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان حالات کے معلوم کرنیکا اصلی طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں دوسروں کی لکھی ہوئی کتابوں میں پڑھیں بلکہ ہم کو خود قدرت کی اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو ہر وقت ہمارے سامنے کھلی رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ یہ حالات چٹانوں اور پہاڑوں سے کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں خیال

کروگے یہ کس قدر دلچسپ طریقہ ہوگا! ہر چھوٹے سا چھوٹا پتھر جو سڑک کے کنارے یا کسی پہاڑ کے دامن میں پڑا ہوا تم دیکھتی ہو، وہ اس قدرت کی کتاب کا چھوٹا سا ورق ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ تمہیں تھوڑے بہت حالات بتا سکے بشرطیکہ تمہیں ان کے معلوم کرنیکا صرف طریقہ معلوم ہو۔ کسی زبان کے سیکھنے میں خواہ وہ ہندی، اردو ہو یا انگریزی، تمہیں اس زبان کے حروف تہجی جاننے پڑتے ہیں۔ اسی طرح تمہیں قدرت کے حرفوں کو بھی جاننا چاہیئے قبل اس کے کہ تم اسکی پتھر اور چٹانوں کی کتاب سے اس کے حالات پڑھ سکو۔ اب بھی غالباً تم کچھ نہ کچھ اس کے پڑھنے کا طریقہ جانتی ہوگی۔ جب تم کوئی چھوٹی گول چکنی کنکری دیکھتی ہو، تو کیا یہ تمہیں کچھ حال نہیں بتاتی؟ یہ کیسے گول، چکنی اور چمکدار بنی اور اس کے کنارے چوپہل یا کھردرے کیوں نظر نہیں آتے؟ اگر تم کسی بڑی چٹان کو توڑو اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالو تو ہر ٹکڑا تمہیں کھردرا نظر آئیگا۔ یہ گول چکنی کنکری کی طرح نہ ہوگا پھر کنکری کیسے اس قدر سڈول، چکنی اور چمکدار ہوگئی؟ اگر تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان ہیں تو یہ تم سے اپنا قصہ آپ بیان کریگی۔ یہ کہتی ہے کہ کسی زمانہ میں جسے بہت عرصہ گزرا ہو، یہ ایک چٹان کا ٹکڑہ تھی، ویسا ہی ٹکڑہ جیسا تم کسی چٹان سے توڑتی ہو جس میں بہت سے گوشے اور کنارے ہوتے ہیں۔ پھر یہ کسی پہاڑ پہ ٹھہر گئی۔ اس کے بعد بارش آئی اور وہ اسے بہا کر اس پہاڑ کی وادی میں لے گئی جہاں اسے ایک چشمہ مل گیا۔ یہ چشمہ اُسے بہاتا بہاتا کسی چھوٹی سی ندی میں لے گیا۔ اس ندی سے یہ کنکری بہتے بہتے کسی بڑے دریا میں جا پڑی۔ اور اس تمام عرصہ میں اس کے لُڑھکنے اور ڈھلکنے میں اسکے کنارے اور گوشے گھِس گئے اور اس کی سطح بالکل صاف اور چکنی ہوگئی اور یہ وہی کنکری بنگئی جسے تم اس حالت میں دیکھ رہی ہو۔ کسی طرح سے دریا نے اسے پیچھے چھوڑ دیا اور یہ تمہارے ہاتھ لگ گئی۔ اگر دریا اسے اپنے ساتھ بہالے گیا ہوتا تو یہ گھِستے گھِستے اس قدر چھوٹی ہو جاتی کہ ریت کا ایک رہ جاتا اور پھر اپنے دوسرے بھائیوں سے ملتا اور اس طرح طرح سے کا وہ خوشنما ساحل بن جاتا جہاں بچے کھیلتے اور ریت سے گھر بناتے ہیں۔

اگر ایک چھوٹا سا ذرہ ہمیں اس قدر باتیں بتا سکتا ہے تو اندازہ کرو کہ پھر چٹانوں اور پہاڑیوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے جنھیں ہم اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں، ہمیں کیا کچھ نہیں معلوم ہوسکتا؟

صفحہ ۸ کا بقیہ مضمون

ان بیگمات کی حفاظت کے لئے ہمراہ تھا جو عمارات شہر کی سیر کے لئے نکلی تھیں۔ کچھ سپاہی سامان رسد اور دوسری ضروریات کی چیزیں خریدنے کے لئے بازار میں آئے تھے۔ کچھ اس غرض کے لئے بھیجے گئے تھے کہ جو باہر سے لوگ آ آکر شہر میں پناہ گزیں ہوئے ہیں، انھیں فصیل نے اندر نہ آنے دیا جائے اور کچھ ذمہ دار اشخاص اہل شہر سے تاوان جنگ وصول کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ یہی دو آخری باتیں ایسی تھیں کہ جن میں تزاع کا اندیشہ تھا ان باہر سے آئے ہوئے لوگوں میں سے بعضوں نے باہر سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح تاوان جنگ کے لینے دینے میں بھی کچھ بات پیدا ہوگئی بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک نوبت پہونچی۔ پھر کیا تھا، ایک طرف مسلح فوجیں تھیں اور دوسری طرف سے نہتے آدمی۔ جتنے سپاہی شہر کے مختلف حصوں میں منتشر تھے، سب یکجا جمع ہوگئے اور باقاعدہ لوٹ مار اور قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ سلسلہ کوئی تین چار روز تک جاری رہا۔ امیر تیمور کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس نے فوراً اپنے بعض افسروں کو بھیجا کہ وہ سپاہیوں کو جاکر بلا لائیں۔ دربانوں کو حکم بھیجا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں تاکہ نئے سپاہی جاکر اس ہنگامہ میں نہ شریک ہوجائیں۔ غرض ان تدابیر سے یہ ہنگامہ کسی طرح فرو ہوا اور اہل شہر نے پھر ایک بار امن امان کی صورت دیکھی۔ اب معاملہ تلافی مافات کا تھا۔ امیر تیمور نے اس کے لئے بھی جو کچھ انتہائی انصاف مہربانی کا برتاؤ ہوسکتا تھا، وہ کیا۔ اس نے لوگوں کا جو کچھ مال لُٹا تھا، وہ سب تاوان جنگ میں مجرا دیدیا اور کسی کو ایک پیسہ کا خسارہ بھی نہ ہونے دیا۔

اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذ

کس طرح اپنے بعض مورخوں اور سوانح نگاروں کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا شکار رہا ہے۔ وہ دراصل ایسا برا نہ تھا جیسا برا اسے کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں اور اسکے ہاتھ سے بیشک بعض واقعات ایسے پیش آئے جن سے اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہونیکا امکان تھا، لیکن اگر غور سے دیکھا اور تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو امیر تیمور کی نیت اور ارادہ بہت نیک اور صاف معلوم ہوگا۔ اسنے عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا، اسنے کوئی کام بیقاعدہ یا بلا مشورہ کبھی نہیں کیا، پھر بھی وہ آج اسدرجہ بدنام ہے۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔

نظم

چڑیا کا گیت

میں صبح کو اڑ جاتی ہوں — اور شام کو واپس آتی ہوں
میں خوب سا دانہ لاتی ہوں — بچوں کو خوب کھلاتی ہوں

میں ننھی منی چڑیا ہوں
میں ننھی منی چڑیا ہوں

جب جنگل میں میں جاتی ہوں — صیّاد کو بیٹھا پاتی ہوں
اور جال میں دانے دیکھتی ہوں — تو پھر سے میں اڑ جاتی ہوں

میں ننھی منی چڑیا ہوں
میں ننھی منی چڑیا ہوں

وہ بھاگا بھاگا آتا ہے — جب جال کو خالی دیکھتا ہے
سر پیٹتا ہے جاں کھوتا ہے — تقدیر کو اپنی روتا ہے

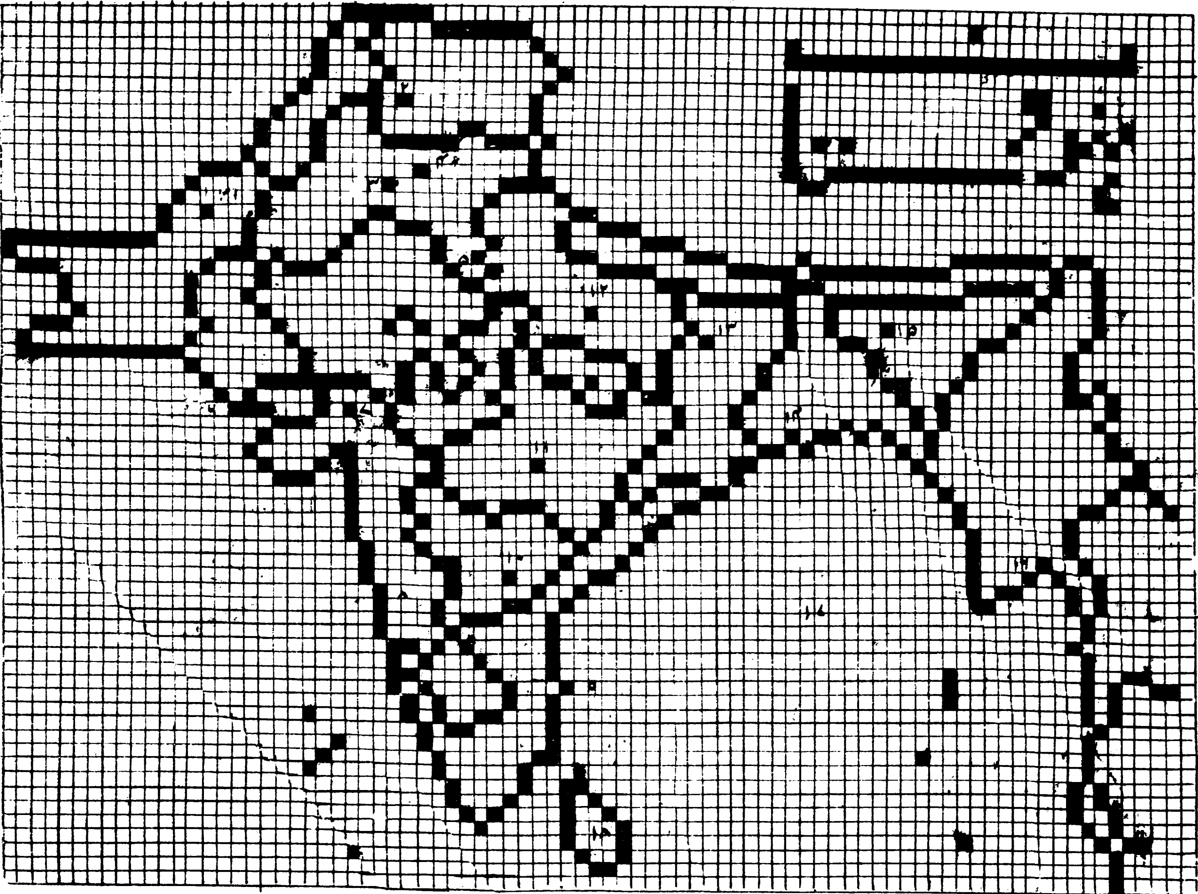
میں ننھی منی چڑیا ہوں
میں ننھی منی چڑیا ہوں

نظم

باغ کی سیر

صبح سویرے آج اُٹھا میں — سیر کی خاطر باغ گیا میں
فرش وہاں سبزے کا بچھا تھا — اس پر پانی لوٹ رہا تھا
وقت سہانا سرد ہوا تھی — دلکش اور پُر لطف فضا تھی
چڑیوں کی چہکار غضب تھی — کلیوں کی مہکار عجب تھی
ہر سو چشمے پھوٹ رہے تھے — اور فوارے چھوٹ رہے تھے
کچھ بیلیں بھی زمیں پہ پڑی تھیں — کچھ بیلیں ٹٹی پہ چڑھی تھیں
صاف اور ستھری تھی ہر پٹڑی — اس پر سرخ کٹی تھی بجری
پھول کھلے تھے پیارے پیارے — سب تھے انوکھے سب تھے نرالے
پودے ہر سو جھوم رہے تھے — سبزے کا منہ چوم رہے تھے
ایک طرف کیلا تھا اکیلا — ایک طرف بیلا البیلا
ایک طرف آم اور کٹھل تھے — اک جا انجیر اور بڑھل تھے
ایک طرف تھا گلاب اور گیندا — اک جا امرود اور پھلیندا
ایک طرف لیمو نارنگی — رنگترے کی رنگا رنگی
پھل بھی لگے تھے کچے پکے — کچھ میٹھے تھے اور کچھ کھٹے
دیکھی پھولوں کی رنگینی — سونگھی خوشبو بھینی بھینی
صبح سویرے جو کہ اُٹھے تھے — سیر کی خاطر باغ گئے تھے
سب کے دل مسرور ہوئے تھے — رنج اور غم سب دور ہوئے تھے

نیر بھی دلشاد تھا اُس دم
وقت مبارکباد تھا اُس دم



کروشیا میں ہندوستان { تشریح نمبران وحروف

(۱) کوئٹہ (۲) سری نگر (۳) لاہور (۴) امرتسر (۵) دہلی (۶) کراچی (۷) احمد آباد (۸) بمبئی (۹) مدراس (۱۰) حیدرآباد
(۱۱) ناگپور (۱۲) لکھنؤ (۱۳) پٹنہ (۱۴) کلکتہ (۱۵) شیلانگ (۱۶) رنگون (۱۷) خلیج بنگال (۱۸) لنکا۔

کام کی باتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ رسول کی عقیدت۔ قرآن شریف کی تلاوت۔ یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ ۱۳۰۰ سال گذر جانے پر بھی ان پر جتنا زور دیا جائے کم ہے۔ یہ تین باتیں ایک مسلمان کی زندگی کے تین ستون ہیں۔ لہٰذا انکو جتنا مستحکم بنایا جائے اتنی ہی اس دنیا میں کامیابی ہو گی۔ اور عقبیٰ میں جنت نصیب ہو گی۔

(۲) بزرگوں کی اطاعت:۔ یہ بھی انسان کی زندگی کے فرائض میں سے ہے جو شخص اپنے بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتا تو اُسکی بھی کوئی اطاعت نہیں کریگا۔

(۳) اُستادوں کی عزت:۔ اس دنیا میں بلا اُستاد کے کوئی کام نہیں جیتا کسی نہ کسی سے تم کو کوئی کام ضرور سیکھنا ہے جس شخص سے تم علم حاصل کرو اس کی عزت کرنا تمہارے اوپر فرض ہے۔

(۴) وقت کی قیمت:۔ اپنے وقت کو رائگاں نہ کھوؤ "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" اپنا ایک "دستور العمل" تیار کرو اور اوقات مقررہ پر ہر کام پورا کرو۔ اس طرح سے تمہارے پاس بہت وقت نکل آئیگا جس کو تم کھیل کود میں صرف کر سکتے ہو۔

(۵) ثمرۂ صحبت:۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرو کہ اپنے اوقات فرصت کو اپنے سے بہتر لڑکوں کی صحبت میں صرف کرو اس سے تمہارا ہی فائدہ ہے تمہارے علم میں اضافہ ہو گا بُری صحبت سے دور بھاگو۔

(۶) راست گوئی کی عادت:۔ اس سے بہتر اور کوئی "خطاب" نہیں ہو سکتا ہے اگر تم کو سب یہ کہیں کہ "یہ سچا لڑکا ہے" اس "خطاب" کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

(۷) جسمانی صحت:۔ صحت پر زندگی کا دار و مدار ہے اگر صحت اچھی نہیں تو زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ زیادہ تر صحت غذا کی بے اعتدالی سے خراب ہو جاتی ہے اپنی غذا کے اوقات مقرر کر لو اور اُنہیں اوقات مقررہ پر کھانا کھاؤ ہاضمہ ہمیشہ درست رہیگا۔ جب طبیعت حاضر نہ ہو تو کم کھانا کھاؤ یا فاقہ کر جاؤ۔ تم دن رات کا حصہ کمروں میں صرف کرتے ہو۔ شام کو صبح کو تازہ ہوا کھانے جایا کرو۔ تازہ ہوا صحت بخش ہوتی ہے۔

قدیم چینیوں کی دانائی

(۱) جس کام کو تم کرنا چاہتے ہو اُس کے لئے پہلے سے تیار ہو جاؤ۔

(۲) ہزار میل کا سفر ایک قدم سے شروع ہوتا ہے۔

(۳) اُن اعلیٰ کاموں کو اپنے ہاتھ میں اسوقت لو جبکہ وہ ادنیٰ ہوں

(۴) مشکل کام دنیا میں اُسی وقت انجام پاتے ہیں جبکہ وہ آسان ہوتے ہیں۔

(۵) عقلمند آدمی بڑے کاموں کا بوجھ اپنے سر کبھی نہیں لیتا اس لئے وہ اُن کو انجام دے سکتا ہے۔

(۶) میں نے تین بہا چیزوں کو مضبوط پکڑا ہے:۔ صبر، کفایت شعاری اور ہمدردی۔

(۷) سچے الفاظ خوبصورت نہیں ہوتے اور خوبصورت الفاظ سچے نہیں ہوتے۔

(۸) جو شخص جتنا خود سے دور ہوتا ہے اُتنا ہی وہ خود کو کم جانتا ہے۔

(۹) جنگ کے اوزار ایک بہادر ہتیار نہیں ہوتے۔ وہ اُنکو اُسی وقت استعمال کرتا ہے جبکہ وہ بے حد مجبور ہو جاتا ہے۔ اَمن اُسکی زندگی کا بڑا مقصد ہوتا ہے۔

ہندوستان بھر میں

عمدہ، مضبوط، دیرپا، خوب صورت، نفیس اور نسبتاً ارزاں قیمت سامان کھیل مہیا کرنیوالا واحد کارخانہ

ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ

شہر سیالکوٹ کو یاد رکھیں!

اگر آپ کو

یا آپ کے دوست احباب کو کسی قسم کا سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال والی بال ہاکی، ٹینس، بیڈمنٹن، ٹوشیوؤں کی ضرورت ہو تو ہمیشہ براہ راست اسکولوں کے خاص دیرینہ خادم کارخانہ

ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کو لکھا کریں

ہمارا سامان ہاکی

اپنی عمدگی مضبوطی اور نسبتاً ارزاں ہونیکی وجہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ جوں جوں شوقین کھیل کلبوں کے سکرٹری اور اسکولوں کے ہیڈماسٹر صاحبان بطور آزمائش منگاتے ہیں اسکی عمدگی مضبوطی اور نفاست کو دیکھکر شیدا ہوتے جاتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہمارا سامان ہاکی ایکمرتبہ بطور آزمائش کے منگایا گیا انہوں نے روزمرہ کی پریکٹس اور مقابلہ کے میچوں میں حسب خواہش عمدہ اور مضبوط پاکر اعلیٰ سے اعلیٰ سرٹیفکیٹ دیئے۔ اور بڑے بڑے آرڈروں سے مستفید فرمانے اور کارخانہ کے مستقل گاہک بننے کے علاوہ کمپنی کی مجسم اشتہار بن گئے

ہمارا سامان کھیل

عرصہ گیارہ سال سے مستقل طور پر ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں، رجمنٹوں، ریاستوں اور کلبوں میں بکثرت خرید جاتا ہے علاوہ ممالک غیر میں بھی منگوایا جاتا ہے اس اثناء میں جسقدر شہرت اور ناموری اپنی دیانتداری کی وجہ سے کارخانہ کو نصیب ہوئی ہے شاید ہی کسی دوسرے کو ہوئی ہو۔ آپ بھی اپنا آزمائشی آرڈر بھیجکر ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ذیل میں مختصر فہرست سامان کھیل درج ہے جسپر ۲ فی روپیہ کی خاص رعایت دیجائے گی حسب ضرورت لکھکر طلب کریں۔

فہرست سامان ہاکی

دی منارک مین ربڑ سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر کانپوری چمڑہ لپٹا ہوا نہایت مضبوط اور خوبصورت قیمت عـه

دی میچ بک ڈبل سپرنگ ہنڈل اوپر اُلٹا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط اور دیرپا قیمت عـه

دی مارشل ڈبل سپرنگ ہینڈل ہاکی اوپر سن پروف رنگ کا ولایتی دھاگہ لپٹا ہوا خوبصورت قیمت للعه

دی مارسن سنگل سپرنگ ٹوائین بونڈ ہینڈل قیمت للعه

دی میچ آل کین ہینڈل اوپر سیاہ ولایتی دھاگہ قیمت للعه

دی اسپیشل پریکٹس ڈنڈا ہاکی اوپر چمڑا لپٹا ہوا ۱۲

چھوٹے بچوں کی ہاکیاں مارسن دو روپے۔ پریکٹس قیمت ۱۲

ہاکی بال منارک سے، میچ ۱۲،

اسپیشل پریکٹس . . . . عه

فہرست سامان کرکٹ

دی میچ بک مین ربڑ سپرنگ ہینڈل کرکٹ بیٹ اوپر اُلٹا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط قیمت ملے

دی مارشل ڈبل سپرنگ بیدر بونڈ ہینڈل بیٹ ۱۲

دی میچ سنگل سپرنگ ٹوائین بونڈ ہینڈل بیٹ ۱۰

دی اسپیشل پریکٹس آل کین ہینڈل روزانہ پریکٹس کیلئے صه

چھوٹے بچوں کے کرکٹ بیٹ نمبر ۶ ، نمبر ۵ ، نمبر ۴

کرکٹ بال دی منارک سے، میچ ۱۲، اسپیشل پریکٹس عه

کیپنگ گلوز چمڑیکے رنگدار سے رزین کے صه فی جوڑہ

بیٹنگ گلوز صه، وکٹ گلوز بڑھیا عه

ہلکے للعه فی جوڑہ

وکٹ دی مارشل بڑی صه، چھوٹی ۔، فی سٹ معه

بیلز ربڑ ہینڈل کور ۱۰، اسکورنگ بک صه، چھوٹے بال ایک روپیہ فی

فہرست سامان فٹ بال

دی منارک آٹھ ٹکڑہ کا درجہ اول نہایت مضبوط اور خوبصورت فٹ بال منہ ایک ٹکڑہ میں مکمل قیمت نمبر ۵ ۱۲

دی میچ بک تیرہ ٹکڑہ کا منہ ایک ٹکڑہ میں مکمل نمبر ۵ ۱۲

دی میچ سادہ مگر نہایت مضبوط منہ ایک ٹکڑہ میں ۱۰

دی اسپیشل پریکٹس روزانہ پریکٹس کیلئے مضبوط فٹ بال عه

چھوٹے بچوں کیلئے میچ بک مکمل نمبر ۴ صه، نمبر ۳ للعه، نمبر ۲ سے

بلیڈر سرخ ربڑ تازہ مال نمبر ۵ ۱۲، نمبر ۴ ۱۰، نمبر ۳ عه، نمبر ۲ عه

پچکاری بڑی ۱۰، درمیانہ ۱۲، چھوٹی عه، فٹ بال بوٹ ولایتی ۱۲، فیجوڑہ جرابیں عه، فیجوڑہ سلوشن نمبر ۸، قواعد فٹ بال ۱۰، ریسٹی عه

دی میچ سنڈے ولاء بچوں کیلئے عمدہ تحفہ ہے ۱۲

فہرست سامان والی بال

ملک والی بال گلدستہ رنگ برنگی ٹکڑوں کا نہایت خوبصورت اور مضبوط منہ ایک ٹکڑہ میں مکمل نمبر ۵ — معه

دی منارک والی بال گلدستہ قسم دوم مکمل نمبر ۵ سے

چھوٹے بچوں کے والی بال نمبر ۴ مکمل بیعہ نمبر ۳ سے

فو تو بلیڈر برائے والی بال نمبر ۵ ۱۲، نمبر ۴ ۱۲، نمبر ۳ ۱۲

دی ملک والی بال جال بمعہ رنگ بڑھیا قسم بمعہ سوتی ڈوری سے ملے، فی ہلکے سے، صه للعه فی

دی منارک سفید بڑھیا جال معہ رسے صه للعه سے

والی بال پولز فیروزی رنگ کے سنہری شاموں والے ولایتی پالش شدہ بمعہ رسوں اور کھنگی کے . . . قیمت . . . . عه

کتاب قواعد والی بال اردو و انگریزی باتصویر ۱۲ (۲)

سامان بذریعہ وی پی پارسلوں کے روانہ ہوگا۔ جسکے ڈاک و پارسل اور کرایہ ریل وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا۔

ملنے کا پتہ: جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ

تار کا پتہ: — رجسٹری شدہ

ضروری نوٹ: — جملہ فرمائشوں میں ہر ایک چیز کیساتھ اسکی قیمت اشتہار ہذا کیمطابق لکھنی چاہیئے اور اخبار ہذا کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے ورنہ کمیشن نہیں ملے گا۔

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیامِ تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ ؏

ششماہی عـہ

فی پرچہ ۱ر

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ۸ر

نصف صفحہ ۵ر

چوتھائی صفحہ ۳ر

ایڈیٹر: سعید انصاری۔ بی۔ اے۔ (جامعہ)

نمبر ۴ | ۷ر جنوری ۱۹۳۰ سنہ عیسوی | جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

۲۳؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو جبکہ ہز اکسلنسی وائسرائے اپنے نئے وائسریگل لاج کا افتتاح کرنے اور مہاتما گاندھی اور دوسرے اکابرینِ قوم سے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کیلئے گفتگو کرنے آرہے تھے، کہ کسی بدنصیب نے خود انہی کی قسمت کا فیصلہ کر دینا چاہا۔ عین اس وقت جبکہ ان کا اسپیشل نظام الدین اسٹیشن اور نئی دہلی کے درمیان گذر رہا تھا کہ یکایک گاڑی کے نیچے ایک نہایت خوفناک بم کا گولہ پھٹا جس سے کھانے کے کمرہ کا دروازہ پاش پاش ہو گیا، بعض کھڑکیوں کے شیشے بھی ٹوٹ گئے لیکن خیریت ہوئی کہ کوئی شخص زخمی نہیں ہوا۔ ہز اکسلنسی وائسرائے اس سے دو ڈبے پیچھے تھے، اس لئے وہ بالکل محفوظ رہے۔ یہ عجیب اتفاق کہ اب سے پورے ۱۸ سال پیشتر ۱۹۱۲ء میں جب کہ دہلی ہندوستان کا پایہ تخت بنائی جارہی تھی اور اس وقت کے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ اس پایہ تخت کا افتتاح کرنیوالے تھے کہ کسی نے ان پر بھی بم کا گولہ پھینکا تھا جس سے معمولی زخم کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بہرحال اس غیر دوراندیشانہ حرکت سے اتنا نقصان تو ضرور ہوگا کہ ہندوستان کا سیاسی مطلع آئندہ کچھ عرصہ تک نہایت مکدر رہیگا۔

ہز اکسلنسی وائسرائے اور مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈروں میں ہندوستان کے مسائل پر جو گفتگو ہونیوالی تھی، وہ باوجود اس ناخوشگوار واقعہ کے سہ پہر میں کوئی تین گھنٹے جاری رہی جس میں مہاتما گاندھی اور پنڈت موتی لال نہرو کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے نوآبادیات کے طرز کی حکومت دئے جانے کا اعلان کر دیا جائے، اس کے بعد اور کوئی گفت و شنید ہو سکتی ہے اور ہز اکسلنسی وائسرائے یہ چاہتے تھے کہ پہلے اور معاملات طے ہو جائیں پھر یہ سوال بعد میں آئے۔ غرض اس بنیادی اختلاف کی بنا پر یہ گفتگو بے نتیجہ رہی اور تمام لیڈران مایوس واپس گئے۔

ہندوستان کے باہر

سر آغا خاں نے ۵ سو پونڈ کا ایک انعام اس ہندوستانی ہوباز کیلئے رکھا ہے جو ۱۹۳۰ء میں سب سے پہلے اپنا جہاز اڑا کر ہندوستان لائیگا تازہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ منموہن سنگھ نامی برسٹل یونیورسٹی کا ایک ہندوستانی طالب علم اس انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ طالب علم مذکور ڈاکٹر مالکھن سنگھ کا لڑکا ہے جو ہندوستان کے محکمہ طب میں ملازم ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پیشتر یورپ کے بعض مفتشین نے مصر میں توتخ آمون (قدیم فراعنہ مصر) کی کچھ قبروں کا زمین کھود کر پتہ لگایا تھا اور ان کی نعشوں کو اٹھا کر یورپ کے عجائب خانوں میں لے گئے تھے، اس وقت سے عام خیال یہ پھیل گیا ہے کہ ان مُردوں کی بد دعا سے تمام مفتشین بہت جلد مرتے جاتے ہیں، چنانچہ ابھی حال میں اس کے نویں مفتش ڈاکٹر کار ویر کا انتقال ہوا ہے۔ آٹھ اس سے پہلے مر چکے ہیں۔

اسکاٹلینڈ کے کسی مقام پر ایک سنیما ہاؤس میں یکبارگی آگ لگ گئی جس میں زیادہ تر سب بچے ہی بچے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس آگ لگنے میں جو بھاگڑ مچی تو کوئی ۷۰ بچے بھیڑ میں دب کر اور دم گھٹ کر ہلاک ہو گئے اس حادثہ کی خبر کا گرد و نواح میں پہنچنا تھا کہ بچوں کے والدین اور سرپرستوں کا دھاوا ہوا اور ہر ایک اپنے بچے کی تلاش و جستجو میں بدحواس تھا۔ بعض ماؤں نے جو اپنے بچوں کی لاشیں دیکھیں تو صدمہ سے غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔

روٹی کا سوال

"نقاد"

"پیام" کے گزشتہ نمبر میں ابھی "پڑھے لکھوں کی بے روزگاری" پر اس اسکیم کے سلسلہ میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے، جسے یو.پی گورنمنٹ کے سامنے اس کی مقرر کردہ کمیٹی نے پیش کیا ہے۔ اپنی رپورٹ میں ارکان مذکور نے متوسط طبقہ میں تعلیم یافتوں کی بے روزگاری کا تمام تر ذمہ دار نہایت علانیہ اور صاف لفظوں میں موجودہ نظام تعلیم کو قرار دیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کے رفع کرنے کی کچھ تدابیر بھی پیش کی ہیں جن سے ہمارے خیال میں اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے مریضوں کو کسی قدر سکون و اطمینان ہو سکتا ہے۔ یہ جادو ایک بار بلکہ اس سے پیشتر ایک سے زاید بار سر پر چڑھ کر بول چکا ہے اور حکومت کے ذمہ دار سے ذمہ دار حلقوں سے بھی اس نظام تعلیم کے خلاف صدائیں اُٹھ چکی ہیں، گو وہ کسی قدر پست اور دھیمی رہی ہوں۔ ابھی حال میں اسی صوبہ کے محکمہ تعلیم کے ایک سب سے بڑے رکن مسٹر اے۔ ایچ میکنزی ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات نے اسی مسئلہ پر جن خیالات وحقایق کا اظہار کیا ہے، وہ وہی جادو ہے جو حکومت کے اس اعلیٰ رکن اور بڑے معتمد کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ بریلی کالج کے ایک جلسہ تقسیم انعامات کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ:-

"جب میں لڑکوں کو قطار در قطار دیکھتا ہوں تو میرے دماغ میں سب سے بڑا خیال جو چکر لگانے لگتا ہے کہ یہ کس طرح اپنی روزی پیدا کریں گے؟ میرے خیال میں متوسط طبقہ کے اندر پڑھے لکھوں کی بے روزگاری کا سوال آج کل کا سب سے اہم سوال ہے، یہ ہمیشہ ایک بھوت کی طرح لڑکوں کے والدین کے سر پر بھی سوار رہتا ہے اور خود ان کے دماغ بھی اس فکر وتردد سے خالی نہیں رہتے

وہ اس کالج کے تقریباً ۵۰ فیصدی لڑکے تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کسی قسم کے تجارتی کاروبار یا صنعت وحرفت میں لگ جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ان ۵۰ فیصدی لڑکوں کو انکی تعلیم وتربیت نے ان کے اپنے کام کیلئے کس حد تک مدد پہنچائی ہے؟ وہ فوراً کہہ اُٹھیں گے کہ تاریخ، فلسفہ، معاشیات یا دوسرے مضامین انھوں نے جسقدر پڑھے ہیں اتنی ضرورت انھیں قطعی نہ تھی۔ برعکس اس کے وہ بتائیں گے) اور یہ چیز سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے) کہ عملی دنیا میں قدم رکھنے کے لئے بعض ایسے اوصاف کی ضرورت ہے جن سے ذمہ داری کا احساس، استقلال مزاج، ہمت وجرأت، یکجہتی ویگانگت پیدا ہو اور ان کے علاوہ پابندی وقت اور صحت وصفائی کا خیال بھی آئے۔ ان اوصاف کے پیدا کرنے کے لئے جو طریقے ممکن ہوں، وہ اختیار کرنے چاہئیں اور لکچروں اور درسی کتابوں کے جوئے سے اپنی گردنوں کو چھڑانا چاہیئے۔"

یہ الفاظ نیشنل کانگریس کے کسی کارکن یا قومی کالج کے کسی پرنسپل کے نہیں ہیں بلکہ یو.پی گورنمنٹ کے ایک ایسے ذمہ دار رکن اور ماہر تعلیم کی زبان سے نکلے ہیں جسے اپنی آنکھوں سے روزانہ تلخ تجربات اور اس قسم کے ناخوشگوار واقعات دیکھنے پڑتے ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم کے نقایص اس قدر مسلم اور عام ہو گئے ہیں کہ ان میں مزید بحث و تکرار کی ضرورت ہی نہیں۔ سوال اب ان نقائص کے دور کرنے کی تدبیروں اور طریقوں کا ہے۔

خود اپنی طرف سے کوئی طریقہ عمل تجویز کرنے کی بجائے ہماری رائے میں اگر ہندوستان کے ایک اور بڑے تعلیمی تجربہ کار اور حکومت کے بہی خواہ کے خیالات پیش کیئے جائیں تو بہتر ہے۔ پنڈت مدن موہن مالوی صاحب جو بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہونے کے علاوہ حکومت کے ایک بڑے بہی خواہ اور معتمد بھی سمجھے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی مذکور کے جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے ایڈریس کے ضمن میں موجودہ نظام تعلیم کے نقائص کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"کسی ملک کی حکومت میں قومی تعلیم کا سوال ایک بہت اہم سوال ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں کا حل صحیح اور پورے طور پر اسی وقت ہو سکتا ہے جب اپنی قومی حکومت ہو۔ جب قومی حکومت قائم ہو جائیگی (جیسا کہ مجھے امید ہے کہ آئندہ سال تک ضرور ہو جائیگی) اس وقت سب سے پہلا کام اس کا یہ ہوگا کہ تمام بڑے بڑے ماہرین تعلیم کی ایک کانفرنس منعقد کرے جو بحث و مباحثہ کے بعد ایک ایسی پالیسی طے کر دے جس پر تمام ہندوستان میں عملدرآمد کیا جا سکے۔

"یہ کانفرنس عام تعلیم کے معاملہ میں دوسری اقوام کے تجربوں کو پیش نظر رکھے گی اور ایک ایسا جامع اور مکمل لائحہ عمل تیار کریگی جو ملک کے تمام طبقوں کی ضروریات کیلئے اطمینان بخش ہو سکے گا۔ جب اس قسم کی پالیسی اور لائحہ عمل کو ہندوستان کی آئندہ حکومت اختیار کریگی، اس وقت اور صرف اُسوقت ہندوستان کی یونیورسٹیاں اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔"

آئندہ سال قومی حکومت کے قیام کا خیال تو خیر مالوی جی کا ایک محض خیال خام ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ نقائص کی مکمل اصلاح بجز اس کے اور کسی طرح ممکن نظر نہیں آتی۔ حکومت کبھی تغیر و اصلاح کی طرف توجہ بھی کرتی ہے تو وہ بہت سطحی اور ظاہری ہوتی ہے جیسی کہ یو۔پی گورنمنٹ کی مقرر کردہ کمیٹی نے تجویز کی ہے۔ اصل علاج صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب حکومت اپنی ہو، تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ درمیان میں حائل نہ ہو بلکہ اصلاحی ت[illegible]بیر میں مدد و معاون بھی ہو۔ پنڈت مالوی جی جو ہندو یونیورسٹی بنارس کے وائس چانسلر ہونیکی حیثیت سے موجودہ نظام تعلیم کے ایک بہت بڑے حامی اور معین کہے جا سکتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے حکومت کے بھی بہت بڑے ہوا خواہ اور معتمد ہیں، جب انکی زبان سے اس قسم کی باتیں سننے میں آئیں تو پھر دوسروں کا کیا ذکر!

اپنی اسی تقریر کے دوران میں وہ آجکل کے مروجہ نظام تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"یہ محض یورپ کی نقالی ہے اور نقالی بھی ایسی جس میں کوئی نفع اور فائدہ نہیں۔ یہ نظام ہندوستان کی قومی اور تمدنی ضروریات کیلئے مطلق موزوں نہیں۔ ہم لوگ اب تک ایک ایسے نظام کی تقلید کرتے آئے ہیں جو اصل میں دوسروں کے لئے بنایا گیا تھا اور جسے خود انھوں نے بھی ایک عرصہ ہوا، چھوڑ دیا ہے۔"

اس پر مزید کچھ کہنا عبث ہے۔ اس کی خرابیاں ایک سے زاید بار اور ہر عقیدہ اور ہر خیال کے لوگوں کی زبانوں سے بیان ہو چکی ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ اس کے بُرے نتائج بے روزگاروں کی صورت میں ہم کو ہر طرف نظر آ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس نظام تعلیم کے بیکار، بے سود اور مضرو نقصان دہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ملک میں ہر طرف سے ایک چیخ و پکار اُٹھ رہی ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ ایک بات اور کہنے کی ہے اور وہ یہ کہ اگر حکومت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس نظام تعلیم کو بدل نہیں رہی ہے تو خود تعلیم پانے والے اور تعلیم دلانے والے کیوں اس قدر کور بصری سے کام لے رہے ہیں۔ اگر وہ دیکھتے ہیں کہ سامنے کنواں ہے تو اس شور و شغب سے کیا حاصل کہ "سامنے کنواں ہے! سامنے کنواں ہے!" اور پھر اس میں گر پڑیں۔ وہ خود یہ کیوں نہیں کرتے کہ اپنے آپکو اس تباہی کے گڈھے سے بچائیں۔ دنیا میں روٹی صرف اعلیٰ تعلیم ہی حاصل کرکے نہیں کمائی جا سکتی ہے، بلکہ اور بھی بہت سے طریقے اور وسیلے ہیں۔ ہمیشہ ہندوستان میں تعلیم ہی کے ذریعہ لوگوں نے اپنی معاش بھی نہیں پیدا کی ہے۔ اور نہ آج دنیا میں کہیں تعلیم ذریعہ معاش ہے ہم کیوں اس کے پیچھے پڑے ہیں اور ہمیں اس پر اس درجہ ضد اور اصرار کیوں ہے۔

کوائف جامعہ

۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو جامعہ کھل گئی اور اس کا دوسرا سشن ایک نئے جوش اور سرگرمی کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ ارکان جامعہ کو قدرے اطمینان اور فراغ میسر ہونے کے باعث اس سشن میں زیادہ کام کرنے کا موقع ملیگا اور جامعہ کی انتظامی اور تعلیمی خامیاں بہت حد تک رفع ہو سکیں گی۔

جنوری کے وسط میں جامعہ کے ایک نہایت لایق اور ہونہار فارغ التحصیل جناب یوسف حسین خانصاحب، پیرس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آرہے ہیں۔ آپ کا وہ مقالہ جس پر آپ کو ڈاکٹری کی ڈگری ملی ہے، گزشتہ ولایتی ڈاک سے آگیا ہے، جس کے متعلق تفصیلی معلومات ہمعصر رسالہ "جامعہ" دیسکے گا۔

اس ماہ میں جامعہ کے ایک اور فارغ التحصیل جناب غلام سرور صاحب جنھوں نے عربی ادب میں امتیازی سند لی ہے، عربی علوم و ادب کی مزید تحصیل کیلئے مصر جا رہے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خدا ان کا یہ سفر مبارک کرے اور موصوف اپنی آرزوؤں اور امیدوں میں کامیاب لوٹیں۔

جامعہ کے ایک اور طالب علم جناب حفیظ الدین صاحب طباعت کا کام سیکھنے کی غرض سے تین مہینہ کے لئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس بھیجے جا رہے ہیں۔ آپ کے واپس آنے کے بعد امید ہے کہ جامعہ پریس کا کام پھر شروع ہو سکے گا۔

ہم یہ خبر نہایت مسرت سے درج کرتے ہیں کہ دسمبر کی گزشتہ چھٹیوں میں ہماری جامعہ کے بزرگ اساتذہ میں جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی شادی خانہ آبادی ہوئی ہے۔

گزشتہ دورے کے سلسلہ میں شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے اپنے حیدرآباد کے دوران قیام میں دارالترجمہ اور دائرۃ المعارف کی مطبوعات کیلئے بھی ایک کوشش کی تھی۔ بحمداللہ کہ وہ کوشش نصف تو بار آور ہوئی یعنی دارالترجمہ کی تمام مطبوعات ہمارے یہاں آگئیں۔ ہم ارکان دارالترجمہ کا جنکی کوششوں سے یہ بیش بہا علمی ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے، بدل ممنون و مشکور ہیں اور امید دلاتے ہیں کہ اس قسم کے علمی مبادلے جامعہ عثمانیہ اور جامعہ ملیہ میں آئندہ گہرے اور مضبوط تعلقات کے قیام کا باعث ہونگے۔

دیکھیئے دائرۃ المعارف کے ارکان کب شکریہ کا موقع دیتے ہیں؟

---

۱۰ جنوری کو طلبائے کالج کی "انجمن اتحاد" کے ماتحت ایک تفریحی جلسہ منعقد ہوا جس میں صوبہ برار کے مخلص قومی کارکن جناب گل شیر خانصاحب نے اپنے نظم و نثر کے مطائبات سے طلبہ اور اساتذہ کو بیحد محظوظ فرمایا۔ آپ نے بعض تاریخی عمارتوں پر اور مولانا ظفر علی خاں کی بعض نظموں کے جواب میں نہایت عمدہ اور پرلطف نظمیں سنائیں۔ بعض لیڈروں کی تقریروں کا آپ نہایت صحیح چربہ اتارتے ہیں، جسے سن کر حاضرین لوٹ لوٹ پڑتے ہیں۔

دسمبر کی تعطیلات میں دارالاقامہ "بشیر منزل" کا ایک نہایت لایق اور وفادار نوکر اللہ مہر بعارضہ نمونیہ انتقال کرگیا۔ خدا مرحوم کی مغفرت کرے اور اس کے بیوی بچوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالاقامہ مذکور کے طلبہ نے اپنے اس وفادار اور لایق خادم کی یادگار میں ایک فنڈ کھولا ہے جس میں وہ ہر ہفتہ اپنے جیب خرچ سے کچھ نہ کچھ پیسے اس میں ڈالدیں گے اور اس طرح مہینہ کے اخیر میں جو رقم اکٹھا ہوگی وہ اس کے بیوی بچوں کو بھیجدی جایا کریگی۔

سائنس

کیوں اور کس طرح؟

(۳) پانی کے حجم میں تبدیلی کس طرح ہوتی ہے؟

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ برف پانی کی سطح پر تیرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ برف نسبتاً پانی سے ہلکی ہے جب اسکو پگھلاتے ہیں تو وہ سکڑ کر پانی بنجاتی ہے بہت چیزیں پگھلنے سے پھیلتی ہیں مثلاً لوہا، پارہ، پانی الکحل و اسپرٹ وغیرہ مگر برخلاف اس کے برف نہیں پھیلتی بلکہ سکڑتی ہے اگر ہم برف کو گرم کریں تو اس کا درجہ حرارت یہانتک بڑھتا جاتا ہے۔ کہ وہ صفر درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ پگھلتی ہے۔ اور پگھلنے میں بہت سی سکڑتی ہے۔ صفر درجہ پر پانی گرم کریں تو ۴ درجہ تک سکڑتا ہے۔ اور زیادہ گرم کرنے پر پھیلنا شروع ہوتا ہے، ۴ درجے سے کم حرارت کا پانی ۴ درجے حرارت کے پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ پس پانی باقاعدہ حرارت سے نہیں پھیلتا۔ صفر درجہ سے چار درجے تک تو وہ حرارت سے سکڑتا ہے اور اس سے اوپر حرارت سے پھیلتا ہے۔ پانی برف بننے میں بہت سا پھیلتا ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے۔ کہ جب جھیلوں سمندروں کا پانی سردی کے موسم میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تو اسی کے اوپر برف کی تہ جم جاتی ہے۔ اگر برف پانی سے بھاری ہوتی تو وہ نیچے بیٹھ جاتی اور اس کی جگہ اور پانی جم جاتا۔ وہ بھی برف بنکر نیچے چلا جاتا تو اور بن جاتا غرضیکہ اسی طرح سلسلہ جاری رہتا۔ اور اسی طرح ہوتے ہوتے تمام کا تمام پانی جم جاتا گرمیوں میں اس کا پگھلنا ناممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کی تہ پگھل جاتی اور برف سے ہلکی ہونیکی وجہ سے اوپر تیرتی رہتی۔ نیچے حرارت بالکل نہ پہنچتی اور نچلی برف نہ پگھل سکتی۔ سمندر گرمیوں کے موسم میں بھی جہازرانی کے قابل نہ ہوتے۔ مگر یہ ایسا نہیں ہوتا۔ برف سمندر کی اوپر کی تہ پر منجمد ہوتی ہے اور چونکہ برف پانی سے ہلکی ہوتی ہے۔ اس لئے پانی سے اوپر تیرتی رہتی ہے اور نیچے کے پانی کی حرارت کو خارج نہیں ہونے دیتی اس لئے وہ ٹھنڈا نہیں ہونے پاتا۔ برف کی صرف ایک تہ ہوتی ہے۔ جو موسم گرما میں آسانی پگھل جاتی ہے۔ پانی کے برف بننے میں پھیلنے کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے عمل سے پہاڑ۔ پتھر۔ عمارت وغیرہ تباہ اور خراب ہوجاتے ہیں۔ اگر سالہا سال بھی پہاڑوں اور پتھروں پر پانی برستا رہے تو ان کو تباہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر تھوڑا سا پانی ان کے مسامات میں داخل ہوجائے۔ تو ان پر عمل کرنے لگتا ہے۔ پتھروں اور عمارت میں اگر کوئی ایسا مصالحہ ہو جسے پانی آئی ہیں بخوبی داخل ہوسکے۔ اور وہ پانی میں حل ہوسکے یا اگر پانی پتھروں کی بیرونی سطح کے مسامات کے اندر سرایت کرے اور پھر شدت کی سردی ہو۔ تو پانی منجمد ہوجائیگا اور جم کر برف بن جائیگا اور برف بننے سے پانی پھیلتا ہے۔ جب پانی زور سے پھیلے گا تو پتھروں کی سلّیاں پھٹ جائینگی۔ پس پتھر کی تیلی تیلی نہیں جدا ہوتی اور گرتی جائینگی پتھر کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ پھٹ جائیگا۔ سرد ملکوں میں عمارتوں کے باہر کا چونا۔ پتھر اور پہاڑ ان کے مسامات میں پانی جم کر برف بن جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ خراب و خستہ ہوجاتے ہیں۔ اور بعد ازاں بارش ان مواد کو بہا کر سمندر میں لے جاتی ہے۔

جغرافیہ

دنیا کی سب سے پہلی جاندار اشیاء

تمہیں یاد ہوگا کہ گزشتہ کسی خط میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک عرصہ تک زمین کی حرارت اس درجہ زیادہ تھی کہ اس پر کوئی جاندار چیز رہ نہیں سکتی تھی۔ اس زمین پر جاندار چیزیں کب سے رہنا شروع ہوئیں؟ اور سب سے پہلی جاندار چیزیں کیا تھیں؟ یہ ایک بہت دلچسپ سوال ہے لیکن اس کا جواب دینا بھی اسی قدر مشکل ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھو کہ آخر جان ہے کیا چیز؟ تم غالباً یہ کہوگی کہ انسان اور جانور جاندار چیزوں میں شامل ہیں۔ لیکن درختوں، جھاڑیوں پھولوں اور ترکاریوں کے بارے میں تم کیا کہوگی؟ یقیناً ان چیزوں میں بھی جان ہے۔ یہ چیزیں بھی بڑھتی ہے۔ پانی پیتی ہیں، ہوا کھاتی ہیں اور مرجاتی ہیں۔ درخت اور جانور میں سب سے بڑا جو فرق ہے وہ یہ کہ درخت اپنی جگہ سے چل پھر نہیں سکتا۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ ایک بار میں نے تمہیں لندن کے کیوگارڈن میں کچھ پودے دکھائے تھے۔ یہ پودے بعض جانوروں کی طرح مکھیاں کھاتے ہیں اسی طرح بعض جانور ہوتے ہیں مثلاً سمندر پھین یا اسفنج یہ سمندر کی تہ میں ہوتا ہے اور اپنی جگہ سے نقل وحرکت نہیں کرتا۔ بعض وقت یہ کہنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ فلاں چیز جانور ہے یا پودا۔ جب تم علم النباتات یعنی پودوں کے متعلق علم یا علم الحیوانات یعنی جانوروں کے متعلق علم پڑھوگی تو اسوقت تمہیں یہ عجیب الخلقت چیزیں معلوم ہونگی جو نہ پورے طور پر جانور ہیں، نہ پودا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی ایک قسم کی جان ہوتی ہے اور انھیں بھی درد اور تکلیف کا برابر احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا معلوم کرنا ذرا مشکل ہے۔ تمہیں شاید یاد ہو کہ جنیوا میں ایک صاحب ہم سے ملنے آئے تھے۔ ان کا نام سر جگدیش چندر بوس ہے۔ انھوں نے تجربے سے یہ ثابت کیا ہے کہ پودوں میں بہت کافی جان ہوتی ہے اور ان کا خیال ہے کہ پتھروں میں بھی کسی قدر جان ہوتی ہے۔

بہرحال، اب تم نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ یہ کہنا آسان نہیں کہ کونسی چیز زندہ ہے اور کونسی نہیں لیکن سردست کنکر پتھر کا سوال چھوڑ دو اور صرف پودوں اور جانوروں کو لو۔ آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں زندہ چیزیں ہیں اور ان میں ہر قسم کی چیزیں ہیں۔ ان میں عورت اور مرد بھی شامل ہیں جن میں بعض بہت عقلمند ہے ہیں اور بعض بہت بیوقوف۔ پھر اس کے علاوہ جانور ہیں اور ان میں بھی بعض ہاتھی، بندر اور چیونٹی جیسے سمجھدار ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں بہت کم سمجھ ہوتی ہے۔ مچھلیاں اور سمندر کی بعض دوسری چیزیں اور بھی کم درجہ پر ہیں۔ اور ان سے بھی نیچے تمہیں سمندر پھین، لعاب کی طرح مچھلیاں اور بعض ایسی چیزیں ملیں گی جو کچھ تو جانوروں سے مشابہ ہیں اور کچھ پودوں سے۔

اب ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا یہ تمام مختلف قسم کے حیوانات یکبارگی اور ایک ساتھ وجود میں آئے یا رفتہ رفتہ ایک ایک کرکے؟ ہم یہ کیسے معلوم کرسکتے ہیں؟ اسوقت کی جبکہ یہ پیدا ہوئے، ہمارے پاس کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے لیکن کیا ہماری "قدرت کی کتاب" اس بارے میں ہمیں کچھ مدد دے سکتی ہے؟ بے شک یہ ضرور مدد دے گی۔ ہمیں بعض پرانی چٹانوں پر جانوروں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ انھیں انگریزی میں فوسل (Fossil) کہتے ہیں اور جس جگہ ہمیں یہ ہڈیاں ملتی ہیں، اس جگہ کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب سے بہت زمانہ پیشتر یہ جانور یہاں ضرور رہتے ہونگے۔ اس قسم کے بہت سے 'فوسل' یعنی پرانی ہڈیاں تم جنوبی کنگسٹن (لندن) کے عجائب خانہ میں دیکھ چکی ہو۔

جب کوئی جانور مرجاتا ہے تو اس کے جسم کا ملایم اور گوشت والا حصہ جلدی سے سڑگل جاتا ہے لیکن اسکی ہڈیاں عرصہ تک باقی رہتی ہیں۔ یہی ہڈیاں ہوتی ہیں جو ہمیں چٹانوں اور پہاڑوں پر ملتی ہیں اور انہی کے ذریعہ ہم ان جانوروں کا بہت کچھ حال معلوم کرسکتے ہیں جو مدتوں پہلے دنیا میں موجود تھے۔ لیکن فرض کرو کہ کسی جانور کے ہڈی ہی نہ ہو جیسے بعض مچھلیاں کہ لعاب کی طرح ہوتی ہیں، پھر ان کے مرجانے کے بعد کیا باقی رہتا ہوگا؟

جب ہم ان چٹانوں میں تلاش و جستجو شروع کرتے ہیں اور ہر قسم کی پرانی ہڈیاں جمع کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے جانور مختلف

زمانوں میں رہتے تھے۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ وہ کہیں سے آئے نہ ہوں سب سے پہلے ہمکو بعض ایسے معمولی قسم کے جانور نظر آئیں گے جن پر خول ہوگا مثلاً سیپ، کوڑی، گھونگھے وغیرہ۔ وہ خوبصورت خوبصورت گھونگیاں جو تم اکثر سمندر کے کنارے دیکھتی ہو، در اصل ان جانوروں کی ہڈیوں کے خول ہیں جو عرصہ ہوا مر چکے ہیں۔ اس کے بعد ہمکو دوسری قسم کے جانور ملتے ہیں مثلاً سانپ، جنگلی جانور وغیرہ جنمیں سے بعض ہاتھی جیسے بھی بڑے ہوتے ہیں پرندے اور پالتو جانور وغیرہ جیسے آجکل موجود ہیں۔ اس کے بعد ہم کو آدمیوں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ غرض اس سے پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کے وجود پذیر ہونے میں کسی نہ کسی قسم کی ترتیب اور نظام ضرور موجود تھا سب سے پہلے معمولی قسم کے جانور پیدا ہوئے، اس کے بعد ذرا اس سے بڑے اور پیچیدہ شکل و ساخت کے جو رفتہ رفتہ اور پیچیدہ ہوتے گئے، یہاں تک کہ اخیر میں سب سے اعلیٰ قسم کا جانور وجود میں آیا ـــ یعنی انسان۔

یہ سمندر پھین اور خول والی مچھلی کس طرح رفتہ رفتہ ترقی کرتی اور صورت بدلتی گئی، یہ ایک نہایت دلچسپ مسئلہ ہے جس کے متعلق میں تم سے کسی اور دن بیان کرونگا لیکن اس وقت تم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ سب سے پہلی جاندار چیزیں کیونکر وجود میں آئیں؟

زمین کے ٹھنڈے ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلی جاندار اشیاء وہ نرم لعابدار چیزیں تھیں جن پر کسی قسم کا خول یا ہڈیاں وغیرہ نہیں تھیں اور جو سمندر میں رہا کرتی تھیں ہمیں ان کی کوئی نشانی نہیں ملتی ہے، اس لیے کہ ان میں کوئی ہڈی وغیرہ تھی ہی نہیں۔ لہذا ہمکو انکے بارے میں کم و بیش قیاس سے کام لینا پڑیگا۔ آج بھی اس قسم کی بہت سی چیزیں سمندر میں ملتی ہیں۔ وہ گول ہوتی ہیں لیکن انکی شکل برابر بدلتی رہتی ہے اس لیے ان پر کوئی سخت خول یا ہڈیاں نہیں ہوتیں۔ وہ تقریباً اس شکل کی ہوتی ہیں۔



ان شکلوں میں تم دیکھوگی کہ بیچ میں ایک نقطہ سا ہوتا ہے۔ یہ مغز یا اصل کہلاتا ہے اور ایک طرح کا دل ہوتا ہے۔ یہ جانور، یا جو چاہو ان کو کہ لو، عجیب طریقہ پر ایک سے دو ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی ایک جگہ پر پتلا ہونا شروع ہوتے ہیں اور وہ پتلے ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ کچھ عرصہ میں ٹوٹکر دو ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دونوں اصل جانور کی شکل کے مانند بن جاتے ہیں۔ یہ تقسیم اس طرح پر ہوتی ہے۔



تم دیکھتی ہوگی کہ یہ مغز یا دل بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور ہر حصہ میں اس کا ایک جزو چلا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے یہ جانور برابر تقسیم ہوتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اسی قسم کی کوئی چیز سب سے پہلے ہماری اس زمین پر وجود میں آئی ہوگی لیکن دیکھو تو سہی یہ کیسی چھوٹی اور معمولی جاندار چیز ہے! اس وقت اس سے بہتر یا بڑھکر اور کوئی دوسری شے اس زمین پر موجود نہ تھی۔ اصل جانور ابھی وجود میں نہیں آئے تھے اور انسان کے وجود میں آنے کو تو ابھی ہزاروں لاکھوں برس باقی تھے۔

اس لعابدار شے کے بعد سمندر کی گھاس، سیپ، گھونگھے، کیکڑے اور اسی قسم کے دوسرے جانور پیدا ہوئے۔ اس کے بعد کہیں مچھلیاں آئیں۔ ان چیزوں کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہے، اس لئے کہ ان میں ہڈیاں یا خول تھے اور وہ اپنے مرنے کے بعد ان ہڈیوں اور خولوں کو ہمارے لئے چھوڑ گئے جن سے ہم ان کے حالات کا پتہ لگاتے ہیں۔ یہ خول سمندر کے کنارے کیچڑ میں رہ گئے جن پر اور کیچڑ اور بالو آکر جم گئی اور اس طریقہ سے ایک مدت دراز تک زمین کے اندر محفوظ رہے۔ یہ کیچڑ ریت اور اس کے اوپر دوسری کیچڑ کے دباؤ سے ذرا سخت ہو گئی اور ہوتے ہوتے یہ اس قدر سخت ہو گئی کہ چٹان بن گئی۔ اس طریقہ سے سمندر کی تہ میں چٹانیں نکل آئیں جو زلزلہ یا اور کسی سبب سے یہ چٹانیں سمندر کی تہ سے نکلکر اوپر آگئیں اور خشکی کا ایک حصہ بن گئیں۔ یہ خشک چٹانیں دریاؤں اور سمندروں کے پانی سے ایک عرصہ تک دھلتی رہیں اور جو گھونگھے اور سیپ وغیرہ ان میں مدتوں سے ڈھکے پڑے تھے وہ یکایک باہر نکل آئے اس طریقہ پر ہمیں ان سیپوں اور ہڈیوں کا پتہ لگا جن کے مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ انسان کے وجود میں آنے سے پیشتر ہماری زمین کا کیا حال تھا؟ آئندہ خط میں میں تمہیں بتاؤنگا کہ یہ معمولی جانور کیسے بڑے ہوئے۔

تاریخ

سلطان فیروز تغلق

تخت نشینی اور لشکر کشی

سلطان فیروز تغلق دہلی کے ان چند بادشاہوں میں ہے جس کے عہد حکومت میں ملک امن وامان کی دولت سے مالا مال اور رعایا خوشحال و فارغ البال تھی۔ وہ ایک نیک دل، منصف مزاج، خداترس بادشاہ تھا۔ اس نے تخت حکومت پر قدم اس لئے نہیں رکھا کہ اسے اس کی کوئی خواہش تھی بلکہ اس وجہ سے کہ سلطان محمد تغلق کے انتقال کے بعد اور کوئی اس کا اہل نظر نہ آتا تھا اور امرا و اہل دربار نے یہ بار عظیم اُٹھانے پر اُسے مجبور کیا۔

۱۳۵۱ء میں سلطان محمد تغلق ٹھٹھ کے علاقہ پر فوجکشی کیے ہوئے تھا کہ یکایک اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تمام امرا و اہل فوج بحد پریشان ہوئے اور مقابلہ سے دست بردار ہو کر دارالخلافہ کو لوٹنے لگے۔ فوج کو جبے یار و مددگار دیکھا تو پیچھے سے اہل ٹھٹھ نے حملہ شروع کر دیا اس پر مغلوں کا خوف دل میں الگ سما تا تھا۔ اُمرائے لشکر کو بڑی فکر ہوئی کہ اس وقت کیا کیا جائے۔ محمد تغلق کے کوئی لڑکا نہ تھا جو تاج و تخت کا وارث ہوتا اور اگر تھا تو اس قابل نہ تھا کہ اس نازک وقت میں سلطنت کی اس ذمہ داری کو سنبھال سکتا۔ چاروناچار سب کی نظر فیروز تغلق پر پڑی جو محمد تغلق کا چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ اس کا فیض صحبت بھی اُٹھا چکا تھا اور اس سے پیشتر اس کے والد غیاث الدین تغلق کے آغوش تربیت میں پرورش پا چکا تھا۔ امرا، اہل فوج اور تمام رعایا نے فیروز سے بار اس بار عظیم کو اُٹھانے کی درخواست کی جو کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔

ادھر حرم شاہی کا یہ حال تھا کہ غیاث الدین تغلق کی بیٹی خداوندزادہ اپنے بیٹے داور ملک کی تخت نشینی کے لیے خواہشمند تھی۔ فیروز نے جو یہ کشمکش دیکھی تو تخت کے خیال کو اور بھی دل سے نکال دیا۔ امرا نے ملک سیف الدین نامی ایک با اثر امیر کو خداوندزادہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے سمجھائے کہ اس وقت تاج و تخت کیلئے باہم لڑنے جھگڑنے کا موقع نہیں۔ خود سلطنت کا وجود خطرہ میں ہے۔ خداوندزادہ اپنے بیٹے کے حق سے دست کش ہو گئی اور اس کے بعد امرا نے فیروز کو زبردستی تخت پر بٹھایا جو پھر بھی نیم راضی ہی رہا۔ فیروز نے باچشم پُرنم دو رکعت نماز شکر ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں اظہار عجز و نیاز کے بعد ماتمی لباس زیب تن کیا اور حرم شاہی میں جا کر خداوندزادہ کے پیروں پر گر پڑا۔ خداوندزادہ نے فیروز کو اپنی گود میں اُٹھا لیا اور بہت کچھ دعا و برکت کے بعد تاج شاہی اپنے ہاتھ سے سر پر رکھا اور کہا "خدا تجھے مبارک کرے۔"

اِدھر دوران سفر میں سلطنت کی بقا و استحکام کا یہ انتظام ہو رہا تھا، اُدھر پایہ تخت میں کچھ اور ہی رنگ جما ہوا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے ٹھٹھ کی مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر اپنی عدم موجودگی کے زمانہ میں خواجہ جہاں وزیر کو اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ محمد کے انتقال کی جانکاہ خبر جو دارالخلافہ میں پہنچی تو اس نے ایک غلام بادیا کو اس کی تصدیق کے لئے بھیجا۔ غلام تصدیق کر کے لوٹا اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی لایا کہ فیروز تغلق، جو تخت کا سب سے قریبی دعویدار تھا اور تاتار خاں، جو تمام امرا میں سب سے زیادہ با اثر تھا، دونوں کے دونوں لاپتہ ہیں۔ خواجہ جہاں نے ایسی صورت میں تخت کا خالی رہنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ایک کمسن بچے کو محمد تغلق کے بیٹے کے نام سے موسوم کر کے تخت پر بٹھا دیا تاکہ سلطنت امرا کی حرص و آز کا شکار نہ بن جائے اور فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ اور اس غرض کے لیے کہ لوگ اس تخت نشینی کو خاموشی سے تسلیم کر لیں، اس نے تمام با اثر امرا اور مشائخ کو زر و جواہرات کے بیش بہا عطیے دیے۔

لیکن یہ تمام پیش بندی اور احتیاط سب بیکار ثابت ہوئی اس لئے کہ اُدھر سندھ سے فیروز تغلق لنج شاہی تاج سر پر رکھے اور فوج کثیر ہمراہ لئے دہلی لوٹا۔ خواجہ جہاں فیروز کی اس خلاف توقع واپسی پر سخت متحیر تھا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔ اس کے تمام رفقا اور مددگاران ایک ایک کر کے اس سے ٹوٹنے لگے۔ خود اس کے دل میں بھی تذبذب پیدا ہونے لگا لیکن وہ کچھ دیر بعض رفقا کے کہنے سے رُکا رہا۔ آخر میں وہ بھی سر و پا برہنہ، ننگی تلوار گردن سے لٹکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ فیروز کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اس فعل کو محض نا عقلی کا نتیجہ بتا کر فیروز سے بہت معذرت چاہی۔ فیروز نے بھی امرا سے

مشورہ کے بعد درگزر کی اور سامانہ کی جاگیر عطا کرکے باقی زندگی یادِ الٰہی میں گزارنے کے لئے جان بخشی کر دی۔ اس کے بعد وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ ۱۲ روز تک نہایت دھوم دھام سے جشنِ تاجپوشی منایا گیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ رعایا کے ذمہ جتنا لگان اور محصول باقی تھا، وہ سب اس نے یکقلم صاف کر دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ رعایا میں عام طور پر ایک اعتماد اور طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

فیروز تغلق اگرچہ ملک گیری اور توسیعِ سلطنت کا چنداں شایق نہ تھا بلکہ جتنا ملک اس کے پاس تھا، اسی کو پُرامن و امان اور جتنی رعایا اس کے قابو میں تھی اسی کو مطمئن اور خوشحال رکھنا اس کا سب سے بڑا مقصد تھا، پھر بھی اسے متعدد لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مشرق میں لکھنوتی اس زمانہ میں صوبہ بنگال کا پایہ تخت تھا، اس کے حاکم شمس الدین سے اسے جنگ کرنی پڑی۔ ۷۰ ہزار فوج کے ساتھ وہ روانہ ہوا، شمس الدین ایک جزیرہ کے اندر اپنے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگیا۔ فیروز تغلق نے کچھ عرصہ تک اسکا محاصرہ کیا اس کے بعد پھر اُٹھا لیا۔ محاصرہ ختم ہوتے ہی شمس الدین نے اس پر حملہ بول دیا اور ایک بہت بڑی جنگ ہوئی۔ جس میں شمس الدین کو پسپائی اُٹھانی پڑی اور کوئی ۲ لاکھ سروں کا انبار ہوگیا۔ اس فتح و کامیابی پر دہلی میں بہت خوشیاں منائی گئیں۔

یاد ہوگا کہ محمد تغلق کا انتقال ٹھٹھہ کی فوج کشی کے دوران میں ہوا تھا اور اسی حالت میں فیروز تغلق کا انتخاب بھی ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ محمد تغلق کی زندگی کا یہ آخری کام تھا اور اس کے لئے وہ اس قدر مستعد اور مصر تھا کہ اسی میں اپنی جان بھی دیدی۔ اپنے پیشرو اور مربی کی اس زبردست خواہش کو پورا کرنے اور اس کے ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے ٹھٹھہ کے علاقہ پر فوجکشی شروع کی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ اس دور دست علاقہ میں محمد تغلق کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، چنانچہ اس نے ایک فوجِ گراں اپنے ہمراہ لی، جس میں کوئی ۹۰ ہزار سوار تھے اور ۴۸۰ جنگی ہاتھی۔ اس کے بعد بزرگان و مشائخ کے مزارات کی زیارت کرتا ہوا وہ سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ کی مشکلات اور حالات کی ناموافقت سے سلطانی لشکر کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ رسد کم پڑ گئی اور خریدنے میں بہت گراں قیمت ملنے لگی۔ فوج میں ایک قسم کی بیماری پھیل گئی جس سے تین چوتھائی تعداد گھوڑوں کی تباہ ہوگئی۔ بادشاہ کو سخت تردد لاحق ہوا۔ اس نے رو رو کر خداوند کریم سے دعائیں مانگیں۔ خدائے تعالیٰ نے بھی اس نیک دل بادشاہ کی سُن لی اور باوجود ان دشواریوں کے اُسے کامیابی نصیب ہوئی اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

لیکن فوجوں کی بیکسی اور بے سروسامانی سے دشمن کے ملک پر پورے طور سے تسلط نہ ہو سکا۔ اس نے امرائے لشکر سے مشورہ کیا اور یہ رائے طے پائی کہ گجرات چل کر فوجوں کی دوبارہ تنظیم کیجائے اور وہاں سے مزید نئی فوج بھرتی کیجائے۔ غرض یہ تمام لشکر روانہ ہوا لیکن راستہ کی مشکلات اور قحط و وبا کی تکلیفیں اس سے کہیں زیادہ جھیلنی پڑیں جتنی وہ اپنے پہلے سفر میں اُٹھا چکے تھے۔ غلے کی قیمت پہلے سے بھی تگنی چوگنی بڑھ گئی اور اسکی کمیابی کا یہ حال کہ سپاہی چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ گھوڑوں میں بیماری پھیلنے کی وجہ سے رہی سہی جو تعداد تھی، وہ بھی ختم ہوگئی۔ اب سوار اور پیدل سب برابر ہوگئے، غرض تمام فوج پر بھوک پیاس اور راستہ کی تکان کی وجہ سے سخت اضطراب اور پریشانی کا عالم طاری تھا کہ رہبروں کی سازش سے ساری کی ساری فوج کچھ کے ایک نہایت شور اور بنجر علاقہ میں جا پڑی جہاں کی شوریدگی کا یہ عالم تھا کہ زمین پر اگر ایک لوٹا تازہ پانی کا رکھدیا جائے تو وہ سب کا سب کھارا بن جائے۔ غرض بڑی بڑی دشواریوں سے بادشاہ نے کسی طرح راہِ نجات پائی اور گجرات پہنچ کر وہاں کے حاکم کو سالانہ خراج نہ بھیجنے پر معزول کر دیا اور جو کچھ نقدی اور فوج وہاں سے مل سکتی تھی اپنے ہمراہ لیکر ٹھٹھہ پر دوبارہ چڑھائی کی۔ اہلِ ٹھٹھہ کے قدم اس تازہ دم فوج کے آگے نہ جم سکے۔ مجبوراً وہ بھاگ کر اپنے نگی قلعوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ بادشاہ نے ایک عرصہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ اہلِ قلعہ رسد کی کمی سے تنگ آکر مصالحت کرنے پر آمادہ ہوگئے اور یہ سرکش اور باغی صوبہ اس طرح فیروز تغلق کے ہاتھ سر ہوا۔

(باقی آئندہ)

بیگناہ مجرم

(ایک روسی افسانہ)

روس کے کسی شہر میں ایک تاجر رہتا تھا جس کا نام اکسیوناف تھا۔ اس کی دو دوکانیں تھیں اور ایک اپنا ذاتی رہنے کا مکان۔

اکسیوناف ایک خوش شکل شخص تھا، نہایت خوش مزاج اور اور گانے بجانے کا نہایت شایق۔ اوایل عمر میں وہ شراب کا بہت عادی تھا اور جب بہت پی لیتا تو اکثر دوسروں سے جھگڑے لڑائی بھی کرنے لگتا۔ لیکن جب اس کی شادی ہوگئی تو اس کی یہ عادت چھوٹ گئی، سوائے اس کے کہ کبھی کبھار مل گئی تو پی لی۔

ایک دن کچھ مال و اسباب لے کر ایک میلے میں جانے لگا اور جب وہ بیوی بچوں سے رخصت ہونے گیا تو بیوی نے کہا "میاں، آج نہ جاؤ تو بہتر ہے۔ میں نے رات میں تمہارے متعلق ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔"

اکسیوناف یہ سنکر ہنسا اور کہنے لگا "تم ڈرتی ہو کہ جب میں میلے میں پہنچ جاؤنگا تو میں ناچ رنگ میں پھنس جاؤنگا۔"

بیوی نے جواب دیا "میں یہ تو نہیں جانتی کہ کس بات کا اندیشہ ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ میں نے تمہارے متعلق نہایت برا خواب دیکھا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ تم میلے سے لوٹ آئے ہو اور جب تم نے اپنی ٹوپی سر سے اتاری ہے تو کیا دیکھتی ہوں کہ تمہارے تمام بال سفید ہوگئے ہیں۔"

اکسیوناف یہ سن کر ہنسا اور بیوی سے کہنے لگا "یہ تو ایک خوش نصیبی کی علامت ہے۔ دعا کرو کہ تمام مال نکل جائے تو میں تمہارے لئے میلے سے اچھی اچھی چیزیں لاؤں۔"

بہرحال وہ اپنی بیوی بچوں سے رخصت ہوکر روانہ ہوا۔ جب نصف راستہ طے کر چکا تو اسے ایک اور سوداگر ملا جسے وہ پہلے سے جانتا تھا۔ چلتے چلتے جب رات ہوگئی تو دونوں ساتھ ہی ایک سرائے میں ٹھہرے۔ ساتھ ہی چائے پی اور اس کے بعد دونوں اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے۔

اکسیوناف صبح کو دیر سے اٹھنے کا یوں بھی عادی نہ تھا اور اس خیال سے کہ صبح کے سہانے ٹھنڈے وقت میں منزل کا ایک بڑا حصہ آسانی سے طے ہو جائیگا، اسنے علی الصباح کوچبان کو جگایا کہ سواری کو تیار کرے۔ اسکے بعد وہ سرائے کے مالک کے پاس گیا کھانے اور رہنے کا بل ادا کیا اور روانہ ہوگیا۔ جب کوئی ۲۵ میل کے قریب منزل طے کر چکا تو ایک تھوڑی دیر کے لئے رکا تاکہ کوچبان گھوڑوں کو دانہ گھاس دے لے اور خود سرائے کے اندر ایک کمرہ میں چلا گیا وہاں پہنچکر اس نے پانی گرم کرنے کے لئے ایک سماوار مانگا اور اس عرصہ میں اپنا ستار نکالکر بجانے لگا۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک فوجی افسر مع دو سپاہیوں کے ایک گاڑی سے اترا اور سیدھا اس کے پاس پہنچا اور آنے کی وجہ اور وقت کے متعلق متعدد سوالات کرنے لگا۔ اکسیوناف اس کے سوالوں کا جواب دیتا رہا اور اور جب سماوار آگیا اور پانی تیار ہوگیا تو اس نے افسر سے کہا کہ اگر کچھ مضایقہ نہ ہو تو آپ بھی تھوڑی سی چاء پی لیجئے" لیکن اس افسر کے سوالات کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور وہ برابر اس قسم کے سوالات پوچھتا رہا کہ "کل رات تم نے کہاں گذاری؟" "تم اکیلے ہی تھے یا اور بھی کوئی سوداگر تھا؟" "وہ دوسرا سوداگر کہاں گیا؟" "تم اتنی علی الصباح سرائے سے کیوں روانہ ہوگئے؟"

اکسیوناف حیرت میں تھا کہ یہ شخص مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں کر رہا ہے؟ لیکن اس نے اپنی تمام سرگزشت ٹھیک ٹھیک بیان کر دی اور آخر میں یہ کہا کہ "آپ اس قسم کے سوالات کر رہے ہیں گویا میں کوئی چور یا ڈاکو ہوں۔ میں اپنے تجارتی کام سے سفر کر رہا ہوں اور مجھ سے اس قسم کے سوالات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس کے بعد افسر نے اپنے دونو ساتھی سپاہیوں کو بلایا اور

اکسیوناف سے مخاطب ہوکر کہا کہ "میں اس علاقہ کا پولیس افسر ہوں اور میں یہ سوالات اس وجہ سے کررہا ہوں کہ کل شب میں تمہارے ساتھ جو سوداگر تھا وہ آج صبح کو گلا کٹا ہوا ملا ہم تمہارے سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں"۔

یہ کہکر افسر مع دونوں سپاہیوں کے اکسیوناف کے کمرہ میں گیا اور اس کے بستر کو کھولکر تلاشی لینا شروع کی کہ یکایک اس کا ہاتھ ایک بڑے چاقو پر پڑا۔ اس نے اسے بستر سے کھینچا اور تعجب سے پوچھا کہ "یہ کس کا چاقو ہے؟" اکسیوناف نے جو یہ خون آلود چاقو بستر سے اپنی آنکھوں کے سامنے نکلا ہوا دیکھا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی پھر افسر نے پوچھا کہ "اس میں یہ خون کہاں سے آیا؟" اکسیوناف نے جواب دینے کی کوشش کی اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ...... ما ما میں نہیں جانتا ...... میرا نہیں ہے"

پولس افسر نے کہا "آج صبح وہ شخص گلا کٹا ہوا پایا گیا ہے۔ یہ کام بجز تمہارے اور کسی کا نہیں ہوسکتا۔ مکان اندر سے بند تھا اور اسکے اندر سوائے تمہارے اور کوئی نہیں تھا۔ یہ خون لگا ہوا چاقو تمہارے بستر سے نکلا ہے اور خود تمہاری صورت اور آواز کہہ رہی ہے کہ تم ہی نے یہ جرم کیا ہے۔ بتاؤ کہ تم نے اسے کیسے مارا اور کتنے روپے اسکی جیب سے نکالے؟"

اکسیوناف نے قسم کھاکر کہا کہ اس نے یہ کام ہرگز نہیں کیا ہے۔ رات میں ساتھ چاء پینے کے بعد اس نے پھر اسے نہیں دیکھا اس کے پاس سوائے آٹھ ہزار روبل (روسی سکہ) کے جو اس کا ذاتی مال ہے، ایک پیسہ بھی نہیں ہے اور یہ چاقو بھی اسکا ہرگز نہیں ہے۔ لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی، چہرہ زرد پڑگیا تھا اور وہ خوف سے اس طرح کانپ رہا تھا گویا اسی نے یہ جرم کیا ہے"۔

افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو اور اسکو ہتھکڑی پہناکر گاڑی میں بند کردو۔ جب سپاہی اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنانے لگے اور اسے گاڑی کے اندر لیجانے لگے تو اکسیوناف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسکا مال واسباب سب کچھ اس سے لے لیا گیا اور وہ قریب کے کسی جیلخانہ میں بند کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کے چال چلن کی تحقیقات شروع ہوئی۔ اس کے شہر کے تاجروں اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ پہلے وہ شراب وکباب کا بے شک عادی تھا لیکن اب ایک عرصہ سے اس نے یہ عادت چھوڑدی ہے اور وہ ایک نیک چلن آدمی بنگیا ہے۔ پھر مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی اور بالآخر اس پر یہ فرد جرم لگادی گئی کہ اسنے ایک سوداگر کو قتل کرڈالا ہے اور جیب سے ۲۰ ہزار روبل چرالئے ہیں"۔

کچھ عرصہ بعد اس کی بیوی نے جو یہ ماجرا سُنا تو وہ بہت پریشان ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ تمام بچے چھوٹے چھوٹے تھے اور ایک لڑکی ابھی دودھ پی رہی تھی۔ غرض ان سب کو لے کر وہ اس شہر میں گئی جہاں اکسیوناف قید تھا۔ پہلے پہل تو اسے ملنے کی بھی اجازت نہیں مل رہی تھی لیکن بہت کچھ خوشامد برآمد کے بعد افسران جیل نے اجازت دیدی اور وہ پھاٹک کے اندر داخل ہوئی۔ جونہی اس نے اپنے خاوند کو جیل کے کپڑوں میں چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ساتھ بیڑیاں پہنے ہوئے دیکھا وہ غش کھاکر زمین پر گر پڑی اور دیر تک بیہوش پڑی رہی۔ اس کے بعد جب ذرا ہوش آیا تو اس نے اپنے بچوں کو گود میں لیکر خاوند کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے تو گھر کا سارا حال سُنایا اور پھر یہ دریافت کیا کہ آخر یہ مصیبت نازل کیسے ہوئی۔ اکسیوناف نے سارا قصہ کہہ سُنایا۔ وہ چپکی سنتی رہی اور آخر میں بولی کہ "اچھا، اب کیا کیا جائے؟" اس نے کہا کہ "زار کے پاس درخواست دو کہ ایک بیگناہ شخص کو پھانسی نہ دی جائے"۔ اس کی بیوی نے کہا کہ میں ایک درخواست اس مضمون کی دے چکی ہوں لیکن وہ منظور نہ ہوئی"۔ اکسیوناف نے اس پر پھر کچھ جواب نہ دیا اور مایوس ہوکر نیچے دیکھنے لگا۔

اس کے بعد اس کی بیوی بولی "تمہیں یاد ہوگا، میں نے جو خواب دیکھا تھا کہ تمہارے تمام بال سفید ہوگئے ہیں۔ یہ کچھ یونہی نہ تھا۔ تم اس دن نہ روانہ ہوئے ہوتے تو اچھا تھا"۔ پھر خاوند کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے جھاڑنے لگی اور دبی زبان سے پوچھا

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

لاہور کانگریس

(بچوں کیلئے)

بچو! تم نے دسمبر کی گزشتہ چھٹیوں میں تو دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ لاہور جارہے ہیں اور یہ بھی سنا ہوگا کہ کس لئے جارہے ہیں — وہ لوگ کانگریس میں جارہے تھے۔ لیکن آخر تم نے یہ بھی کبھی سوچا کہ یہ کانگریس کیا چیز ہے اور لوگ کیوں اس شوق اور تیاری کے ساتھ جاتے ہیں۔ کیا یہ کوئی میلہ ہے؟ یا تماشہ ہے؟ جوق جوق کے جوق لوگ ہر سال دیکھنے جاتے ہیں بے شک یہ ایک قسم کا میلہ ہے جو ہر سال ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں لگتا ہے۔ کئی مہینے پہلے سے اسکی بڑی تیاریاں ہوتی ہیں۔ سینکڑوں نوجوان مرد اور عورتیں اس میں کام کرنے کیلئے بطور سپاہی کے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں سے اسکے انتظامات کیلئے چندہ لیا جاتا ہے، اور ایک بہت بڑا پنڈال بنایا جاتا ہے جس میں کوئی ہزاروں آدمی آسکیں۔ ہندوستان کے تمام صوبوں سے لوگ چن چن کر بھیجے جاتے ہیں، جو یہاں آتے ہیں اور اس میں شریک ہوکر یہاں کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کے رہنے کا الگ انتظام ہوتا ہے، کھانے کا الگ اور دوسری ضرورتوں کا الگ۔ اسی کے ساتھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزوں کی نمایش، جو ایک طرح کا بازار سا ہوتا ہے۔ غرض کل مل کر ایک چھوٹا سا شہر بنجاتا ہے۔ اس مرتبہ اس شہر کا نام پنجاب کے مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے کے نام پر رکھا گیا تھا، یعنی "لاجپت نگر"۔ اس نگر کی دھوم دھام کچھ دیکھنے ہی سے معلوم ہوسکتی تھی۔

غرض کانگریس کا یہ میلہ دسمبر کی ۲۵ر تاریخ سے شروع ہوجاتا ہے اور میلے والے ۱۵، ۲۰ دسمبر ہی سے روانہ ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ جس اسٹیشن پر دیکھو، کھدر کی سفید ٹوپی اور کھدر کے کپڑے پہنے لوگ نظر آتے ہیں۔ جس گاڑی میں جاؤ، ان کھدر پوشوں سے بھری نظر آتی ہے۔ ریلوے کمپنیاں اس موسم میں اپنے کرایوں میں رعایت کرکے انکے شوق کو اور بھی بھڑکا دیتی ہیں۔ بہر حال میلے کی ابتدا سب سے پہلے "دولھا کی سواری" سے ہوتی ہے۔ تم سمجھے بھی کہ یہ دولھا کی سواری سے کیا مطلب ہے اور کون اس مرتبہ دولھا بنا تھا۔

یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہر سال نیا دولھا ہوتا ہے جسے ملک کے لوگ چنتے ہیں۔ اس سال کے "دولھا" پنڈت جواہر لال نہرو تھے، جو سچ مچ دولھا بننے کے قابل تھے۔ تم نے اگر ان کو نہیں تو ان کی تصویر کہیں نہ کہیں ضرور دیکھی ہوگی اور اگر نہیں دیکھی ہے تو اب سے تلاش کرکے دیکھ لو۔ یہ آج کل ملک کے بڑے چہیتے سمجھے جاتے ہیں، خاصکر ملک کے نوجوان لوگ تو انھیں اپنا سرتاج سمجھتے ہیں۔

غرض ۲۵ر دسمبر کو جو میلے کا سب سے پہلا دن تھا، ان کی سواری نکلی اور سواری بھی کس شان سے؟ — ایک بالکل نئے رنگ ڈھنگ سے۔ گزشتہ سال کلکتہ میں جب کانگریس کا میلہ لگا تھا، تو انکے باپ پنڈت موتی لال نہرو "دولھا" بنے تھے۔ ان کی سواری ایک چاندی کی نہایت عمدہ و خوشنما گاڑی پر نکلی تھی جس میں ۳۴ ایک رنگ کے سفید گھوڑے لگے ہوئے تھے۔ ایسی سواری بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اس سال بیٹے کی جو سواری نکلی، تو زین سواری کے گھوڑوں پر۔ نوجوان سواروں کے درمیان یہ شہ سوار اس شان و شوکت سے چل رہا تھا، جیسے جگمگاتے ہوئے ستاروں کے جھنڈ میں روشن ماہتاب۔ یہ تمام سواری مع لاکھوں آدمیوں کے مجمع کیساتھ سارے شہر کا چکر لگاتی ہے اور دور دور سے لوگ محض اس جلوس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

بچو! شاید تم یہ سمجھتے ہوگے کہ سب لوگ اتنی دور دور سے محض اس تفریح اور دلچسپی ہی کی غرض سے آتے ہیں، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہاں لوگ اتنی طویل مسافت طے کرکے اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرکے جو آتے ہیں، تو وہ بہت سی ضروری اور مفید باتوں کو طے کرنے کیلئے آتے ہیں۔ تم نے شاید سنا ہوگا کہ ہندوستان کے وائسرائے اور قوم پرست

لیڈروں میں کچھ گفت وشنید اس بات کی ہو رہی تھی کہ ہندوستان کو آزادی دیجائے، لیکن تم سمجھ رکھو کہ ہندوستان کو آزادی وائسرائے یا اور کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ اور نہ آزادی کسی کے دینے سے ملتی ہے۔ یہ تو خود اپنے حاصل کرنے کی چیز ہے اور کسی دوسرے کی مرضی اور خوشی پر تھوڑی ہی منحصر ہے۔ جب **ہم خود** ایک چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں اور اس ارادے پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اور اسکی کوشش میں لگ جائیں تو پھر دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو تم کو اس سے باز رکھے۔ یہی حال آزادی کا ہے۔ اب تک ہندوستان کے لوگ اس حیص بیص میں تھے کہ آیا اسے زبان پر لائیں یا نہ لائیں۔ ایسا نہ ہو کہ انگریز ہم سے خفا ہو جائیں اور جو کچھ دینے کو ہیں وہ بھی نہ دیں۔ اور اگر زبان سے کہیں بھی تو پھر آئندہ اس پر عمل کرنے کے تئے کیا کریں۔

لاہور کانگرس میں سب سے بڑی بات جو ہوئی ہے وہ یہ کہ اب تئے ہندوستان نے اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ وہ اس سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ پنڈت **جواہر لال** نہرو نے نہ صرف یہ کہ دنیا کے سامنے آزادی کا یہ خالی اعلان کیا ہے بلکہ وہ یہ بھی بتلائیں گے کہ اس آزادی کو کیونکر حاصل کرنا چاہیئے۔ اس سال جو وہ دولہا بنے ہیں، تو ان کی ذات سے امید ہے کہ ہندوستان کی "دولھن" غلامی کا طوق اپنے گلے سے اُتار پھینکے گی اور آزادی کے لباس سے آراستہ ہوگی۔ ہماری بھی دعا ہے کہ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین۔

صفحہ ۱۲ کا بقیہ مضمون

کہ "اچھا تو مجھسے سچ بتاؤ تم نے یہ فعل نہیں کیا ہے؟"

"اچھا تمہیں بھی مجھ پر شبہ ہے!" اکسیوناف نے یہ کہا اور اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھک کر زار و قطار رونے لگا۔ اتنے میں ایک سپاہی آیا اور عورت سے کہا کہ تمہارا ملنے کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ اب تم لوگ باہر چلو۔ اس کے بعد اکسیوناف اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہوا اور یہ سمجھکر کہ یہ اب آخری ملاقات ہے۔

جب وہ سب چلے گئے تو اکسیوناف کو یکبارگی یہ خیال آیا کہ آہ! میری بیوی بھی مجھ پر شبہ کر رہی ہے! اور اپنے جی میں کہنے لگا "اصل حقیقت صرف خدا ہی جانتا ہے۔ اسی کے آگے ہمیں درخواست کرنی چاہیئے اور اسی سے رحم کی توقع رکھنی چاہیئے" پھر اس کے بعد اکسیوناف نے کوئی درخواست کسی کے پاس نہیں بھیجی۔ تمام امیدیں منقطع کرلیں اور صرف خدا سے دعا کرتا رہا۔

مقدمہ کی پیشی ہوئی اور بالآخر اکسیوناف کو یہ سزا تجویز ہوئی کہ اسے کوڑے لگائے جائیں اور کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ غرض اس کے کوڑے لگائے گئے اور جب کوڑوں کا زخم کچھ اچھا ہوا تو وہ اور مجرموں کے ساتھ سائبیریا کام کرنے کے لئے بھیجدیا گیا۔ ۲۶ سال تک اکسیوناف سائبیریا میں بطور مجرم کے رہا۔ اس کے بال روئی کے گالوں کی طرح سفید ہوگئے۔ داڑھی بہت بڑھ گئی اس کی تمام رنگین مزاجی رخصت ہو چکی اور اس کی کمر جھک کر کمان ہوگئی۔ اسکی رفتار میں بہت سستی اور آواز میں بہت پستی آگئی تھی۔ وہ کبھی ہنستا نہ تھا بلکہ اکثر رو رو کر دعائیں مانگتا تھا۔

قید خانہ میں اکسیوناف نے جوتے بنانا سیکھا اور اس طرح سے کچھ پیسے جمع کرلئے جس سے اس نے ایک کتاب خریدی جس کا نام تھا "بزرگان دین کے حالات زندگی"۔ جب کبھی قید خانہ کی کوٹھری میں کافی روشنی ملتی تو وہ یہ کتاب نکالکر پڑھتا۔ ہر اتوار کو وہ قیدخانہ کے گرجا میں عبادت کے لئے جاتا اور جب اس سے فارغ ہوکر آتا تو اپنا ستارہ لے کر بجاتا اور آہستہ آہستہ گانا شروع کرتا۔

حکام جیل اس کے سیدھے پن سے بہت خوش تھے اور اس ۴۴

۴۴ کے دوسرے ساتھی بھی اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ اُسے "بابا" کہہ کر پکارتے۔ جب کبھی انہیں کسی چیز کے بارے میں حکام جیل کے پاس کوئی درخواست لیجانی ہوتی تو وہ اکسیوناف کو اپنا ترجمان بناتے اور جب کبھی ان کے درمیان آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا تو وہ اسے اسکے پاس لے آتے اور اس کے فیصلہ کو بسر و چشم تسلیم کرتے۔

(باقی آئندہ)

علمی جواہر ریزے

متنبی کہتا ہے "خیر جلیس فی الزمان کتاب" شکسپیر بھی بالکل متنبی کا ہمخیال ہے اس کی رائے ہے کہ دنیا میں انسان کی بہترین مونس کتاب ہے اور ایک اور بڑے دانشمند کا قول ہے کہ "فارغ البالی کی حالت میں کتاب آدمی کے لئے مسرت وراحت کا باعث اور تکالیف ومصیبت کے زمانہ میں سکون وراحت کا ذریعہ ہوتی ہے، سیسرو نے کیا خوب کہا ہے کہ "کسی گھر میں کتب خانہ قائم کرنا اس میں روح پھونکدینے کے مترادف ہے۔

اس لئے اگر آپ کو مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی ضرورت ہو تو **مکتبہ جامعہ** سے طلب فرمائیے۔ مکتبہ جامعہ کو آپ انشا اللہ ہمیشہ خدمت کے لئے تیار ومستعد پائیں گے۔ نمونہ کے طور پر مطبوعات جامعہ کی ایک مختصری فہرست پیش کی جاتی ہے

دیوان غالب مطبوعہ برلن (جرمنی) اردو کا سب سے اعلیٰ اور نفیس ترین ایڈیشن پاکٹ سائز جلد مطلاّ نہایت دلفریب اور خوشنما تحریر نہایت روشن اور خوبصورت حاشیہ پر رنگین بیل طباعت نہایت عمدہ صاف ستھری۔ کاغذ سفید قسم اعلیٰ جرمن ساخت بحیثیت مجموعی یہ ایڈیشن تمام ظاہری ومعنوی خوبیوں کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہے

مبادی معاشیات مسٹر اڈون کینن کی کتاب پولیٹیکل اکانمی کا ترجمہ اردو۔ مترجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ شیخ الجامعہ۔ قیمت عہ/

المدنیہ والاسلام علامہ مصر فرید وجدی کی شہرۂ آفاق تصنیف مترجمہ مولانا رشید احمد انصاری مرحوم پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ ۶ر

اسلامی تہذیب وقومی تعلیم ڈاکٹر سر پی سی رائے کا مشہور خطبۂ صدارت جو موصوف نے جامعہ کے دوسرے جلسہ تقسیم اسناد میں پڑھا اردو ترجمہ قیمت چار آنے۔

ترکوں کی کہانیاں مسلمان بچوں کے لئے نہایت دلچسپ وسبق آموز ترکوں کی بہادری کے قصے۔ ۴ر

تاریخ الامت تاریخ اسلام کا نہایت مستند قابل دید سلسلہ اردو زبان میں آپ اپنی نظیر ہے مصنفہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ۔

حصہ اول۔ سیرت رسول۔ قیمت ۱۲ر مجلد دو روپے (۲)
〃 دوم خلافت راشدہ 〃 〃 ۶ر 〃 ۶ر
〃 سوم بنی امیہ 〃 〃 ۱۲ر 〃 ۶ر
〃 چہارم۔ عباسیہ 〃 〃 ۶ر 〃 〃
〃 پنجم عباسیہ بغداد 〃 ۶ر 〃 ۶ر

تاریخ الدولتین خلافت بنی امیہ اور بنی عباس کے حالات مصنفہ جرجی زیدان مصری بترجمہ مولانا نیاز فتحپوری ۱۲ر

اورنگ زیب عالمگیر مولانا شبلی مرحوم کی معرکۃ الآرا تصنیف قیمت عہ

تاریخ ہند قدیم مصنفہ کے۔ ایم پانیکار۔ ایم اے آکسن قیمت ایک روپیہ عہ

قومی و مذہبی تعلیم کا نظام مولانا محمد علی صاحب کی اسکیم کا ترجمہ از عبد المجید خواجہ صاحب بیرسٹر قیمت ۸ر

عرض جوہر مولانا محمد علی صاحب قبلہ کے کلام کا مجموعہ (۸ر)

ملنے کا پتہ

مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی

طابع وناشر:- ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی (برلن) ۵۹۰۶ مطبع:- جید برقی پریس بلیماران دہلی

طابع و ناشر ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی (برلن) مطبع جید برقی پریس بلیماراں دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

نرخنامہ چندہ

سالانہ ع۶

ششماہی عہ

فی پرچہ ۴ر

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ۵ئے

نصف صفحہ ۳ر

چوتھائی صفحہ ۲ر

پیام تعلیم

اڈیٹر:- سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

نمبر ۶ ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء جلد ۹

فہرست مضامین



دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

جنوری کی ۲۶ر تاریخ کانگریس کی طرف سے اس غرض کیلئے مقرر کی گئی ہے کہ اس دن کو تمام ہندوستان کے لوگ "آزادی کا دن" منائیں، مہاتما گاندھی جی نے خاص طور پر اس امر کی ہدایت کی ہے کہ اس دن صرف تقریریں ہی تقریریں نہ کیجائیں، جنکا اثر بہت عارضی ہوتا ہے بلکہ ایسے کام کئے جائیں جن سے لوگ یہ سمجھیں کہ ہاں، ہمیں آزادی لینی ہے۔

اس سال کانگریس کے پروگرام میں منجملہ اور باتوں کے قانون شکنی بھی داخل ہے، لیکن ایسے قانون کا توڑنا نہیں جس سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچے، بلکہ ایسے قوانین توڑے جائیں گے جن سے حکومت کو نقصان پہنچے اور وہ اپنی سختیوں اور زیادتیوں سے ہاتھ اُٹھالے۔ چنانچہ بنگال کے ایک مقام باندابلا میں کچھ عرصہ سے قانون شکنی کی تحریک جاری ہے اور ابھی حال میں کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست میں ٹیکس نہ ادا کرنیکی تحریک شروع کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک ایک دو دو کرکے اگر یہ تحریک ہندوستان میں پھیلی تو گورنمنٹ بہت جلد گھٹنے ٹیک دیگی۔

صدر اسمبلی مسٹر پٹیل نے پولیس کمشنر کے احکامات کو ٹھکرا کر سیاسی حلقوں میں بہت سنسنی پیدا کر دی ہے۔ گزشتہ سال اسمبلی میں جو بم پھینکا گیا تھا، اس کی وجہ سے اس سال یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ اسمبلی کے اندر اور باہر پولیس کا سخت پہرہ رہے اور وزیٹروں کے نام ٹکٹ بہت کم جاری کئے جائیں۔ مسٹر پٹیل نے اسے اپنی اور اسمبلی کی توہین خیال کرتے ہوئے تمام پولیس کو واپس کر دیا اور سوائے اخبارات کے نمائندوں کے باقی تمام وزیٹروں کے ٹکٹ روک دئے۔ پولیس کمشنر کے ان احکامات کی تائید ہوم ممبر نے بھی کی تھی۔

ہندوستان کے باہر

چین میں گزشتہ دو تین سال سے سخت قحط پڑ رہا ہے جسکی وجہ سے اس وقت تک ۲۰ لاکھ آدمی مر چکے ہیں اور اندیشہ ہے کہ اتنی ہی تعداد ابھی اور اس مصیبت کا شکار ہوگی۔ اس قحط کے اسباب میں یہ بتایا جاتا ہے کہ چین میں اس زمانہ میں سخت سردی پڑی تھی اور رعایا کے فسادات وغیرہ کی وجہ سے جو اخراجات فوجوں وغیرہ پر ہوئے ہیں، ان کا بھی اثر ہے

سینور مسولینی جو اٹلی کا مطلق العنان حکمران ہے آج کل اس کے اور پاپائے اعظم کے درمیان تعلیم کے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ پاپائے اعظم نے مسولینی کے احکامات کے خلاف جو اعلان شائع کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حکومت کو چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ فرض دراصل والدین اور پھر اس کے بعد کلیسا کا ہے۔ نیز لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم اور مختلف مذاہب کے لوگوں کی تعلیم بھی ایک ساتھ نہیں ہونی چاہیئے۔

منموہن سنگھ، وہ پہلا ہندوستانی ہوا باز جو سر آغا خاں کے انعام حاصل کرنے کے لئے انگلستان سے روانہ ہوا تھا، اُسے فرانس کے مقام کیلے پر آکر اتر جانا پڑا اس لئے کہ اسکے ہوائی جہاز کی مشین میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بعض پرزوں کی درستی اور مرمت کے لئے پھر انگلستان واپس گیا ہے، اب دیکھیئے وہ خود روانہ ہوتا ہے، یا اسکی بجائے کوئی اور ہندوستانی اس سرفروشی کے لئے تیار ہوتا ہے۔

شاہ نادر خاں اپنے ملک افغانستان میں ابتدائی تعلیم کو رواج دینے میں بہت کوشش سے کام لے رہے ہیں۔ گزشتہ انقلاب کیوجہ سے جتنے لڑکوں نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا تھا، انھیں پھر بلایا گیا ہے اور جو جو مدارس بند ہو گئے تھے، وہ از سر نو کھولے گئے ہیں۔ شاہ موصوف کا خیال ہے کہ فوج کی تنظیم کے بعد ملک میں ابتدائی تعلیم کا پھیلانا

یورپ اور ایشیا کا ابتدائی تعلیم میں مقابلہ

وہ بچہ جس نے کبھی مدرسہ کی زندگی سے فائدہ اور لطف نہ اُٹھایا ہو اُس کی زندگی ایک ایسے محل کی طرح ہے جس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہوں، تمام دروازے مقفل ہوں اور ان قفلوں کی کنجیاں گم ہو چکی ہوں۔ صرف مدرسہ ہی کی زندگی ایسی ہے جو یہ کنجیاں ہمیں مہیا کر سکتی ہے

ایک کنجی ہمیں یہ مدد دیتی ہے کہ ہم دنیا کے وسیع کارخانۂ قدرت کو دیکھیں اور اُسکو سمجھنے کی کوشش کریں۔ دوسری چابی سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ پُرانے زمانہ کے بڑے بڑے لوگوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کریں کہ انھوں نے کس قدر مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے تکالیف کا مقابلہ کیا اور ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ تیسری کنجی ہمارے لئے محنت کا دروازہ کھولتی ہے کہ ورزش کرنا اور صاف رہنا کس قدر ضروری ہے۔ چوتھی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں کیا کرنا ہے اور کس کام کے لئے ہم موزوں ہیں۔ اور سب سے آخر میں ہم یہ نہایت ہی اہم بات حاصل کرتے ہیں کہ "دنیا کے میدان" میں بھی ہم نیک نیتی، خلوص اور محبت سے ملکر کھیلیں اور صحیح معنوں میں "کھلاڑی" بننے کی کوشش کریں۔ ان کنجیوں کے صحیح استعمال پر کسی قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔

اگر ہم براعظم یورپ کے مرکزی مقام پر کھڑے ہو جائیں اور اس کے چاروں طرف سفر کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس کے شمالی اور غربی حصوں میں کثرت سے مدارس پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس شرقی اور جنوبی حصوں میں مدارس کی تعداد بہت ہی قلیل ہے، یہاں تک کہ چند مشرقی حصوں میں صرف امرار کے لڑکے ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں کے لوگ غریب ہیں اور کام کرنیکا زمانہ کم ہے۔ وہاں لڑکے سال میں صرف چند مہینوں کے لئے مدرسہ جاتے ہیں اور باقی مہینوں میں دوسرا ضروری کام کرتے ہیں،

گرمیوں کے موسم میں سوئٹزرلینڈ کے لڑکوں کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ریوڑ اونچے نیچے پہاڑوں کے چراگاہوں پر لیجانا، دودھ دھنا اور سردیوں کے لئے لکڑیاں وغیرہ جمع کرنا۔ نہ صرف یہ بلکہ سردیوں کے طویل موسم میں بھی جب یہ مدرسے جاتے ہیں تو اپنے والدین کا ہاتھ نقش نگاری اور لیس بنانے میں بٹاتے ہیں۔ یہ لڑکے بہت ذہین ہوتے ہیں۔ کام خوب کرتے ہیں اور سیکھ بھی جلدی لیتے ہیں۔ اسی موسم میں وہ برف پر مختلف دلچسپ کھیل بھی کھیلتے ہیں۔

اسپین اور اطالیہ کے لڑکے بہت ہی کم مدرسہ جاتے ہیں خصوصاً اسپین میں تو بہت سے لڑکے بالکل لکھنے پڑھتے ہی نہیں۔ ان کو اور بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں جن پر ان کے زندہ رہنے کا دارومدار ہے۔ اطالیہ میں لڑکے بھیڑ بکریاں چراتے ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اسپین کے لڑکے کھیتوں پر کام کرتے ہیں۔ انگوروں کے پکنے کے زمانہ میں وہ انگور جمع کرتے ہیں اور ان کی شراب تیار کرتے ہیں جو ملک کی ایک بہت بڑی تجارت ہے۔

اگر ہم جرمنی اور ہالینڈ کی طرف نکل جائیں تو ہم کو ہر ہر قصبہ اور گاؤں میں مدرسے نظر آئیں گے۔ ہر لڑکا اپنے اوقات کے زیادہ حصہ مدرسہ ہی میں صرف کرتا ہے۔ جرمن اپنے بچوں کو قابل ترین بنانا چاہتے ہیں۔ جنوبی جرمنی میں تیرہ چار سال تک برابر تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے وہ بچے جو ذرا بیماری یا کسی اور وجہ سے نازک ہوتے ہیں ان کے لئے کھلی ہوا میں مدرسے ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ تفریح کے بھی سامان ہوتے ہیں۔ جرمنی کے لڑکے مطالعۂ قدرت کے بہت زیادہ شائق ہوتے ہیں وہ ہر مہینہ میں ایک بار اسی غرض سے تفریح مناتے ہیں۔

فرانس میں کھیلوں وغیرہ پر بہت کم زور دیا جاتا ہے۔ یہاں ۱۸۸۱ء میں تمام مدرسوں میں تعلیم مفت کر دی گئی تھی اور ۱۸۸۲ء میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ چھ سال سے تیرہ سال تک کے لڑکوں کے لئے تعلیم جبری اور

لازمی ہے۔

اسکنڈینویا میں لڑکوں کی تعلیم کی خاص طور سے نگہداشت کیجاتی ہے ڈنمارک کے بعض مدرسے دنیا بھر کے لئے نمونہ ہیں۔ سویڈن میں مدرسے اس وقت شروع کئے گئے تھے جب یورپ میں کسی کو یہ خیال بھی نہیں تھا یہاں کے بچے بہت ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ کھیل اور موسیقی کو ابتدائی تعلیم میں بہت دخل ہے۔ ناروے کے لڑکوں کی وہی حالت ہے جو سوئٹزرلینڈ والوں کی ہے۔

فنلینڈ اور شمالی منجمد حصوں کے اسکیمو تمام گرمیوں کا موسم مچھلی اور دوسری چیزوں کے شکار میں گزار دیتے ہیں اور سردیوں میں مدرسہ جاتے ہیں۔ لیکن "لیبراڈر" کے اسکیمو جب تک خاص ذرائع ان کے لئے مہیا نہ کئے جائیں، نہ پڑھتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر گرین فیل مشہور سیاح جب لیبراڈر گیا تو اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ آج تک کسی بچے نے گڑیا نہیں دیکھی ہے۔ جب ڈاکٹر موصوف نے انگلستان سے بہت سی گڑیاں بھیجیں تو لڑکوں کے والدین نے بجائے اس کے کہ لڑکوں کو کھیلنے کے لئے دیتے انہیں چھت سے لٹکا دیا۔ یہاں کے لڑکے پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔

افریقہ کے ایک دور دراز حصے میں جب ایک میم صاحبہ پہنچیں، تو چھوٹے چھوٹے حبشیوں کو زمین اور سورج کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنیکا بہت شوق تھا۔ میم صاحبہ نے ایک سنگترے کو زمین اور چراغ کو سورج فرض کرکے انہیں زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا سمجھایا۔

بحر الکاہل جنوبی میں ایک جزیرہ Frsotan da Cunha ہے جو حکومت برطانیہ کے ماتحت ہے۔ یہاں سے خبریں اور خطوط سال میں دو مرتبہ اس دنیا میں آتے ہیں۔ وہاں نہ دکانیں ہیں نہ بازار ہیں۔ ہر روز انہیں ایک ہی چیز کھانی پڑتی ہے لیکن یہاں کے لڑکے پڑھنے کے بہت زیادہ شائق ہیں۔ جب انہیں کوئی موقعہ ہاتھ لگا انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اس کے برعکس اگر ہم مشرق کی جانب جائیں تو تھوڑا ہی عرصہ پہلے صرف وہی لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے جنکا تعلق کسی دولتمند خاندان سے تھا یا جن کے والدین گھر پر کوئی اُستاد رکھ سکتے تھے۔ اس طریقہ سے چین اور جاپان میں امیر لڑکوں کی تعلیم بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔

مشرق کی تمام قوموں میں جاپانی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ملک میں نئے طرز کے مدرسے جاری کئے اور نیا نظام تعلیم قائم کیا۔ لیکن اب بھی جاپان کے بعض مدرسوں میں طالب علم اپنے چھوٹے بھائیوں یا رشتہ داروں کو اپنی پشت پر باندھ کر مدرسہ لے آتے ہیں۔ جاپان کے مدرسوں میں انگریزی زبان کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبا یورپ کی درسگاہوں میں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنا تجربہ بڑھاتے ہیں۔ لڑکے کھیلنے کودنے میں بہت مشاق ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کی صحت بھی دن بدن ٹھیک ہو رہی ہے اور وہ پُرانی رسم رواج کی زنجیروں سے آزاد ہو رہی ہیں۔

چینیوں کے ہاں عجیب قسم کی باتیں اور رسم و رواج رائج ہیں۔ چینی قلم کی بجائے برش سے لکھتے ہیں، وہ اوپر سے شروع کرنیکی بجائے۔ نیچے سے لکھنا شروع کرتے ہیں اور دائیں سے بائیں جانیکی بجائے اوپر کی طرف جاتے ہیں

نئی چینی جمہوریت کے ماتحت پُرانا نظام تعلیم بدل رہا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کے نئے نئے مدرسے کھل گئے ہیں۔ لڑکیوں نے انگریزی لباس پہننا شروع کردیا ہے چینی لڑکے جرسیاں اور نیکر پہن کر فٹ بال کھیلتے ہیں، اور ایک مدرسہ دوسرے مدرسہ سے میچ بھی کھیلتا ہے۔

مشرق کے غریب طلبا کے لئے تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اسلامی ممالک مثلاً مصر اور ترکی وغیرہ میں بچے سب سے پہلے مسجد میں ایک ملّا سے پڑھنا شروع کرتے ہیں ان کی عمر کا ایک کافی حصہ صرف مذہبی کتابوں کے سیکھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کو سب کچھ عربی میں پڑھنا ہوتا ہے چاہے انہیں یہ زبان آتی ہو یا نہیں اس لئے اس پڑھائی سے انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔ لیکن حال ہی میں ان ممالک میں تعلیم کا اچھا انتظام ہو رہا ہے۔ اور لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں۔

تعلیم کے معاملہ میں مشرق کے تمام ممالک میں ہندوستان بہت ہی بدقسمت ہے یہاں ہر دس لڑکوں میں ایک لڑکا تعلیم یافتہ ہوتا ہے اور ہر سو لڑکیوں میں ایک لڑکی پڑھی لکھی ہوتی ہے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اور یہاں کے باشندے بہت ہی غریب ہیں۔ جن بیچاروں کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا وہ اپنے لڑکوں کو تعلیم کیسے دلا سکتے ہیں۔ لیکن انھیں باقاعدہ تعلیم دی جائے تو یہ بہت ہی ذہین اور ہوشیار ثابت ہونگے (م)

۹ انگلستان میں ۱۸۷۲ء میں تعلیم ضروری کردیگئی تھی اور ۱۸۹۱ء میں ابتدائی تعلیم مفت کردیگئی لیکن اسکاٹ لینڈ انگلستان سے ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اسی سے حکومت کے تمام اہم عہدے اسکاٹ لینڈ والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

کوائف جامعہ

۱۷؍جنوری ۱۹۳۰ء کو ڈاکٹر یوسف حسین خاں، جامعہ کے ایک پُرانے فارغ التحصیل یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے بمبئی پہنچے اور ۱۹؍جنوری کی شب کو آپ جامعہ تشریف لائے۔ اسٹیشن پر آپ کے احباب اور ملنے والوں نے آپ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دوسرے دن سہ پہر کو "انجمن اتحاد" نے جس کے آپ کسی زمانہ میں نائب صدر رہ چکے ہیں، آپکی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ شام کو آپ کے احباب نے آپکی دعوت کی، تیسرے دن بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

آپ نے تقریباً ۴ سال پیرس یونیورسٹی میں گزارے اور وہاں سے آپ ڈی، لٹ یعنی ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری لے کر آئے ہیں۔ آپ کا مضمون جس پر آپ نے کام کیا ہے "قرون وسطیٰ میں تصوفانہ تحریکات" سے متعلق ہے آپ کا مقالہ جو فرانسیسی زبان میں ہے، آپ کے آنے سے پیشتر یہاں پہنچ چکا تھا اس میں آپ نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر سے ہندو تہذیب پر ایک نہایت گہرا اثر پڑا تھا اور اسی اثر کا یہ نتیجہ تھا کہ یہاں گرونانک اور کبیر داس جیسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے ہندو مسلمانوں میں یگانگت و اتحاد کی تعلیم دی۔

آپ اس وقت چند دنوں کے لئے مکان تشریف لے گئے ہیں، وہاں سے آپ پھر جامعہ واپس آئیں گے اور کچھ عرصہ یہاں قیام کرکے آپ حیدر آباد جائینگے۔ بعض لوگ شاید نہ جانتے ہوں گے، آپ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

آپ کے آنے کے چند دنوں بعد جامعہ کے ایک اور فارغ التحصیل غلام سرور صاحب جنھوں نے دو سال ہوئے عربی زبان و ادب میں جامعہ سے بی۔اے کی امتیازی سند لی ہے، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مصر تشریف لیگئے ہیں آپ نے بی۔اے کا امتحان نہایت اچھے نمبروں میں پاس کیا تھا اور مولٰنا محمد السورتی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ آپ مصر میں فقہ اسلامی کا خاص طور پر مطالعہ کریں گے۔

آپ کے اعزاز میں آپ کے احباب اور دوستوں نے متعدد دعوتیں دیں ۱۸؍جنوری کو سہ پہر میں چائے کی ایک دعوت "انجمن اتحاد" نے کی، جسکے آپ ایک سرگرم رکن تھے۔ اس دعوت میں بعض بزرگوں اور احباب نے آپ کو تحفے اور ہدیے دئے جنمیں شیخ الجامعہ صاحب کیطرف سے ایک ہدیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے اُسے دیتے وقت ایک مختصر سی لیکن نہایت پر معنی تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا کہ "سرور صاحب! یہ کتاب میں آپکو اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے دے رہا ہوں جسے پڑھ کر ان گنت لوگوں نے تسلی اور اطمینان حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر بھی جب کبھی تفکرات و ترددات لاحق ہوں تو اسی کی طرف رجوع کریں۔ بہت سے لوگ اسے بے سمجھے پڑھتے ہیں اور بعض سمجھکر۔ آپ سے اُمید ہے کہ اسے سمجھکر پڑھیں گے"۔

یہ ہدیہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا مترجم قرآن شریف تھا جس پر مخملی جلد لگی ہوئی تھی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "ہم ایک غلام ملک کے باشندے ہیں اور اس میں بھی ایک بدنصیب قوم کے فرد۔ باہر کے دوسرے ملکوں میں ہندوستان کے علم و فضل کا تو بہت شہرہ ہے لیکن مسلمان اسی قدر بدنام ہیں۔ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ہم اپنے سفرا اور مبلغین دوسرے ممالک میں بھیجیں جو ہمارے دامن سے اس بدنامی کے داغ کو رفع کرسکیں۔ ہمارے سفیر، ہمارے مبلغ ہمارے وکیل یہی ہمارے طالب علم ہیں جو دوسرے ملک والوں پر وہاں جاکر اچھا اثر قائم کرسکتے ہیں۔ آپ کو اپنے اس مبارک سفر کی جہاں خوشی ہونی چاہیئے وہاں اس فرض کا احساس بھی ہونا چاہیئے آپ سے توقع کہ آپ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے"۔

یوسف حسین خاں اور غلام سرور صاحب ہر دو صاحبان جامعہ کی ہاکی ٹیم کے نمایاں کھلاڑیوں میں تھے اس لئے گیمس کمیٹی نے انکے اعزاز میں پُرانے اور موجودہ طلبہ کا ایک میچ کیا جو نہایت دلچسپ رہا۔ پرانے طلبہ میں جناب شیخ الجامعہ بھی تھے میچ میں مولوی سعد انصاری صاحب کے کھیل سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔

جغرافیہ

حرکات زمین اور اُنکے تاثرات

زمین کی دو بہت مشہور و معروف حرکات ہیں:۔

(۱) خود اپنے محور کے گرد گھومنا

(۲) سورج کے چاروں طرف چکر لگانا

زمین اپنے محور پر ایک چکر ۲۴ گھنٹہ میں کرتی ہے۔ زمین گول ہے۔ اس وجہ سے جو حصۂ زمین سورج کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن، اور باقی حصہ میں رات رہتی ہے۔ یہ قدرتی نظام اس قدر خوب ہے کہ اس میں کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔

اگر زمین بالکل ساکن ہوجاتی تو اس کا اثر یہ ہوتا کہ ہمیشہ کے لئے جہاں دن ہوتا وہاں دن اور جہاں رات ہوتی وہاں رات رہتی۔ دن و رات ہمیشہ کم و بیش ہوتے رہتے ہیں انکی وجوہات پھر کبھی لکھے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ دن اور رات ہمیشہ یکساں رہیں تو اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ زمین کو اپنے آربٹ پر بالکل سیدھا کردے۔ یعنی محور زمین اپنے آربٹ پر ۶۶½ کا زاویہ بناتا ہے۔ اس کو بالکل سیدھا کردیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین ہمیشہ سیدھی گھومتی رہے اور دن اور رات میں کوئی فرق نہ ہو۔

آربٹ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہوئی گذرتی ہے، یہ جگہ بیضاوی ہے۔

نقشہ میں سورج درمیان میں ہے اور زمین چار جگہ دکھائی گئی ہے۔ زمین سورج کے گرد تقریباً ایک سال میں اپنا چکر پورا کرتی ہے۔ اس سے موسموں میں زبردست تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ سردی اور گرمی کا انحصار زیادہ تر سورج پر ہے۔ گرمی اس جگہ پر زیادہ ہوتی ہے، جہاں سورج کی کرنیں بالکل سیدھی پڑتی ہیں اور جہاں کرنیں ترچھی پڑتی ہیں وہاں سردی ہوتی ہے۔ اگر محور زمین ۶۶½ جھکا ہوا نہ ہوتا، بلکہ سیدھا ہوتا تو موسم بالکل تبدیل نہ ہوتے۔ بلکہ ہمیشہ ایک جگہ ایک ہی موسم رہتا۔ یعنی کسی جگہ پر موسم گرما ہوتا تو وہاں ہمیشہ یہی موسم رہتا۔ کیونکہ وہاں سال بھر برابر ایک ہی سی سورج کی ہائٹ (height) رہتی۔

یہ نقشہ شمالی کرہ ارض میں موسموں کی تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے۔ جنوبی کرہ ارض میں موسم اس کی بہ نسبت بالکل متضاد ہوتا ہے۔ یہ نقشہ بھی بہت آسانی سے بنایا جاسکتا ہے۔ ذیل کے موسم صرف شمالی کرہ ارض کے سمجھے جائیں۔

ماہ مارچ میں سورج کی کرنیں خط استوا پر سیدھی پڑتی ہیں۔ اور موسم بہار رہتا ہے۔ ۲۱ر مارچ کو دن و رات برابر ہوتے ہیں۔

ماہ جون میں کرنیں خط سرطان پر سیدھی پڑتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں ازحد گرمی رہتی ہے۔ ۲۱ر جون موسم گرما کا سب سے بڑا دن ہے۔

ماہ ستمبر میں پھر خط استوا پر سیدھی کرنیں پڑتی ہیں اور موسم خزاں رہتا ہے۔ ۲۳ر ستمبر کو بھی دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔

ماہ دسمبر میں سورج کی کرنیں خط جدی پر بالکل سیدھی پڑتی ہیں اور خط سرطان پر ترچھی پڑتی ہیں۔ اس لئے شمالی کرہ ارض میں بہت زیادہ سردی رہتی ہے۔ شمالی قطب کی جانب تو برفباری بھی ہوجاتی ہے موسم سرما کا سب سے چھوٹا دن ۲۲ر دسمبر ہے۔

اسی طرح سے زمین ہمیشہ چکر لگاتی رہتی ہے اور موسموں میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ قدرت کے اس تعجب خیز نظام پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ صرف دو حرکات سے کتنی زبردست تبدیلیاں ہوجاتی ہیں۔

باسط صدیقی فرخ آبادی

سائنس

کیوں اور کیسے؟

دن کے وقت ستارے کہاں چلے جاتے ہیں؟

ستارے دن کو بھی وہیں رہتے ہیں جہاں رات کے وقت رہتے ہیں۔ اور اگر آفتاب کو کسی طرح ڈھانپ دیا جائے جس سے اس کی روشنی چھپ جائے تو ہم دن کو بھی ستارے دیکھ سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان چاند آجاتا ہے اس وقت تھوڑی دیر کے لئے سورج ہم سے چھپ جاتا ہے۔ جب ایسا ہو، اور اس حالت میں دن کا وقت ہو اور آسمان پر ابر بھی نہ ہو تو اس وقت دنیا میں ایک عجیب بات ہوتی ہے یعنی دن میں ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ستارے دن میں بھی ہر وقت اسی طرح چمکتے ہیں جس طرح رات کو۔ لیکن سورج چونکہ ہم سے نزدیک ہے اور ستارے ہم سے بہت دور ہیں اس لئے سورج کی روشنی ہمیں زیادہ تیز معلوم ہوتی ہے۔ اور ستاروں کی کم، اور اس وجہ سے ہم لوگ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے۔

اچھا دیکھو! جب شور نہ ہوتا ہو تو تم نے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز سنی ہوگی۔ لیکن جب بادل گرجتا ہے تو دل کے دھڑکنے کی آواز نہیں سنائی دیتی حالانکہ بادل دور ہے اور دل نزدیک۔ یعنی بادل کی زور کی آواز دل کی کمزور آواز کو دبا لیتی ہے۔ اسی طرح سورج کی تیز روشنی ستارے کی ہلکی روشنی کو بھی دبا لیتی ہے۔ ایک اور صورت ہے جس میں سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے اور ہم کو دن میں ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ آدمی جو گہرے گہرے کنوؤں اور کانوں میں کام کرتے ہیں، جب نظر اٹھا کر زمین کی طرف دیکھتے ہیں تو انھیں ستارے صاف نظر آتے ہیں۔

مکڑا اپنا جال کیسے تیار کرتا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں مکڑے کی عقلمندی سے بڑھکر کوئی چیز تعجب انگیز نہیں۔ مکڑا جس ریشم سے جالا بنتا ہے، وہ خود اسی کے جسم سے نکلتا ہے۔ اس کے بدن میں بال ایسی پتلی پتلی نالیاں ہوتی ہیں۔ اسی سے یہ ریشم نکلتا ہے۔ بعض وقت بہت سا ریشم اس کے جسم سے ایک ہی بار نکل آتا ہے اور وہ تار سا بن جاتا ہے۔

لیکن وہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ اگر ایسے ایسے سو تار بھی ملائے جائیں تو ایک بال سے موٹے نہیں ہو سکتے۔ اس ریشم کا ایک سرا ڈالی پتے یا لکڑی سے بندھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ مکڑا خود ہی اس کے ایک سرے کو کسی چیز سے باندھ دیتا ہے۔ کبھی وہ اسی ڈورا اڑا دیتا ہے اور وہ کسی چیز سے پھنس جاتا ہے۔ غرض جب ایک سرا کسی چیز سے اٹک جاتا ہے، تو مکڑا اس پہ آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ اور پھر اسی طرح مختلف جگہوں میں کوئی تیس تار باندھ دیتا ہے، لیکن بیچ میں آ کر سب تار ایک جگہ مل جاتے ہیں یہ جال کا تانا ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کے چاروں طرف تقریباً بیس تار باندھ دیتا ہے اور یہ بانا ہوتا ہے۔ جال کے لئے سب ریشم اس کے بدن سے نکلتا ہے۔ اور اس کو تیار کرنے کے لئے مکڑا بہت پھرتی اور محنت سے کام کرتا ہے۔ اور جب یہ کام شروع ہو جاتا ہے تو نصف گھنٹہ سے کچھ کم ہی وقت میں بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ یہ جال اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ہوا اور بارش بھی اسے نہیں توڑ سکتے۔

مکڑا یہ جال کیڑے پھنسانے کے لئے بناتا ہے۔ لیکن مکڑا اپنا کام نہیں ختم کر دے تو کیڑے اس کو توڑ کر نکل جائیں۔ اس لئے مکڑا اس کی حفاظت کے لئے تمام جال پر گوند کے قسم کی ایک چیز لگا دیتا ہے جس سے کیڑے وغیرہ جال میں پھنستے ہی اس میں چپک جاتے ہیں۔ ہم اپنی آنکھ سے اس گوند کو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں چھوٹے چھوٹے قطرے اس گوند کے میل پر لگے ہوتے ہیں۔ جو صرف خوردبین سے نظر آ سکتے ہیں۔

سید محمد شمیم "فردوس"۔ پٹنہ

تاریخ

سلطان فیروز تغلق

(۲)

خوشحالی اور آبادانی کی تدبیریں

سلطان فیروز تغلق کا اصلی کارنامہ جنگی فتوحات یا نئے نئے ممالک کی تسخیر نہیں ہے۔ اس نے سب سے بڑے بڑے کام جو کئے ہیں وہ رعایا کے فائدے اور نفع کے لئے ہیں اور یہ جنگیں اور فتوحات بھی حقیقت میں ملک کے اندر امن اور انتظام قائم رکھنے کیلئے انجام دیں، تاکہ اس کی رعایا ہر طرح کے خوف و خطر سے مطمئن اور بے فکر ہو۔ اس نے زراعت کی ترقی اور مزارعین کی خوشحالی کے لئے خاص طور پر کوششیں کیں اس لئے کہ سلطنت کا دار مدار اصل میں انہی پر ہے۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رعایا کے ذمہ جتنا محصول اور زر لگان محمد تغلق کے زمانے سے باقی چلا آتا تھا، وہ سب یکلخت معاف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا میں ایک اطمینان اور خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ نہایت خوشدلی کے ساتھ زراعت و کاشتکاری کے کاموں میں لگ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کام اس قدر از سر نو زندہ ہوگیا کہ ہر دو تین میل کے فاصلہ پر خوشحال کسانوں کی جھونپڑیاں نظر آنے لگیں اور ایک دہلی کے نواح میں ۱۲۰۰ دیہات ایسے تھے جن میں کاشتکاری کے ساتھ باغات بھی لگائے گئے تھے اور جنکی سالانہ مالگذاری تقریباً دو لاکھ تنگہ[1] تھی۔ اگرچہ بعض ناجائز محصولوں اور بقایا لگان کے معاف کر دینے سے سرکاری خزانہ میں ۴۰ لاکھ تنگہ کی کمی ہوگئی، لیکن اس کا عام اثر جو کاشتکاری اور تجارت پر پڑا اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطنت کی کل آمدنی ایک سال میں کوئی ۶ کروڑ تنگہ کے ہوگئی جو اس سے پیشتر غالباً کبھی نہیں ہوئی تھی۔ غلے اور اشیا کی ارزانی کا یہ حال تھا کہ لوگ متحیر تھے۔ گیہوں ۸ جیتل[2] کا ایک من آتا تھا، اسی طرح جوار اور دال ۴ جیتل کی ایک من ملتی تھی۔

زراعت کی یہ فراوانی اور غلہ کی یہ ارزانی کیوں نہ ہوتی! ایک طرف رعایا کام کرنے کے لئے اس قدر آمادہ اور مطمئن تھی، دوسری جانب خدا کی زمین کے لئے بھی سیرابی اور آبیاری کا ہر طرف سے سامان مہیا تھا۔ اب تک مزارعین کی توقع کا مدار صرف اللہ کی دی ہوئی بارش پر تھا۔ اگر بارش ہوتی تو فصلیں بھی ہوتیں اور اگر کسی سال قدرت نے تنگدستی سے کام لیا تو پھر کاشتکاروں اور مزارعین کا بھی خدا ہی حافظ ہوتا۔ لیکن اس خدا کے بندے نے جگہ جگہ کنوئیں اور ہر طرف نہریں کھدوائیں تاکہ فصلوں کے لئے پانی کی کوئی دقت ہی نہ ہو۔ اس نے تقریباً ۱۵۰ کنویں کھدوائے اور ۵ نہریں نکالیں جن میں سب سے بڑی نہر کوئی ۱۵۰ میل لمبی دریائے جمنا سے نکلکر حصار فیروزہ ہوتی ہوئی گزرتی تھی۔ دوسری نہر دریائے ستلج سے نکالکر دیپالپور ہوتی ہوئی جاتی تھی، تیسری سرسوتی ندی سے نکالی گئی تھی جو اب خشک ہوگئی ہے اور سرہند کے قریب سے گزرتی تھی۔ اسی طرح دو نہریں اور تھیں۔ ان میں سے بعض کے نشانات اب تک ملتے ہیں اور ایک کو تو اس انگریزی عہد میں بھی تھوڑی بہت اصلاح و مرمت کے بعد کام میں لایا جا رہا ہے۔

فیروز نے یہی نہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے یہ سب تدبیریں اختیار کیں اور مزارعین کے نفع اور فائدہ کے یہ تمام کام انجام دئے بلکہ اسنے بہت سے نئے شہر آباد کئے اور اہل شہر کے آرام و آسائش کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا۔ اس نے کوئی ۲۰۰ شہر بسائے جن میں سے بیشتر قصبات تھے لیکن ان میں سے بعض بڑے بڑے شہر بھی تھے مثلاً فیروزآباد یا نئی دہلی جو اس نے اس وقت کی دہلی سے ۵ کوس کے فاصلہ پر اپنے نام پر بسایا تھا۔ اور اس زمانہ میں جس کی آبادی اور چہل پہل کا یہ حال تھا کہ پرانی دہلی سے نئی دہلی تک عمارتوں کا برابر سلسلہ چلا گیا تھا اور ان کے درمیان سواریوں اور پیدل چلنے والوں کی بڑی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ دوسرا شہر اس نے بدایوں کے قریب حصار فیروزہ کے نام سے قائم کیا۔ جونپور شہر بھی اسی کا آباد کیا ہوا

---

[1] تنگہ اس وقت کا چاندی کا سب سے بڑا سکہ ہوتا تھا جو آجکل کے ۲ پنس یا سوا روپے کی برابر ہوگا۔

[2] جیتل چاندی کا ایک چھوٹا سکہ ہوتا تھا جو ½ پنس یا تین پیسے کے قریب قریب ہوگا۔

ہے، اس کے علاوہ کئی ایک اور بھی چھوٹے چھوٹے شہر بسائے۔ یہ تمام شہر اور قصبات اپنی شہری زندگی کی تمام ضروریات سے مکمل اور بھرپور تھے، مثلاً ان میں مسجدیں، سرائیں، حمام، شفاخانے، مدرسے، پل اور تالاب سب کچھ موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ اس نے ۴ بڑی بڑی مسجدیں، ۲۰۰ سرائیں، ۵ تالاب، ۵ شفاخانے، ۱۰۰ حمام اور ایک سو پل بنوائے جن کا اس عہد کی تاریخوں میں ذکر ہے،

عمارتوں سے اُسے خاص ذوق تھا اور یہ نہ صرف محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے ایک شاہانہ شوق کو پورا کرنے کے لئے رعایا کا روپیہ ان پر صرف کرتا تھا بلکہ اس نے اکثر عمارتیں ایسی بنوائیں جنکی ضرورت تھی اور جن سے عام مخلوق کو نفع پہنچنے کا خیال تھا، گزشتہ بادشاہوں کے اکثر مزارات، محلات، اور دوسری یادگاریں نہایت خراب و خستہ حالت میں تھیں، جنہیں سے بعض فن تعمیر کے لحاظ سے بھی بہت قابل قدر تھیں، فیروز نے خاص توجہ کے ساتھ ان تمام قدیم یادگاروں کی مرمت اور درستی کرائی، مثلاً سلطان معزالدین کے مقبرے میں جو زمانہ کی دستبرد سے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، اس نے بہت سی چیزیں نئی بدلوا کر لگوائیں، اسی طرح سلطان علاءالدین کی قبر کا فرش درست کرایا۔ حوض شمسی میں پانی کے آنے جانیکا راستہ بند ہوگیا تھا، اس نے اسے کھلوایا۔ یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سی پرانی عمارتوں اور یادگاروں کو اس نے زندہ کیا

فیروز تغلق ایک بہت مذہبی شخص تھا۔ وہ اپنے مذہب کے اصول سے پورے طور پر باخبر اور واقف تھا اور اس سے سرمو تجاوز کرنا نہیں چاہتا تھا اسے کوئی ایسی بات مذہب کے خلاف ہوتی ہوئی دیکھنا گوارا نہیں تھی، جس سے عام مسلمانوں کے عقاید اور خیالات پر برا اثر پڑتا ہو اس زمانہ میں بعض ایسی جماعتیں اور اشخاص پیدا ہوگئے تھے جو سرے سے مذہب کے خلاف تھے یا اگر مذہب کو مانتے تھے تو ان میں ایسے ایسے خیالات اور عقاید پیدا کرنا چاہتے تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اور جو عام مسلمانوں کے عقاید و خیالات پر برا اثر ڈال رہے تھے، مثلاً ایک جماعت ملاحدہ کی تھی جو سرے سے خدا اور مذہب کی قائل نہ تھی اور جس سے مسلمانوں کی عام جماعت میں تفرق اور پھوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ فیروز نے اس جماعت کے لوگوں کو روکا اور انھیں سزائیں دیں پھر اسیطرح ایک جماعت اباحتین کی تھی جنکے نزدیک وہ تمام باتیں مباح اور درست تھیں جنہیں مذہب نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے مثلاً ان کے ہاں شراب پینا ہر شخص کے لئے نہ صرف جائز بلکہ اس پر فرض تھا۔ شریعت نے عورتوں میں جس جس سے پردہ کرنے اور انکے ساتھ شادی بیاہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ اسکے علانیہ خلاف کرتی تھی اور بسا اوقات ان کے ہاں عقد و مناکحت کا بھی کوئی فرق و امتیاز ملحوظ نہ ہوتا تھا، متعدد ایسے اشخاص پیدا ہوئے جو خدا یا پیغمبر ہونیکے مدعی ہوئے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑجانیکا اندیشہ تھا، بادشاہ نے ان چھوٹے نبیوں اور خدائی کے دعوی کرنیوالوں سے اپنی تمام ہمدردی اُٹھالی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے انھیں جان سے مار ڈالا۔ اسیطرح اسنے مذہبی فرقوں کی باہم کشاکش کو بھی روکا اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے بزرگوں اور پیشواؤں کو برا بھلا جو کہتا تھا، بادشاہ نے انھیں اس سے منع کیا اور اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں اتحاد و یکجہتی کو قائم رکھا۔

فیروز تغلق ایک بہت باخبر اور واقف شریعت بادشاہ تھا جہاں اس پر اپنی ہندو مسلم رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کی ذمہ داری تھی وہاں اس پر احکام شریعت کو برقرار رکھنے کا فرض بھی عاید ہوتا تھا، اس نے اپنے بعض پیشروؤں کی طرح ہندوؤں کو بیجا قتل نہیں کیا اور نہ ان کے پرانے مندر گرائے، البتہ جو مندر وہ نئے بنانا چاہتے تھے، ان کی وہ شریعت کے مطابق اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ کسی علاقہ کے ہندو جب ایکبار اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیتے تھے، تو پھر ان کے جان و مال کی حفاظت پورے طور پر وہ اپنے ذمہ لے لیتا تھا اور اسے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ہر طرح کی مذہبی عبادات و رسوم کے ادا کرنے کا انھیں حق حاصل ہوتا تھا لیکن وہ کوئی نئے مندر نہیں تعمیر کرسکتے تھے اس لئے کہ اس سے ان کی مذہبی قوت کو روز بروز ترقی پانیکا اندیشہ تھا اور اس زمانہ میں دینی طاقت میں اضافہ دنیوی قوت میں اضافہ کے ہم معنی تھا۔ اس لئے قدرتاً ایک مذہب کے بادشاہ دوسرے مذہب و ملت کو بہت زیادہ فروغ اور ترقی ہونے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اگر فیروز نے سرے سے مٹا دینے کی کوشش کی بجائے، انہیں اپنے حال ہی پر رہنے دیا تو خود یہی اس کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ اس حیثیت سے فیروز تغلق اپنے پیشروؤں بلکہ اپنے ہمعصروں میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

دہلی کے مسلمان حکمرانوں میں فیروز تغلق سب سے پہلا حکمراں ہے جو مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے بادشاہ رہنے کے ساتھ کثیر التعداد ہندو رعایا کا بھی بادشاہ تھا۔ وہ خود ماں کی طرف سے ہندی النسل تھا اسلئے اسکی طبیعت میں اہل ہند سے محبت و اُلفت قدرتی طور پر تھی اس نے پل کنویں نہر سرے، شفاخانے جتنی چیزیں بنوائیں ان سے مسلمان اور ہندو دونو کو یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔

نظم

سردی کی آمد

چار موسم خدا نے بنائے　　اپنی قدرت کے جلوے دکھائے
گرمی سردی بہار، اور برسات　　ہے ہر اک میں نئی دھج نئی بات

سردی آتے ہی گھٹنے لگا دن　　رات بڑھنے لگی جب گھٹا دن
دھوپ میں اب نہ اگلی سی تیزی　　اور نہ سورج میں پہلی سی شوخی

وہ بھی کترا کے چلنے لگا ہے　　ہم سے بچکر نکلنے لگا ہے
اب ہوا کی نمی گھٹ رہی ہے　　جسم کی کھال پھٹنے لگی ہے

اب نہ آندھی، نہ لُو کی بلا ہے　　سرد موسم ہے ٹھنڈی ہوا ہے
پانی دریا میں ہونے لگا کم　　برف کا اب پگھلنا گیا تھم

آگ تاپیں گے اب سارے انساں　　دھوپ کھائینگے چاندار ہر آں
روئی اور اون سے لَو لگیگی　　چائے قہوے کی محفل جمیگی

لوگ اوڑھینگے اونی دوشالا　　ہوگا سردی کا اب بول بالا

نیّر اُسکا کرو شکر ہر دم
جس نے موسم دیئے ایسے پیہم

قصے کہانیاں

بیگناہ مجرم

(گزشتہ سے پیوستہ)

اکسیوناف نامی ایک سوداگر سفر کرتا ہے، راستہ میں وہ ایک اور سوداگر کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرتا ہے اور صبح ہوتے ہی وہ روانہ ہوجاتا ہے۔ آگے پہنچکر پولیس کے سپاہی اُسے ملتے ہیں اور اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اس کے بستر سے ایک خون آلود چاقو نکلتا ہے اور وہ اُسے گرفتار کرلیتے ہیں۔ اکسیوناف ہرچند اپنی بیگناہی کا ثبوت دیتا ہے لیکن بالآخر وہ سزا پاکر سائبیریا جلا وطن کر دیا جاتا ہے اُسکے بیوی بچے اس سے ملنے کے لئے آتے ہیں اور تھوڑی دیر پاس بیٹھکر باحسرت و یاس واپس ہوتے ہیں اور اکسیوناف اکیلا قیدخانہ میں رہ جاتا ہے۔

اس تمام عرصہ میں اکسیوناف کو اپنے گھر کی کوئی خبر نہیں ملی اُسے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ آیا اس کے بیوی بچے زندہ ہیں یا مرگئے۔

ایک دن کچھ قیدیوں کا ایک نیا گروہ جیلخانہ میں آیا۔ شام کو تمام پُرانے قیدی ان نئے آنے والوں کے گرد بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے کہ وہ کن کن شہروں اور قصبوں سے آئے ہیں اور انھوں نے کیا کیا جرم کیا ہے؟ اکسیوناف بھی ان قیدیوں کے ساتھ سر جھکائے غمگین صورت بیٹھ گیا اور سننے لگا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

ان نئے قیدیوں میں سے ایک قیدی نے جو دراز قد اور اچھے خاصے ڈیل ڈول کا تھا اور جسکی عمر کوئی ۶۰ کے قریب تھی اُسنے اپنی سرگذشت بیان کرنی شروع کی۔ وہ کہنے لگا کہ "میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا اپنے تھان پر بندھا ہے، میں نے اُسے کھول لیا اور لیکر چلا لیکن بعد میں مجھے گرفتار کرلیا گیا اور مجھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ میں نے چوری کی ہے۔ میں نے اگرچہ ہرچند کہا کہ میں نے ایسا گھر جلد پہنچنے کی خاطر کیا تھا اور پھر بعد میں میں نے اس گھوڑے کو چھوڑ دیا تھا، نیز کوچبان میرا ملاقاتی تھا لہٰذا اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا" لیکن انھوں نے کہا کہ "نہیں تم نے چوری کی ہے" مگر میں نے کس طرح اور کہاں چوری کی ہے، وہ یہ نہیں بتاسکے۔ ایکبار میں نے حقیقت میں جرم کیا تھا اور مجھے یہاں اب سے پیشتر اسی وقت آنا چاہئے تھا لیکن اسوقت کسی کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اور اب میں یہاں محض بے قصور بھیجا گیا ہوں۔ مگر یہ میں تم سے جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ میں سائبیریا اس سے پیشتر بھی آچکا ہوں گو مجھے زیادہ عرصہ نہیں رہنا پڑا تھا۔

"اچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا

"لاڈی میر سے۔ میرے خاندان والے اس شہر کے ہیں اور میرا نام سمیونچ ہے۔"

اکسیوناف نے جو لاڈی میر کا لفظ سُنا تو اپنا سر اُٹھایا اور پوچھنے لگا "ارے بھائی سمیونچ! بھلا تم اکسیوناف سوداگر کے عزیزوں کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہو؟ وہ اب تک زندہ ہیں یا مرگئے؟"

"ان کے بارے میں جاننا کیا میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں وہ بڑے امیر ہیں اگرچہ ان کا باپ سائبیریا میں ہم ہی جیسا ایک قیدی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تم کیسے آئے؟"

اکسیوناف اپنی رام کہانی بیان کرنی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک آہ سرد بھری اور کہا "میں اپنے گناہوں کی پاداش میں چھبیس سال سے یہاں ہوں۔"

سمیونچ نے پوچھا "وہ کیسے گناہ؟"

لیکن اکسیوناف نے بات کاٹکر کہا "خیر، خیر میں اسی کا مستحق تھا" وہ اس سے زیادہ اپنی حالت نہ بیان کرتا لیکن اس کے پُرانے ساتھیوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

جب سمیونچ نے یہ دُکھ بھری کہانی سنی تو اس نے تعجب سے اپنے زانو پر ہاتھ پٹکے اور کہنے لگا "ارے یہ تو بڑا اندھیر ہے!۔

حقیقت میں بڑا اندھیر ہے!!" لیکن اس وقت تمہاری عمر کیا ہے؟"

لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اُسے یہ سن کر اس درجہ حیرت کیوں ہوئی۔ کیا وہ اسے پہلے سے جانتا ہے؟ مگر سیمویچ نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور صرف اتنا کہا کہ "یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ہم دونوں یہاں اس طرح مل گئے۔"

سیمویچ کی اس بات نے اکسیوناف کو حیرت میں ڈال دیا کہ کیا یہ شخص جانتا ہے کہ اس سوداگر کو کس نے مارا۔ چنانچہ اس نے اس سے دریافت کیا کہ غالباً تم نے اس واقعہ کے بارے میں سنا ہوگا، یا ممکن ہے کہ تم نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہوگا؟"

"میں کیوں نہ سنتا؟ دنیا میں اس واقعہ کا چرچا ہے لیکن اسے سنے ہوئے زمانہ گزر گیا اور جو کچھ میں نے سنا تھا وہ سب اس وقت تک یاد سے جاتا رہا۔"

اس کے بعد اکسیوناف نے پوچھا "غالباً تم نے سنا ہوگا کہ اس سوداگر کو کس نے قتل کیا؟"

سیموئچ ہنسنے لگا اور کہا "قاتل وہی ہوگا جس کے تھیلے سے چاقو نکلا۔ اگر چاقو کسی اور نے چھپایا تو وہ اس وقت چور نہیں جب تک پکڑا نہ جائے۔ کوئی شخص تمہارے تھیلے میں جو سر کے نیچے ہو چاقو کیونکر رکھ سکتا ہے؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تم یقیناً جاگ جاتے۔"

جب اکسیوناف نے یہ باتیں سنیں تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ اسی شخص نے اس سوداگر کو قتل کیا ہے۔ وہ اُٹھا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اسدن تمام رات اکسیوناف ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سویا وہ بہت غمگین دل ہو رہا تھا اور طرح طرح کے خیالات اور صورتیں اس کے دماغ میں چکر لگا رہی تھیں۔ کبھی تو اس کی بیوی کی صورت اسکے سامنے آتی جب وہ گھر سے آخری بار جدا ہو رہا تھا۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ہنستی اور بولتی ہوئی نظر آتی تھی۔ پھر کبھی بچوں کا دھیان آتا کہ کسطرح وہ ماں کی چھاتی پر کھیل کود رہے ہیں۔ اس کے بعد کبھی اپنا خیال آتا اور وہ نوجوانی اور بےفکری کے مزے یاد آتے۔ پھر اسے وہ سرائے کے سامنے ستار کا بجانا، سپاہیوں کا آکر اسے گرفتار کرنا، اور پھر جلادوں کا کوڑے لگانا، بیڑیوں کا پہنانا، جانا جیل کے تمام ساتھی غرض ۲۶ سال کی زندگی کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا۔ اور ان سب خیالات سے وہ ایسا تنگدل اور رنجیدہ خاطر ہوتا کہ وہ فوراً خودکشی کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

لیکن پھر یکبارگی سیمویچ کا خیال آجاتا اور وہ کہنے لگتا "یہ سب اسی کمبخت کی حرکت ہے!" اور وہ اس کی طرف سے اس درجہ غصہ میں بھرا ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح بدلہ لینے کے لئے بے چین رہتا، خواہ اس میں خود اس کی جان بھی خطرے میں کیوں نہ پڑ جائے۔ وہ رات رات بھر دعائیں مانگتا لیکن اس کے دل کی تسکین ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ہوتی۔ دن میں وہ سیمویچ کی طرف گزرنا کیا معنی اس کی صورت دیکھنا گوارا نہ کرتا۔ غرض اسی حالت میں کوئی دو ہفتے گزر گئے اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے!

ایک دن شب میں جبکہ اکسیوناف قیدیوں کے سونے کی جگہ سے گزر رہا تھا، اس نے ایک جگہ کچھ مٹی کا ڈھیر دیکھا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے رک گیا کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ اتنے میں اس نے کیا دیکھا کہ سیمویچ اس کے اندر سے نکل رہا ہے۔ اکسیوناف نے بغیر اس کی طرف دیکھے چاہا کہ گزر جائے لیکن اتنے میں سیمویچ نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میں اس دیوار کے نیچے نیچے ایک سرنگ کھود رہا ہوں اور ہر روز اپنے جوتوں میں مٹی بھر لیتا ہوں اور جب صبح کو قیدی باہر کام پر لیجائے جاتے ہیں، اس وقت اس مٹی کو کہیں باہر ڈال دیتا ہوں بس، خاموش رہنا، تمہیں بھی میں اسی راستہ سے نکال دونگا لیکن اگر تم نے ذرا بھی زبان کھولی تو وہ مارے کوڑوں کے میری کھال کھینچ کر رکھ دیں گے، مگر اس سے پہلے میں تمہارا بھی خاتمہ کر دونگا۔

اکسیوناف غصہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے کہا "مجھے بھاگ کر نکل جانیکی کوئی خواہش نہیں ہے اور تمہیں مجھے مار ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ تم مجھے بہت پہلے قتل کر چکے ہو۔ رہا اس بات کا کہدینا، وہ ممکن ہے میں کہوں یا نہ کہوں جیسی خدا ہدایت دے۔

دوسرے دن صبح کو جبکہ قیدی باہر کام پر لیجائے جا رہے تھے تو ایک سپاہی نے راستہ میں دیکھا کہ کسی قیدی نے اپنے جوتے سے کچھ مٹی گرائی ہے۔ دوسرے دن تمام جیلخانہ کی تلاشی لیگئی اور ایک جگہ دیکھا گیا کہ دیوار سے ایک سرنگ کھودا جارہا ہے۔ جیل کا سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے تمام قیدیوں سے دریافت کیا کہ کس نے یہ کام کیا ہے لیکن ہر ایک نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جو جانتے بھی تھے، انھوں نے سیموچ کو پھنسانا نہ چاہا۔ بالآخر سپرنٹنڈنٹ اکسیوناف کی طرف مخاطب ہوا اور اس سے بولا "تم ایک سچے آدمی ہو، تم خدا کو حاضر و ناظر جانکر بتاؤ کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟"

سیموچ سپرنٹنڈنٹ کی طرف اس طرح دیکھتے ہوئے اُٹھا گویا وہ اس سے بے تعلق ہے، لیکن اکسیوناف کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور وہ اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ کہے یا نہ کہے۔ کبھی تو وہ یہ سوچتا کہ "میں اس شخص پر رحم کیوں کھاؤں جس نے مجھے اس مصیبت میں ڈالا ہے" پھر وہ یہ خیال کرتا کہ آخر اس سے میرا کیا فائدہ ہوگا؟"

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ نے پھر پوچھا "کہو، بڑے میاں! سچ کہو، یہ سرنگ کون کھود رہا تھا؟"

اکسیوناف نے سیموچ کی طرف ایک نظر دیکھا اور کہا "جناب والا! میں نہیں کہہ سکتا۔ خدا کی مرضی نہیں ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ کہوں۔ آپ خواہ کچھ بھی کریں میں آپ کے ہاتھ میں ہوں"

سپرنٹنڈنٹ نے ہر چند معلوم کرنیکی کوشش کی لیکن ٹس سے مس نہ ہوا۔ بالآخر اسے وہ معاملہ وہیں پر چھوڑ دینا پڑا۔ رات کو جب اکسیوناف اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور قریب تھا کہ سو جائے، اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ سیموچ سامنے اندھیرے میں کھڑا ہے۔ اسے دریافت کیا "کہو اب کیا چاہتے ہو؟ یہاں اسوقت کیسے آئے ہو؟"

سیموچ چپکا کھڑا رہا۔ اکسیوناف یہ دیکھ کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا "بولو نا کیا چاہتے ہو؟ ابھی جاؤ ورنہ میں پہریدار کو بلاتا ہوں!"

سیموچ کچھ جھکا اور اس کے کانوں میں چپکے سے کہا "اکسیوناف! مجھے معاف کرو" اکسیوناف بولا "آخر کس لئے؟"

سیموچ نے کہا "یہ میں ہی تھا جس نے اس سوداگر کو قتل کیا تھا اور چاقو تمہارے بستر میں چھپا دیا تھا۔ میں تمہارے قتل کا بھی ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے باہر کوئی آواز سی سنائی دی، اس لئے میں چاقو جھٹ سے تمہارے بستر میں ڈال کر بھاگ نکلا"

اکسیوناف چپ چاپ بیٹھا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہے سیموچ نے بستر ہٹایا اور سجدہ میں گر کر کہنے لگا "اکسیوناف! مجھے معاف کرو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میں اب اقرار کر لوں گا کہ اس سوداگر کو میں نے قتل کیا تھا اور تم چھوٹ جاؤ گے اور اپنے گھر چلے جاؤ گے"

"تمہارے لئے یہ بات زبان سے کہدینی آسان ہے" اکسیوناف نے کہا "لیکن تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بجائے ۲۶ سال اس جیلخانہ کی مصیبتیں جھیل چکا ہوں اور اب میں جاؤں بھی تو کہاں جاؤں؟ میری بیوی مر چکی ہے اور میرے بچے مجھے بھول چکے ہیں میرے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

سیموچ کسی طرح اُٹھتا نہیں تھا اور بار بار اپنا سر زمین پر پٹکتا تھا اور چلا چلا کر کہتا تھا "اکسیوناف مجھے معاف کرو۔ جب جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے تھے اس وقت بھی مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی جتنی اسوقت تمہیں دیکھ کر ہو رہی ہے ۔۔۔۔ پھر بھی تم نے مجھ پر رحم کھایا" اور وہ سسک سسک کر رونے لگا۔ جب اکسیوناف نے اسے سسکتے سنا تو وہ بھی رونے لگا اور پھر اس کے بعد یہ کہا "خدا تمہیں معاف کرے۔ ممکن ہے میں تم سے سو گنا گنہگار ہوں" اور اس کہنے سے اس کا غم کچھ کم ہوا اور گھر کی لگن دھیمی ہوئی وہ اب جیلخانہ سے جانا بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ صرف آخری گھڑی کا منتظر تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ اکسیوناف یہ سب کچھ کہہ چکا تھا۔ سیموچ نے جا کر اپنے جرم کا صاف صاف اقرار کر لیا لیکن جب اسکی رہائی کا پروانہ آیا، تو اکسیوناف اس وقت تک مر چکا تھا۔

انعامی معما

شرائط

(۱) صحیح حل بھیجنے والے کو مبلغ ۵؎ کی کتابیں پیش کیجائینگی لیکن اگر ایک سے زیادہ اور پانچ تک صحیح حل وصول ہوئے تو انعام برابر تقسیم کر دیا جائیگا۔ پانچ سے زیادہ حل وصول ہونے پر پانچ شخصوں میں بذریعہ قرعہ اندازی انعام تقسیم ہوگا۔

(۲) خریدار "پیام تعلیم" یا وہ لوگ جو اپنے حل کے ساتھ ۳ر کا ٹکٹ بھیجیں مقابلہ میں شریک ہوسکتے ہیں۔

(۳) روز اشاعت سے تین ہفتہ کے اندر تمام حل دفتر میں پہنچ جائیں۔

اوپر سے نیچے

۲۔ سبز
۳۔ نغمہ
۴۔ غذا
۵۔ ک.ش
۸۔ ظلم
۹۔ یاد
۱۰۔ ہ۔ی

X		۳	۲	۱	X
۵	X			X	۴
					۶
X		X	X		X
۱۰		۹	۸		۷
	X			X	
X				۱۱	X

دائیں سے بائیں

۱۔ ہندوستان کا دارالخلافہ
۶۔ بلا نوش
۷۔ پھٹا پرانا
۱۱۔ ساتھی۔

معذرت

افسوس ہے کہ جناب نوری۔ د صاحب کی غیرحاضری کے باعث پچھلے چند نمبروں سے معموں کا انتظام ٹھیک نہیں رہا شاید ایک مرتبہ کے انعامات بھی ابھی دفتر پر باقی ہیں۔ انعام پانے والوں میں سے صرف ایک دو کو انعامات بھیجے گئے تھے۔ بقیہ کو نہیں جا سکے۔ وہ طلبہ جنکو اب تک انعام نہیں ملے ہیں۔ ز۔ی۔ د صاحب کو مطلع کر دیں۔ ہمکو توقع ہے کہ اب معموں کا صفحہ بھی پہلے کی طرح دلچسپ ہوا کریگا۔

(ایڈیٹر)

چند مفید کتب

روحِ تنقید دنیائے اردو ادب میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں فن تنقید کے مبادیات و متعلقات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ادب کی تقسیم۔ اصول تنقید اور تنقید نگاروں کے فرائض بیان کئے گئے ہیں اور پیش کردہ اصولوں کے تحت اردو کی مشہور مثنوی سحر البیان پر تبصرہ کرکے اصولوں کا استعمال دکھایا گیا ہے دوسرے حصہ میں۔ یونان۔ روما۔ ازمنہ متوسطہ و عصر بیداری کی ارتقائی تاریخ، فرانس، انگلستان اور یورپ میں اٹھارہویں صدی کے بعد سے اب تک جو اصول تنقید رائج ہوئے ان کا تفصیلی بیان، مروجہ تنقید اور چند تنقیدی کارنامے درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف فاضل انشا پرداز مولوی سید غلام محی الدین صاحب قادری زورؔ ایم اے (عثمانیہ) ہیں۔ حجم تقریباً (۳۰۰) صفحے لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۱۲؍

تنقیدی مقالات یہ بھی جناب زورؔ صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب روحِ تنقید کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں انگریزی فارسی اور اردو زبانوں کے مصنفین و شعرا یعنی ٹامس گرے، ہوریس اسمتھ، ابو علی علی، مصنف طبقات ناصری، میر تقی، میر حسن، غالب، حالی، میر انیس اور کیفی حیدرآبادی کے کلام و مضامین پر روحِ تنقید کے پیش کردہ اصولوں کی روشنی میں تنقید کرکے اصولوں کا استعمال دکھایا گیا ہے حجم تقریباً (۵۰۰) صفحے لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت ۲؍

اردو کے اسالیبِ بیان مصنفہ جناب زورؔ صاحب۔ یہ بھی اردو ادب میں پہلی کتاب ہے جس میں اردو نثر کے ابتدائی زمانہ سے لیکر موجودہ زمانے تک نثر نگاروں کے طرز تحریر و اسلوب بیان سے متعلق ایک جامع ادبی تاریخ و تنقید ہے مصنف نے آخر میں اردو نثر کے مستقبل کی نسبت اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے حجم (۲۰۴) صفحے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت ۱۲؍

طلسمِ تقدیر مصنفہ زورؔ صاحب۔ یہ ایک نیم تاریخی فسانہ ہے جس میں دکن کی تاریخ اور اس کے باشندوں کی تمدنی حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نیز اس میں تقدیر و تدبیر کی بحث کو بڑی خوبی سے سلجھایا گیا ہے۔ ضخامت (۶۵) صفحے لکھائی، چھپائی عمدہ۔ قیمت ۸؍

دنیائے افسانہ اردو کی ادبی دنیا میں یہ پہلا ہی کارنامہ ہے جسکو مولوی محمد عبد القادر صاحب سروری ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ) نے تصنیف کرکے اردو زبان پر احسان کیا ہے۔ اس میں ناول نگاری اور افسانہ نویسی کی تاریخ اور اس کے اصول و مبادیات کا تفصیلی بیان درج ہے ضخامت (۲۱۰) صفحہ کاغذ لکھائی، چھپائی عمدہ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۱۲؍

دکن میں اردو قدیم اردو کو چار دوروں میں تقسیم کرکے اس کے نظم و نثر کی عبوری تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ ہر دور کے شعرا کے جستہ جستہ حالات کے ساتھ ان کے کلام کا نمونہ پیش کرکے اردو زبان کا ارتقا دکھلایا گیا ہے یہ اردوئے قدیم کی تاریخ ہے جسکو مولوی محمد نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل نے تالیف کیا ہے کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ حجم (۳۷۵) صفحے۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۱؍

خیابانِ اردو ہندوستان کے چوٹی کے اردو انشا پردازوں اور نامی گرامی شعرا کی نظم و نثر کا لاجواب انتخاب ہے۔ جس کو جناب احمد عارف نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ یہ علمی گلدستہ اس قابل ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اس سے اپنے کتب خانہ کو زینت دے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ حجم (۲۱۰) صفحے۔ پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت ۱؍

اسوۂ حسنہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آن حضرت صلعم نے مسلمانوں کے سامنے کیسی زندگی پیش کی ہر مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ضخامت (۸۰) صفحے کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۸؍

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پیامِ تعلیم

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

نرخنامہ چندہ

سالانہ عٓ/
ششماہی عہ/
فی پرچہ ۱ٓ/

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ھٓے/
نصف صفحہ صہ/
چوتھائی صفحہ سے/

ایڈیٹر : سعید انصاری ۔ بی۔ اے (جامعہ)

نمبر ۷	۷ فروری ۱۹۳۰ء سنہ عیسوی	جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

مہاتما گاندھی جی نے گورنمنٹ کے سامنے دس شرطیں پیش کی ہیں جنہیں مان لینے کے بعد وہ پھر سول نافرمانی شروع کرنیکا ارادہ ترک کر دیں گے۔ ان شرطوں میں سے خاص خاص یہ ہیں:- (۱) ۵۰ فیصدی مالگذاری گھٹا دی جائے (۲) فوجی اخراجات میں ۵۰ فیصدی کی تخفیف کر دی جائے۔ (۳) تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ (۴) سی۔آئی۔ڈی کا محکمہ توڑ دیا جائے (۵) بدیشی کپڑوں پر محصول بڑھا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان شرائط کے منظور کرلینے کے بعد پھر سول نافرمانی کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جائیگی !!

۲۶ر جنوری کو "یوم آزادی" کی تقریب تمام ہندوستان میں نہایت جوش وخروش اور امن وسکون کے ساتھ منائی گئی۔ تمام مقامات میں بڑے بڑے جلوسوں نے شہر میں گشت لگائے اور ہر ہر جلسہ میں صدر کانگریس کا ریزولیشن پڑھ کر سنایا گیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس مظاہرے سے بہ حیثیت مجموعی الگ رہے

سوباش چندر بوس اور ان کے ساتھ گیارہ آدمیوں کو اور جو سب کے سب بنگال کانگریس کمیٹی کے عہدہ دار اور ارکان تھے، بغاوت اور سازش کے جرم میں ایک ایک سال کی سزا ہوگئی ہے۔ بنگال کی اس پیشقدمی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ہندوستان میں تشدد کرنیکا فیصلہ کرلیا ہے۔ اِدھر وایسرائے نے اپنی تازہ تقریر میں بھی یہ کہہ دیا ہے کہ سول نافرمانی کی تحریک خلافِ قانون تحریک ہے۔ دیکھئے آئندہ سال کہیں ۲۲-۱۹۲۱ء کے سال نہ ہوں۔

ریاست پٹیالہ میں چار نوجوان سکھوں کو ساڑھے چھ چھ سال کی سزا بامشقت اس جرم میں دی گئی ہے کہ انھوں نے یوم آزادی منانے میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

ہندوستان کے باہر

اسپین کے وزیر اعظم جنرل پرایمو ڈی ریورا نے جو اصل میں گزشتہ چند سال سے اسپین کے مطلق العنان حاکم رہے ہیں، اپنے عہدہ وزارت سے استعفیٰ دیدیا ہے اور آپ کی جگہ پر جنرل برنگوسے منتخب ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہِ اسپین الفانسو خود جنرل ریویرا کے ایک عرصہ سے مخالف رہے ہیں اور اس استعفے میں انکی خواہش کو بہت دخل ہے لیکن استعفے کا فوری سبب یہ ہے کہ کسی مقام پر فوج میں کچھ بغاوت کا اندیشہ تھا جسپر وزیر اعظم نے ۴ افسروں کو فوراً معزول کر دیا تھا

ابن سعود بادشاہِ نجد اور امیر فیصل بادشاہِ عراق کے درمیان ایک کانفرنس ہونیوالی ہے جس میں وہ تمام مسائل طے ہونگے جو اب تک دونوں سلطنتوں کے درمیان جھگڑے کا باعث تھے۔ یہ کانفرنس صحرائے نجد میں ایک مقام کویت پر ہوگی خیال ہے کہ زیر بحث مسائل میں سب سے اہم بات سعودی حکومت کی طرف سے یہ پیش کیجائیگی کہ عراق میں اُسے کچھ پولیس چوکیاں رکھنے کی اجازت دیجائے تاکہ اس سے وہ اپنے سرحدی قبایل کو قابو میں رکھ سکے۔

تخفیف اسلحہ کی کانفرنس کا شور جو اتنے عرصہ سے سننے میں آتا تھا، اس کا افتتاح بالآخر ملک معظم انگلستان کے ہاتھ سے ہوگیا اس کانفرنس میں دنیا کی ۵ سب سے بڑی سلطنتوں کے نمایندے شامل تھے ان میں سے انگلستان کے متعلق سب کو عام طور پر یہ شبہ تھا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کسی طرح کم نہ کریگا۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ نے متعدد طریقوں سے اس کا اطمینان دلایا اور اعداد وشمار سے دکھایا کہ انگلستان نے اپنی بری، بحری اور ہوائی طاقت میں ہر طرح سے ممکن کمی کر دی ہے۔

برٹش میوزیم کے ہندوستانی شعبوں میں ایک بم کا گولہ پایا گیا ہے جس سے تمام حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی ہے۔ بم کا گولہ اخبار میں لپٹا ہوا ہال کے اس حصہ میں ملا ہے جہاں ہندوستان سے متعلق چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ پولیس نہایت سرگرمی

والدین اور استادوں کا صفحہ

بچوں کی سیرت

دنیا میں ترقی کرنے والی جماعتوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے، ادنٰے اعلیٰ کی قید نہیں ہوتی۔ ہر کام کرنے والا چاہے اسکا کام حقیر ہی کیوں نہ ہو اپنے کو اس کی بجا آوری میں اتنا ہی ذمہ دار پاتا ہے جتنا بڑے سے بڑا کام کرنے والا۔ اس کے برعکس جو جماعتیں تنزل کرتی ہیں ان کے اہم سے اہم کام کرنے والے اپنے کام پر اتنا دھیان بھی نہیں دیتے جتنا اپنی چھوٹی سی چھوٹی تفریح اور دل لگی کی باتوں پر۔ ان کے دل میں ایسی باتوں تک کی وقعت کھیل کود سے زیادہ نہیں ہوتی جن پر ان کی ساری قوم کی بھلائی برائی کا دار و مدار ہے۔

بچوں کی تعلیم اور تربیت کا کام بھی ان اہم کاموں میں سے ہے جن پر کسی جماعت کی آنے والی عزت یا ذلت، ترقی یا تنزل منحصر ہے۔ ذرا سوچئے کہ ہماری قوم کے والدین اور استاد اس کام کی ذمہ داری کو کتنا سمجھتے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے اپنے کو کس طرح تیار کرتے ہیں؟ آپ کو شاید اپنی بے توجہی کا اندازہ ہو سکے گا اگر کوئی آپ کو بتلائے کہ دوسری قوموں کے استاد اور ماں باپ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کیا کیا کرتے ہیں۔ اس بات کو بھی آپ مان لیں گے کہ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کام کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ ہم اس مضمون میں تعلیم کا ذکر نہیں کرتے صرف بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترقی کرنے والی جماعتوں کے لوگ اپنے اس فرض کو انجام دینے کے لئے کس کس طریقہ سے بچوں کو سمجھنے، ان کی سیرت کی گہرائیوں اور پیچوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ ضرور جانتے ہوں گے کہ آدمی کے بدن میں جو حصے ہیں ان کے کام کرنے کے طریقوں کی بابت بھی ایک علم ہے جسے عموماً علم الاعضا کہتے ہیں۔ اس علم کی مدد سے بعض دانا قوموں کے استادوں اور والدین نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے بچوں کی سیرت کے بعض حصوں کی جانچ ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے جذبات اور محرکات کی قوت یا ضعف اور جبلتوں کی پختگی یا خامی۔ مثلاً یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ مختلف حالتوں میں، غصہ میں اور رنج میں، خوشی میں یا خوف کی حالت میں، یا اسی طرح کی اور صورتوں میں بچے کے خون کے دباؤ کی کیا حالت ہوتی ہے تنفس کی کیا کیفیت رہتی ہے، غدود کا فعل کیسا ہے، پسینہ کے غدود میں کیا کیا برقی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ہاں ان طریقوں میں ذرا طبی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے انکے ذریعے بچہ کی سیرت سے واقفیت عموماً کسی اچھے طبیب کی مدد سے ہی حاصل کرنی چاہئے۔

بچہ کی سیرت سے واقفیت کی بڑی اچھی ترکیب تو یہ ہو کہ کسی طرح اس کے دل اور دماغ کا پورا حال کھل جائے اور ایسی تصویر سامنے آجائے جو اس کی شخصی تاریخ کا مرقع ہو۔ یہاں ان لوگوں نے علم اجتماعیات سے مدد لی ہے اور اسکا عام طریقہ بات چیت اور گفتگو کو رکھا ہے۔ ہر انسان کے اندر اس کی سیرت کی پوری تاریخ کہیں نہ کہیں ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اصل ہنر اس کا پتہ چلانا ہے۔ اور اسکا سارا گر یہ ہے کہ بچے کی جھجک، رکاوٹ، تکلف کو کسی طرح دور کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی روح کے پوشیدہ باب ہمارے لئے کھول دے اس کے لئے بچہ کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی ہے کہ کسی بات کو اس سے ایک دم نہ پوچھا جائے۔ بلکہ رفتہ رفتہ۔ دلیل نہ دی جائے اور بحث نہ کی جائے کہ اس کی روح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

ایک اور طریقہ نفسیات سے لیا گیا ہے۔ یہ آزمائش اور امتحان کا طریقہ ہے اور انکے ذریعے اعداد جمع کرکے نتائج نکالنے کا۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص وقت بچہ کی سیرت سے بعض عناصر کا اندازہ لگایا جائے ان کی تین بڑی بڑی قسمیں ہیں۔

(۱) اول وہ جن میں سیرت کے ذہنی پہلو کی آزمائش اور پیمائش ہوتی ہے۔ ان کو عام طور پر تمیز اخلاقی یا اخلاقی علم کی آزمائش کہتے ہیں۔ مثلاً یہ پتہ چلانا کہ بچہ کے پاس اخلاقی مطالب فہم یا اظہار کے لئے الفاظ کا کتنا ذخیرہ ہے؟ بچہ

شجاعت، ایذارسانی، کینہ، بغض، وفاشعاری، دروغ حلفی وغیرہ کے معنی سمجھتا ہے یا نہیں؟ اسی قسم کے بہت سے لفظ لے لئے جاتے ہیں پہلے سہل پھر مشکل اور اسی سے بچے کے اخلاقی علم کا ایک پہلو معلوم ہو جاتا ہے۔ بچہ کی اخلاقی تمیز کے لئے بھی ایسی ہی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ مثلاً بچہ کسی بات کو جھوٹ سمجھتا ہے یا نہیں، کسی فعل کو چوری جانتا ہے یا نہیں؟

ایک صورت یہ بھی ہے کہ بچہ کے سامنے ایک صورت حال بیان کر دیں، اس میں جس جس طرح پر آدمی عمل کر سکتا ہے وہ بھی پیش کر دیں اور اس سے پوچھیں کہ ان میں سب سے اچھی صورت کونسی ہے۔ مثلاً بچہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی نے تمہیں رستے کی کھوٹی اٹھنی دیدی۔ اچھا تم کیا کرو گے؟ کیا اسے رات میں کسی دوکاندار کے ہاتھ چلاؤ گے، یا اسے پھینک دو گے، یا گلا دو گے، یا جس نے تمہیں یہ اٹھنی دی تھی اسے ڈھونڈ کر پھر اسی کو دو گے یا اسے یوں ہی بطور نادر چیز کے اپنے پاس رہنے دو گے، یا اپنے کسی بڑے سے جا کر پوچھو گے کہ میں اس کو کیا کروں؟

یہ بھی کر سکتے ہیں کہ بچہ کو ایسے قصے سنائے جائیں جن میں کوئی اخلاقی سوال پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً ایک لڑکا رضوان اپنے بیمار دوست صالح کو دیکھنے گیا۔ صالح بہت کمزور اور بے حال تھا۔ مگر رضوان نے اسکا دل رکھنے کے لئے صالح سے کہا "بھائی آج تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے، چہرہ خوب بشاش ہے" اب پوچھئے کہ رضوان نے ٹھیک کیا یا نہیں؟ اسکا یہ فعل درگذر کے قابل ہے یا نہیں۔

(۲) کچھ اور آزمائشیں ایسی نکالی گئی ہیں جن سے بچہ کی سیرت کے عناصر معرکہ کی قوت اور کمزوری کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ابھی پچھلے ۸۔۱۰ سال ہی میں زیادہ کام ہوا ہے۔ عام گفتگو اور دریافت حال سے تو یہ چیز معلوم کی ہی جاتی ہے لیکن بچوں کی تحریر کے انداز سے بھی انکے استقلال یا تلون اور طبیعت کے ہلکے یا بھاری ہونے کے متعلق نتیجے نکالے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے آزمائشی سوالات مرتب کئے گئے ہیں جن کے جوابوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ کی طبیعت کا رجحان کدھر ہے، معاشرتی اور اخلاقی امور کے متعلق اس کے عقائد کیا ہیں۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ دوسرے بچوں کے ساتھ، استاد کے ساتھ، عام طور پر اپنے مدرسہ کیساتھ بچہ کو کیا تعلق ہے۔

(۳) سیرت کی نفسیاتی آزمائش کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ خاص خاص حالات میں بچہ کو دیکھا جائے کہ وہ کیا کرتا ہے اور اس سے اندازہ لگایا جائے کہ پھر اگر ایسی ہی صورتیں پیدا ہوں تو وہ کیا کریگا۔ اس سلسلہ میں عموماً چار قسم کی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ ایک تو دھوکہ یا بد دیانتی کی، دوسرے باہمی امداد و تعاون کے جذبہ کی، تیسرے مستقل مزاجی کی، چوتھے اپنے نفس پر قابو کی۔ مثلاً بچہ کی دیانتداری کی آزمائش، اس کے درجہ کے کام، گھر کے کام میں، کھیلوں میں، اچھی طرح جانچی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، بچہ کو ایک دن کچھ سوال لگانے کو دیجئے اور ہر سوال کے کچھ نمبر مقرر کر دیجئے۔ بچہ سے کہئے کہ جب سوال لگا لو تو کتاب سے جوابوں کا مقابلہ کر لینا اور صحیح غلط دیکھکر خود اپنے کو نمبر دینا۔ اور دوسرے دن درجہ میں استاد کو اپنے نمبر بتا دینا تاکہ وہ نتیجہ نوٹ کر لے۔ دو تین دن کا وقفہ دیکر پھر وہی یا اسی قسم کے سوال درجہ میں بولئے اور دیکھئے کہ بچہ کتنے سوال صحیح لگاتا ہے اور اس نے خود اپنے کو جو نمبر دئے تھے وہ ٹھیک تھے یا نہ تھے۔ اسی طرح اگر بہت سی آزمائشیں مختلف موقعوں پر کیجائیں تو معلوم ہو جائے کہ کن حالتوں میں بچے دھوکہ دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں، کب ایک دوسرے کی مدد کو تیار ہوتے ہیں اور مشکل کاموں کو استقلال سے کب انجام دیتے ہیں۔

ہم نے اوپر چند طریقے بتلائے ہیں جن سے ذمہ دار ماں باپ اور استاد اپنے بچوں کی تربیت کی خاطر ان کی سیرت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب سوچئے کہ انکے بچوں کی سیرت کے بہتر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یا اُن کے جہاں عموماً باپ کے پاس ڈانٹ ڈپٹ گالی گلوچ اور تھپڑ، ماں اور نانی کے پاس لاڈ پیار اور ظالم باپ کی مذمت، استادوں کے پاس بید یا بے توجہی کے علاوہ بچوں کو تربیت دینے کے بہت کم وسائل ہوں اور جو اس ساز و سامان کے ساتھ سمجھتے ہوں کہ وہ بچوں کی تربیت کی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کر رہے ہیں۔

سلہ آئندہ سے صفحہ ۳، ۴ پر عموماً اسی قسم کے دوسرے مضامین آتے رہیں گے جو لڑکوں کے والدین اور استادوں کی دلچسپی کے لئے مخصوص ہونگے۔ ہم اپنے "گمنام" صاحب کے بہت شکر گذار ہیں کہ انھوں نے آئندہ بھی اپنی دلچسپی کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ دوسرے اہل فکر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ بھی ان مسائل پر اپنے افکار و خیالات سے مستفید ہونیکا موقع دیں۔

(اڈیٹر)

کوائف جامعہ

"انجمن تعلیم ملی" کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب کے دولتکدہ پر تاریخ ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء منعقد ہوا جس میں انجمن کا میزانیہ (بجٹ) بابت ۱۹۳۲-۱۹۳۳ء نیز جامعہ کے نظم و اصلاح کی دوسری تجویزیں پیش ہوئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ "انجمن تعلیم ملی" کے ان بیرونی ارکان سے خط و کتابت کی جائے جنہوں نے تعزیرا انجمن جامعہ کو ۵۰ روپے سالانہ دینے یا دلانے کا وعدہ کیا تھا اور اب تک اپنی موعودہ رقم ادا نہیں کر سکے ہیں۔

اس کے علاوہ چار اشخاص کی ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جو جامعہ کے لئے دہلی کے قرب و جوار میں مناسب زمین کی تلاش کرے اور اس کے حصول و خرید کے متعلق جملہ معاملات طے کرائے۔

نیز ایک کمیٹی جامعہ کے دستور اساسی پر نظر ثانی کرنے اور اسے از سر نو مرتب کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

دوسرے دن یعنی ۳۰ جنوری ۳۲ء کو "انجمن تعلیم ملی" کا عام جلسہ دفتر جامعہ میں منعقد ہوا جس میں باہر کے نو حضرات میں سے صرف مولوی شفیع داؤدی صاحب شریک تھے۔ اس جلسہ میں مجلس منتظمہ کا پاس کردہ میزانیہ منظوری کے لئے سب سے پہلی بار پیش ہوا جس کی بعض مدات پر نہایت سرگرم مباحثہ رہا اور آئندہ کے لئے ناظم انجمن کے اطمینان دلانے پر ان مدات کی تخفیف کی تجویز واپس لے لی گئی۔

انجمن نے اپنے اس جلسہ میں سب سے اہم تجویز جو منظور کی وہ یہ تھی کہ "اجمل جامعہ فنڈ" کے ٹرسٹیوں کی تحریک پر اس فنڈ کا تمام روپیہ "انجمن تعلیم ملی" کے فنڈ میں منتقل کر دیا گیا اور ناظم انجمن کو اختیار دیا گیا کہ وہ جامعہ کے ماہانہ مصارف ادا کرنے کیلئے صدر کی تصدیق سے ۲۷۰۰ روپے ماہوار خازن انجمن کے پاس سے منگوا لیا کرے۔

جامعہ کے دیگر شعبوں کے ساتھ بحمد اللہ اس کے طلبائے قدیم کی انجمن میں از سر نو زندگی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس کا جدید انتخاب بعض سرگرم کارکنوں کی تجویز سے ۴ فروری ۳۲ء کو عمل میں آیا۔ سابق معتمد جناب برکت علی صاحب کی تقریر کے بعد جو انجمن مذکور کے ماضی و حال پر مشتمل تھی جناب سعید انصاری صاحب کی تجویز سے حسب ذیل انتخابات عمل میں آئے:-

عہدیداران

۱۔ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب — معتمد

۲۔ جناب حامد علی خانصاحب — نائب معتمد

۳۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ — خازن

دہلی میں رہنے والے ارکان

۱۔ شفیق الرحمن صاحب قدوائی

۲۔ سعید انصاری صاحب

۳۔ سعد انصاری صاحب

۴۔ ارشاد الحق صاحب

۵۔ سید محمد جعفری صاحب، اڈیٹر "ملت"

دہلی سے باہر رہنے والے ارکان

۱۔ چودھری اکبر علی صاحب مقیم نیو یارک (امریکہ)

۲۔ عبدالقادر صاحب سیالکوٹی

۳۔ [illegible]

۴۔ جنگ بہادر سنگھ صاحب اڈیٹر ٹریبون (لاہور)

یہ بھی طے پایا کہ ان حضرات میں سے جنہوں نے اپنا چندہ رکنیت ادا نہیں کیا ہے، وہ اپنا عہدہ یا رکنیت باقی رکھنے کے لئے زر چندہ جلد سے جلد ادا کر دیں۔

---

۵ جنوری کو جامعہ کے ایک بڑے محسن جناب سیٹھ محمد صاحب دہلی تشریف لائے آپ کو لینے کیلئے اسٹیشن پر جناب ڈاکٹر انصاری صاحب، جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور کچھ اساتذہ

مذہب

رمضان اور اسکے روزے

شریعت اسلامی نے اسلام کے پانچ اصول تبلائے ہیں ان میں چوتھا نمبر روزہ کا ہے۔ رمضان ہر سال آتا ہے، بچے، بوڑھے اور جوان سب ہی لوگ اسکو مذہب کا ایک ضروری فرض سمجھکر ادا کرتے ہیں لیکن روزے میں کونسی خوبیاں اور کیا کیا فائدے ہیں، اس سے عام طور سے لوگ ناواقف ہیں اور وہ بچے بھی جنہوں نے اپنے دینیات کے سبق میں یہ تو پڑھ لیا ہے کہ اسلام کا چوتھا رکن رمضان کے روزے ہیں۔

روزے کے لئے عربی زبان میں صوم کا لفظ آتا ہے جس کے معنی ہیں کسی کام سے رک جانا خواہ وہ کام کھانا ہو یا پینا، لکھنا ہو یا پڑھنا۔ قرآن شریف میں بھی اسی معنی میں یہ لفظ بعض جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ آیت "انی نذرت للرحمٰن صوما" ترجمہ۔ میں نے خدا کے لئے گفتگو سے رکجانے کی نذر مانی ہے۔

شریعت میں صوم (روزہ) ایک خاص معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی صبح صادق (طلوع فجر) سے لیکر مغرب تک ارادہ اور نیت کے ساتھ کھانے پینے اور ان چیزوں سے جن سے روزہ باقی نہ رہتا ہو، باز رہنا۔

روزہ کے بہت سے فائدے ہیں ان میں دو فائدے بہت ہی اہم اور بڑے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملجاتے ہیں جس طرح سورج کے ساتھ روشنی۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا وہ نفس جو اسے برائیوں پر آمادہ کرتا ہے اس میں سکون و اطمینان پیدا ہوجاتا ہے اور بری باتوں کی طرف آدمی متوجہ ہی نہیں ہونے پاتا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آنکھ، کان اور دوسرے اعضا جو نفس کے اشارے سے خواہشات نفسانی کی طرف بڑھتے ہیں، اب ان غلطیوں سے بچتے ہیں۔

یہاں یہ بھی معلوم کرلینا چاہئے کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ وسب سے پہلے ایک گرکی بات سمجھ لی جائے تو آسانی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ ہر روحانی رہبر نے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہوا اپنے مریدوں اور معتقدوں کو روزہ رکھنے کی ہدایت کی ہے، گو روزہ کی شکلیں مختلف ہوں، وجہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے ضعف اور سستی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بے طاقتی کے عالم میں آدمی کو خود اپنی خبر نہیں رہتی بھلا وہ دوسروں کی کیا خبر لے سکیگا اسلئے اب نفس ہمارے ان اعضا کو بھی بری باتوں کی طرف نہیں مائل کرسکے گا اور جب ہم بری باتوں سے بچیں گے تو ہماری روح پاکیزہ اور ہمارا دل صاف رہے گا اور اس وقت ہمیں خدا اور اچھی باتوں ہی کا دھیان رہے گا۔ اور انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ خدا کو یاد کرتا رہے۔

عربی کی ایک کہاوت ہے جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ کہ

"اذا جاعت النفس شبعت جمیع الاعضاء۔ واذا شبعت جاعت کلّھا۔

ترجمہ۔ جب نفس (پیٹ) بھوکا ہوتا ہے تو جسم کے تمام اعضا سیر ہوتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو یہ تمام اعضا بھوکے ہوجاتے ہیں۔

ہمارے ہاں اردو میں بھی بولتے ہیں کہ "جہاں پیٹ میں دانہ گیا تو پھر دور کی سوجھنے لگتی ہے"۔ نفس کے بھوکے ہونے کی حالت میں تمام اعضا کی سیری کا یہی مطلب ہے کہ نفس ان کو برائیوں پر آمادہ کرنے نہیں پاتا بلکہ اعضا برائیوں کی طرف سے سیر ہوجاتے ہیں۔ ان میں برائی کرنے کی رغبت باقی نہیں رہتی۔

پھر اس کے بعد آدمی کی کیا حالت ہوجاتی ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔ اعضا کی برائیوں کے جس اثر سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی جارہی تھی، وہ بات تو جاتی رہی بلکہ بجائے اس کے دل پر جلا ہوجاتی ہے اور وہ تمام برائیوں اور کدورتوں سے چھٹکارا پاجاتا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کے مذہب میں روزہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس لئے اسی حیثیت سے اس کے فوائد اور مراتب بھی بہت ہیں۔ صحیح مذہب ہمیشہ دو قسم کے فائدوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ایک دنیا کا، دوسرا آخرت کا۔

(۱) دنیا کا فائدہ تو بالکل ظاہر ہے کہ جب دل کو اطمینان حاصل ہو تو پھر دنیاوی کاروبار سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ انجام پاتا ہے!

(۲) آخرت کا یہ فائدہ ہے کہ ایسا آدمی اللہ تعالٰی کی طرف سے رحمتوں عنایتوں، نوازشوں کا مستحق ہوتا ہے، دنیا میں تو خدا کے فضل سے آرام رہتا ہی ہے۔ مرنے کے بعد بھی چین اور آرام سے رہے گا

(باقی آئندہ)

سائنس

کیوں اور کیسے؟

جاڑوں میں ہمارے منہ سے دھواں کیوں نکلتا ہے؟

تم نے جاڑے میں دیکھا ہوگا کہ صبح کے وقت ہمارے منہ سے دھواں سا نکلتا ہے۔ تم سوال کرسکتے ہو کہ گرمی میں ہم اس کو کیوں نہیں دیکھتے؟

سنو! تم جانتے ہو کہ ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتی ہے اور ہم لوگ ہر وقت سانس لیتے اور نکالتے ہیں۔ ہم جو سانس باہر نکالتے ہیں وہ گرم ہوتی ہے اور باہر جو ہوا ہوتی ہے وہ اس سے بھی زیادہ گرم ہوتی ہے۔ ہم جو سانس باہر نکالتے ہیں وہ تقریباً ہر موسم اور ہر جگہ میں برابر ہی گرم ہوتی ہے لیکن باہر کی ہوا کی گرمی بدلتی رہتی ہے۔ گرمی میں زیادہ گرم ہو جاتی ہے اور جاڑے میں سرد رہتی ہے۔

ہم لوگ جو سانس نکالتے ہیں وہ دراصل بھاپ ہوتی ہے جیسے پانی گرم کرنے سے بھاپ نکلتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جب بھاپ میں ٹھنڈک لگتی ہے تو وہ پانی کا قطرہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تم نے کیتلی کے ڈھکنے پر دیکھا ہوگا۔

اب جب ہم سانس یا بھاپ نکالتے ہیں، اور باہر کی ہوا گرم ہوتی ہے تو وہ بھاپ پانی کا قطرہ بنکر دھواں سا نہیں بنتی، اس لئے ہم لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن جاڑے میں جیسے ہی وہ سانس یا بھاپ ہمارے منہ یا ناک سے نکلتی ہے، ہوا کی ٹھنڈک سے پانی کے نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے بنجاتی ہے اور ہم کو دھواں سا نکلتا معلوم ہوتا ہے۔

دراصل یہ سانس کا پانی ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے دھواں سا بنجاتا ہے گرمی میں بھی ہماری سانس کے اندر اتنا ہی پانی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ باہر کی ہوا گرم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ دھوئیں کی شکل میں نہیں بدلتی ہے۔ اگر تم ایک آئینہ لو تو اس طرح تم سانس گرمی میں بھی دیکھ لوگے۔

پانی میں بط کیوں نہیں بھیگتی؟

اس کی چند وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ بط کے پر بہت موٹے، گھنے، اور چکنے ہوتے ہیں۔ اس کا پر اتنا گھنا ہوتا ہے کہ پانی نہ اس کے اوپر اپنا اثر کرتا ہے اور نہ گھستا ہے۔ اس لئے اس کا بدن بالکل نہیں بھیگتا۔

لیکن یہی نہیں بلکہ ایک بات اور یہ ہے کہ دم کے نزدیک اس کے ایک گلٹی ہوتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک قسم کا روغن تیار کرتی رہے۔ اور یہ گلٹی کافی مقدار میں روغن تیار کرتی ہے یہ روغن بط اپنے تمام پروں پر ملتی رہتی ہے۔ جس سے اس کے پر بہت چکنے ہو جاتے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ تیل اور پانی ملتا نہیں اس وجہ سے بط پر پانی کا اثر نہیں ہوتا

پہاڑ کی بلندی کیسے ناپی جا سکتی ہے؟

بعض بچے بہت تعجب کرتے ہیں جب وہ یہ سنتے ہیں کہ کوہِ ایورسٹ ۲۹ ہزار ۲ فیٹ بلند ہے۔ کسی پہاڑ کی بلندی ناپنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو ذرا مشکل ہے جسے ہم یہاں لکھنا نہیں چاہتے لیکن دوسرا بہت سہل ہے جو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ جب کسی پہاڑ کی بلندی ناپنی ہو تو ایک موسمی آلہ لو جسے انگریزی میں بیرومیٹر کہتے ہیں۔ اس میں پارہ ہوتا ہے جو ہوا کے اثر سے اوپر نیچے چڑھتا اُترتا رہتا ہے۔ اس آلے کو لیکر تم پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ جوں جوں تم اوپر چڑھتے جاؤگے، پارہ اسی حساب سے ایک نلکی کے ذریعہ ہٹتا جائیگا۔ نلکی پر درجہ کے نشانات بنے ہوتے ہیں۔ جب کچھ اوپر تم چڑھ چکو، اس وقت دیکھو کہ پارہ کس درجہ سے کس درجہ پر پہنچا اور پہاڑ کی بلندی کتنی ہے۔

جغرافیہ

دنیا کی مختلف نسلیں کیسے بنیں؟

اپنے کسی گذشتہ خط میں میں نے عہد حجری کے لوگوں کا ذکر کیا تھا جو خاص کر جھیل کے سے مقامات میں رہا کرتے تھے۔ میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے کس طریقہ سے ترقی کی۔ انھوں نے کاشتکاری کا طریقہ معلوم کیا اور انھوں نے یہ بھی حاصل کیا کہ کھانا کس طرح پکایا جاتا ہے، اور جانور کیونکر پالتو بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ ہزار ہا سال پہلے کا قصہ ہے اور ہمیں ان کے بارے میں کچھ بہت زیادہ علم نہیں۔ لیکن آج دنیا میں جتنی نسلیں نظر آتی ہیں، وہ غالباً سب کی سب انھی سے نکلی ہوئی ہیں۔ آج ہم کو دنیا میں گورے رنگ کے لوگ، زرد رنگ کے لوگ، گندمی اور کالے رنگ کے لوگ نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں ہم دنیا کی تمام نسلوں کو انھی چار رنگوں میں تقسیم نہیں کر سکتے ہیں۔ تمام نسلیں باہم مل جل گئی ہیں اور اب یہ پتہ لگانا ذرا دشوار ہے کہ کونسی قوم کس رنگ کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فن کے ماہرین سروں کو ناپتے ہیں اور اس طریقہ سے معلوم کرتے ہیں کہ کونسی قوم کس نسل سے تعلق رکھتی ہے، اس کے علاوہ اور طریقے بھی اسکو معلوم کرنے کے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ مختلف نسلیں کیسے پیدا ہوئیں؟ اگر یہ سب ایک ہی نسل سے نہیں ہیں تو پھر ان میں باہم اس درجہ اختلاف کیوں ہیں؟ تم جانتی ہو کہ ایک جرمن ایک حبشی سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جرمن اگر گورے رنگ کا ہوتا ہے تو حبشی کالے رنگ کا۔ جرمن کے بال ذرا ہلکے سیاہ اور بہت پتلے ہوتے ہیں، برعکس اس کے حبشیوں کے بال بہت سیاہ اور گھونگھر دار ہوتے ہیں۔ چینی ان دونوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ یہ فرق کیسے پیدا ہوا لیکن بعض اسباب معلوم بھی کئے جا سکتے ہیں۔ میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ جانور جب اپنے ماحول کا اثر قبول کرتے گئے تو کس طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے گئے۔ یہ ممکن ہے کہ اس وقت جرمن اور حبشی دو تو دو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں لیکن اب سے پہلے ان دونوں کے آباؤ اجداد ایک ہی رہے ہونگے۔ اس وقت دونوں قوموں میں جو اختلاف ہے، وہ زمانہ اور ماحول کے اثر سے ہو اور ان میں سے بعض نے دوسرے کی بنسبت کسی قدر جلد اثر قبول کیا ہو جس طرح بعض جانوروں نے کیا ہے۔

ایک شخص جو شمال کے برفستانی علاقہ میں رہتا ہے، وہ سردی کے برداشت کرنے کی زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اسکیمو لوگ آج بھی برف کے میدانوں میں رہتے ہیں اور وہ ہم سے کہیں زیادہ سخت سردی برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ اگر ہماری جیسے گرم خطے میں آئیں تو غالباً مرجائیں۔ اور وہ چونکہ دنیا کے اور حصوں سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں اور انھیں بہت سخت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے، اس لئے انھوں نے وہ سب باتیں حاصل نہیں کیں جو دوسرے ملکوں کو حاصل ہیں۔ جو لوگ خط استوا کے قریب رہتے ہیں، جہاں بہت سخت گرمی پڑتی ہے، وہ اس گرمی کے عادی ہو جاتے ہیں اور آفتاب کی سخت گرمی ان کے رنگ کو سیاہ کر دیتی ہے تمھیں معلوم ہے کہ اگر تم کچھ عرصہ تک دھوپ میں رہو سہو تو تمہارا رنگ پہلے کی بہ نسبت گندمی ہو جائیگا۔ اگر تھوڑے عرصہ دھوپ میں رہنے کا یہ اثر ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ سے ایسی حالت میں رہتے سہتے چلے آئے ہیں۔ اور اگر سینکڑوں سال سے کوئی قوم کی قوم ایسے گرم ملک میں رہتی سہتی ہے تو وہ اور بھی سیاہ فام ہو جائے گی۔ تم نے ہندوستان میں کسانوں کو عین دوپہر کے وقت کھیتوں میں کام کرتے دیکھا ہوگا، وہ بیچارے اتنے غریب ہوتے ہیں کہ جسم پر کوئی کپڑا بھی نہیں ہوتا ان کا تمام جسم دھوپ میں تپتا رہتا ہے اور اسی حالت میں ان کی زندگی گذر جاتی ہے، پھر وہ رنگ کے کالے نہ ہوں تو اور کون ہوں!

غرض تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ لوگوں کے رنگ کا سفید یا سیاہ ہونا آب و ہوا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے کسی شخص کی قابلیت، نیکی یا خوبصورتی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک سفید رنگ کا آدمی جو کسی گرم ملک میں رہتا ہو، وہ گندمی رنگ کا ہو جائیگا بشرطیکہ وہ خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں کی آڑ نہ لے۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ کشمیری ہیں اور دو سو سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ ہمارے باپ دادا کشمیر میں رہتے تھے۔ کشمیر میں تم نے ہر شخص کو خواہ وہ کسان ہو یا مزدور، صاف رنگ کا دیکھا ہوگا، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ کشمیر کی آب و ہوا سرد ہے

لیکن یہی کشمیری جب ہندوستان کے ایسے حصوں میں رہنے لگتے ہیں، جو نسبتاً گرم ہیں تو بہ چند پشتوں کے بعد ان کا رنگ گندمی ہونے لگتا ہے۔ ہمارے بعض کشمیری دوست رنگ کے صاف اور بعض بالکل کالے ہیں۔ جتنا عرصہ کوئی کشمیری خاندان ان گرم حصوں میں رہا ہے اسی قدر اس کا رنگ سیاہ ہوتا گیا ہے۔

لہٰذا آب وہوا رنگ کی تبدیلی کا سب سے بڑا سبب ہے گو یہ بھی صحیح ہے کہ بعض لوگ جو کسی گرم ملک میں رہتے ہیں لیکن وہ کھلے میدانوں میں کام نہیں کرتے اور وہ اس قدر امیر ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے مکانات میں رہتے ہیں اور اپنے رنگ و روپ کو باقی رکھنے کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ ایک دولتمند خاندان اس طرح کئی پشتوں تک رہے اور پھر بھی اس پر آب وہوا کا کچھ بہت زیادہ اثر نہ ہوگا لیکن مو محنت نہ کرنا اور دوسرے کی محنت کی کمائی کھانا یہ کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔

ہندوستان میں تم نے دیکھا ہوگا کہ شمال میں کشمیر اور پنجاب کے لوگ عموماً صاف رنگ کے ہوتے ہیں لیکن جوں جوں تم جنوب کی طرف جاؤ، لوگ کالے ہوتے جائیں گے مدراس اور سیلون میں، تم نے دیکھا ہوگا کہ لوگ بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں۔ بے شک تم کہہ سکتی ہو کہ یہ آب وہوا کا اثر ہے، اس لئے کہ جسقدر تم جنوب کی جانب جاؤ گی اُسی قدر تم خطِ استوا سے قریب ہوتی جاؤ گی اور گرمی زیادہ ہوتی جائیگی، یہ بالکل صحیح ہے اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں لوگوں کے رنگوں میں جو اس قدر اختلاف ہے، اس کا یہ بہت بڑا سبب ہے۔ آگے چلکر ہم دیکھینگے کہ اس اختلاف کا ایک سبب اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اصل میں یہاں مختلف رنگ کی نسلیں بھی آئیں۔ گزشتہ زمانوں میں ہندوستان میں بہت سی نسلوں کے لوگ آئے اور شروع شروع میں اگرچہ انھوں نے اپنے کو بالکل الگ تھلگ رکھنا چاہا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک الگ نہ رہ سکے۔ اب یہ کہنا دشوار ہے کہ ہندوستان میں فلاں شخص فلاں خاص نسل سے تعلق رکھتا ہے۔

سکندرِ اعظم

سکندرِ اعظم یونان کے مشہور شہر مقدونیہ میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ فیلقوس وہاں کا حاکم اور شاہانِ ایران کا باجگزار تھا۔ سکندر بچپن ہی سے نہایت شوخ طبع اور من چلا تھا۔ اور اسے اتالیق بھی ایسا ملا تھا جسکی شہرت کا سکہ تمام دنیا میں بیٹھا ہوا تھا۔ بھلا جس کو ابو العلم ارسطو جیسا اُستاد ملے، وہ دنیا میں کیونکر ترقی نہ کرے۔ ارسطو کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچپن ہی سے سکندر کے دل میں تمام دنیا فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اُس نے اپنی اس خواہش کو پورا کرکے چھوڑا۔

اس کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مقدونیہ میں چند سوداگر گھوڑے فروخت کرنے کے لئے لائے۔ ان میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کو اپنے اوپر سوار ہونے نہیں دیتا تھا۔ اور سوداگروں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص اس گھوڑے پر سوار ہوگا اُسکو ہم یہ گھوڑا بطورِ انعام دے دینگے۔ بہت سے چابکدست شہ سواروں نے کوشش کی لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سکندر بھی باپ سے اجازت لیکر گھوڑے پر سوار ہونیکو آنکلا۔ اُسکو معلوم ہو چکا تھا کہ گھوڑا اپنے سایہ سے بدکتا ہے۔ اُس نے گھوڑے کا منہ تو سورج کی طرف کیا اور جھٹ سے سوار ہوگیا۔

اُس کا سوار ہونا ہی تھا کہ گھوڑا سرپٹ بھاگا۔ تمام لوگ پریشان تھے اور اُس کی صحیح سلامت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سکندر واپس آرہا ہے گھوڑا سرتاپا پسینہ میں شرابور ہے۔ اور وہ نہایت آرام سے اُس پر بیٹھا ہوا ہے۔ فیلقوس نے فرطِ محبت سے بچے کو تھپکی دی اور بہت سا روپیہ اُس کے سر پر سے نچھاور کیا۔ اس واقعہ سے سکندر کی شہرت دور دور پھیل گئی۔

جب شاہ فیلقوس فوت ہوا تو اُس کی جگہ سکندر یونان کا بادشاہ ہوا۔ دارا شاہِ ایران نے حسبِ دستور سکندر سے بھی خراج مانگا۔ لیکن سکندر نے صاف جواب دیدیا اور کہا کہ وہ مرغی مرگئی ہے جو سونے کا انڈا دیا کرتی تھی، اس سے بظاہر یہ بھی مطلب تھا کہ اب شاہِ یونان اتنا کمزور نہیں کہ شاہِ ایران سے دب کر رہے اور اُسے خراج دیا کرے۔

دارا کو اس دنداں شکن جواب پر بہت غصہ آیا اور اُس نے یونان پر چڑھائی کر دی۔ لیکن سکندر اس سے کب دبنے والا تھا۔ اُس نے خوب جوانمردی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایرانی سپاہ کو شکستِ فاش دی۔ دارا لڑائی میں کام آیا اور سکندر ایران کا بادشاہ ہوگیا۔ اور اس کے بعد افغانستان و ہندوستان کو فتح کیا اور یونان کو واپس لوٹا تو راستہ میں بابل کے مقام پر چار دن بیمار رہ کر وفات پائی۔

نظم

سردی کی آمد

ٹھنڈی رت جب سے دنیا میں آئی ہے اداسی درختوں پہ چھائی
دیکھو پتوں کو لاچار سے ہیں پیلے پیلے وہ بیمار سے ہیں
چند دن میں وہ جھڑ جائینگے اب ٹھنٹ ہو جائینگی ڈالیاں سب
ننگے ہوں گے بس اب پیڑ سارے جیسے بیکس ہوں آفت کے مارے
موتیا ہوگا اب اور نہ بیلا اب بنفشہ رہے گا اکیلا
یا گلاب اور گیندا کھلے گا سنترہ اور شریفہ ملے گا
کمرکھ، امرود، انار اور بہی، سیب انکے کھانے سے بھاگے گا آسیب
گوبھی، شلغم، چقندر، ٹماٹر سیم، آلو، مٹر اور گاجر
سبزیاں یہ اور ان کے علاوہ ایک سے ایک ہوں گی زیادہ
پک گئی ایکھ، گنے کھڑے ہیں بوئے لوگوں نے جو اور چنے ہیں
ہوں گے بادام کاجو اور اخروٹ خشک میووں پہ جائیگا دل لوٹ

خوب موسم ہے سردی کا نیر
ہوتے میوے ہیں بہتر سے بہتر

قصے کہانیاں

تین سوال

ایک بادشاہ تھا، اُس کے جی میں تین باتیں ایسی کھب (۱) اگر وہ ہر کام کے لئے پہلے اس کا صحیح وقت معلوم کرسکتا (۲) وہ کون سے اچھے لوگ ہیں جو زیادہ توجہ کے مستحق ہیں اور وہ کون سے ہیں جن سے دور رہنا چاہئے (۳) وقت کا وہ کونسا کام ہے جو زیادہ اہم ہے اور جس کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہئے تو وہ کبھی دنیا کی کسی چیز میں ناکام نہوتا۔

اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے اپنی سلطنت میں یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس کے ان تینوں سوالوں کا صحیح صحیح جواب دیگا وہ زر و جواہرات سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہر کام کے لئے کون سا وقت سب سے زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو زیادہ ضروری اور اہم ہوسکتے ہیں۔ اور تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی سب سے اہم چیز ہے جس کو سب سے پہلے کرنا چاہئے۔

انعام واکرام کے لالچ میں وقت کے بڑے بڑے عالم و فاضل بادشاہ کے حضور میں آئے اور اپنے اپنے جوابات دئے لیکن وہ جوابات بہت زیادہ ایک دوسرے سے مخالف تھے، پہلے سوال کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا کہ ہر کام کو اس کے صحیح وقت پر انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے اوقات ہر کام کے لئے تقسیم ہوں اور نہایت پابندی کے ساتھ وہ کام اسی وقت کیا جائے۔ بعضوں نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کون سا وقت کس کام کے لئے زیادہ مناسب ہے ایک شخص کے بس سے باہر ہے اس کے لئے ضروری یہی ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ زمانے کے باعلم اور باخبر حضرات کی ایک مجلس ہو جس کے زیر ہدایت ہر کام انجام پائے۔ ایک تیسری جماعت بھی تھی جس کا خیال ان دونوں کے علاوہ تھا اس نے کہا کہ صحیح وقت کا علم اس دنیا میں صرف ایک ہی گروہ کو ہے اور وہ ساحروں کا ہے اس لئے اگر کسی شخص کو اپنا ہر کام اس کے ٹھیک وقت پر انجام دینا ہے تو ساحروں کو اپنا مشیر بنائے ورنہ اس قسم کا خیال کرنا ہی جنون ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں بعضوں نے کہا کہ بادشاہ کو جن لوگوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے مشیر ہیں، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مذہبی پیشواؤں کو سلطنت کے زیادہ اہم اجزا قرار دیئے اور کسی کسی نے ڈاکٹروں اور حکیموں کا نام لیا غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں کہ وہ دنیا کی کونسی سب سے زیادہ اہم چیز ہے جس کو کرنا چاہئے، کسی نے کہا کہ سائنس، کسی نے بتایا کہ فن جنگ سے واقفیت، بعضوں نے کہا کہ نہیں سب سے زیادہ بہتر اور دنیا کی اہم ترین چیز خدا کی عبادت ہے۔ تمام جوابوں میں کسی ایک جواب سے بھی بادشاہ کو تسلی نہ ہوئی اس لئے کسی کو ایک حبہ نہ ملا، اور اب دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ کاش کسی ایسے شخص کا پتہ لگتا جو اپنے جوابات سے اس کو مطمئن کرسکتا۔ بالآخر اس کو ایک ایسے فقیر کا حال معلوم ہوا جو اپنی ذہانت اور ذکاوت میں دور دور تک مشہور تھا، تمام لوگ اس کے پاس آتے اور اپنا مدعا پیش کرتے جو حصول مقصد کے بعد خوش خوش اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے،، بادشاہ اپنے جوابات کے معلوم کرنے کے لئے بےچین تو تھا ہی فوراً فقیر کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا۔

وہ فقیر ایک جنگل میں رہتا تھا، اور غریبوں ہی سے ملنا جلنا زیادہ پسند کرتا تھا، اس لئے بادشاہ معمولی کپڑے پہن گھوڑے پر سوار ہوکر جنگل کی طرف روانہ ہوا جب اس فقیر کا جھونپڑا قریب رہ گیا تو گھوڑا اپنے اردلی کو دے کر پاپیادہ چلا، جب بادشاہ جھونپڑے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ فقیر زمین کھودنے میں مشغول ہے اور وہ اپنی اس محنت کی وجہ سے بہت زیادہ تھک بھی چکا ہے فقیر کو دیکھتے ہی اس نے اپنے تینوں سوالات اس کی خدمت میں پیش کئے اور جواب کا طالب ہوا۔ فقیر نے سوالات سنے لیکن ایک کا بھی جواب نہ دیا اور برابر زمین کھودتا رہا۔ بادشاہ نے فقیر کو تھکا ہوا دیکھکر پھاوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خود کھودنا شروع کیا، فقیر نے اس کے اس نیک ارادہ پر شکریہ ادا کیا اور بیٹھکر سستانے لگا۔

بادشاہ تقریباً دو کیاریاں کھود چکا تھا کہ پھر اپنے سوالات دہرائے لیکن

اس مرتبہ بھی اسکو کوئی جواب نہ ملا، اب فقیر اٹھا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ زمین کا کافی حصہ کھود چکے ہیں تھوڑی دیر آرام کیجئے اور پھاوڑا مجھے دے دیجئے لیکن بادشاہ نے دینے سے انکار کیا اور برابر زمین کھودتا رہا۔ ایک دو گھنٹے کی لگاتار کوششوں کے بعد ایک مرتبہ پھر اس نے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی، بادشاہ نے کہا اے نیک دل اور عقلمند شخص! میں تیرے پاس صرف انہیں جوابات کی تمنا میں آیا ہوں اگر تو دے سکتا ہے تو دے ورنہ مجھے اجازت دے تاکہ شام ہو رہی ہے میں گھر واپس چلا جاؤں"

بادشاہ کے یہ جملے ابھی ختم نہ ہونے پائے تھے کہ فقیر نے گھبرا کر کہا کہ دیکھو! دیکھو! وہ کون شخص ہے جو ہماری طرف دوڑتا ہوا چلا آرہا ہے، بادشاہ نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک زخمی شخص جنگل کی طرف بھاگا ہوا چلا آرہا ہے پیٹ پر اسکا ہاتھ ہے اور خون کا فوارہ اس کے جسم سے جاری ہے اور جوں ہی کہ وہ انکے قریب پہنچا غش کھا کر زمین پر گر پڑا، بادشاہ اور فقیر دونوں اس کی یہ حالت دیکھکر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

بادشاہ نے اس کے زخم کو اچھی طرح سے دھویا اور اپنے رومال سے اس کی پٹی باندھی لیکن اس کے باوجود خون کی روانی میں کوئی کمی نہ آئی، اس لئے دوبارہ دھویا اور اب کے خوب کسکر پٹی باندھی اور اس مرتبہ خون کی روانی بند ہوگئی۔ پانی کا اشارہ پاکر بادشاہ نے اسے پانی لاکر دیا۔ اتنے میں شام ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا۔ بادشاہ اور فقیر دونوں ملکر اسے جھونپڑے میں لے گئے اور وہاں اسے لٹا دیا۔ بادشاہ جو اس قسم کی محنت کا عادی نہ تھا یکبارگی اتنی محنت کرنے کی وجہ سے تھک کر چور چور ہوگیا تھا۔ فرش پر پڑتے ہی گہری نیند میں سوگیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلی آواز جو اس کے کان میں پڑی وہ یہ تھی کہ "مجھے معاف کرو" یہ آواز اس زخمی کی تھی جس کی بادشاہ اور فقیر نے اپنی ہمدردی اور محبت سے جان بچائی تھی۔ بادشاہ کو اس آواز پر بڑا اچنبھا ہوا، وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اجنبی شخص اس سے اس قسم کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے، اس لئے بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا کہ تمہارے اس کہنے کا کیا مقصد ہے، اس اجنبی شخص نے جواب دیا کہ اے بادشاہ تو مجھے نہیں پہچانتا لیکن میں تجھے خوب جانتا ہوں۔ میں تیرا ایک قدیم دشمن ہوں میں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا تھا اس لئے کہ تو نے میرے بھائی کو پھانسی دی تھی اور اس کی جائداد ضبط کر لی تھی، کل جب تو گھر سے چلا ہے، میں اسی برے ارادہ سے تیرے پیچھے نکلا تھا، میرا خیال تھا کہ جب تو شام کو واپس ہوگا تو تاریکی میں تیرے قتل کا اچھا موقعہ ہاتھ آئے گا، چنانچہ شام کو یہ سمجھکر کہ تیری واپسی کا وقت قریب ہے، راستہ کے قریب آیا ہی تھا کہ تیرے سپاہیوں نے جو مجھ سے اچھی طرح واقف تھے، مجھے دیکھکر حملہ کیا اور مجھکو اس بری حالت میں پہنچا دیا، اب اپنے اس گناہ عظیم پر توبہ کرتا ہوں اور نادم ہوں یہ سوچکر کہ ایک میں ہوں جو تجھے کو قتل کرنے آیا تھا اور ایک تو ہے جس نے مجھ پر ایسا زبردست احسان کیا، اس لئے اب تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں گا: میں اور میری آل اولاد تیری ہمیشہ کے لئے غلام ہوگی، کاش تو اسے قبول کرے!

"اے بادشاہ میرے گناہ کو معاف کر!" اس شخص نے پھر ایک بار کہا بادشاہ اپنے ایک قدیم دشمن پر اپنے اس احسان سے اور پھر دائمی صلح پر بہت خوش ہوا، اپنا ملازم اس کی خدمت کے لئے اور اپنا خاص ڈاکٹر اس کے علاج کے لئے بھیجنے کا وعدہ کیا اور نیز یہ بھی کہا کہ اس کی وہ جائداد جس کو اس نے ضبط کرکے بہت سے دلوں کو مجروح کیا ہے، مکان پر پہنچتے ہی واپسی کا حکم نافذ کردے گا۔

ان الفاظ کے بعد بادشاہ اس سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے ایک آخری کوشش کے لئے فقیر کے پاس گیا۔ فقیر اس وقت انہیں کیاریوں میں جن کو گذشتہ دن کھود چکا تھا، بیج بو رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ "بابا! مجھ پر رحم کر اور میرے سوالوں کا جواب دے" فقیر نے کہا کہ تجھے اپنے سوالوں کا جواب تو مل گیا۔

بادشاہ فقیر کی اس گفتگو سے متحیر ہوا، پوچھا کہ بھلے آدمی تیرے اس کہنے کا کیا مقصد ہے؟ مجھے کب اور کس طرح جواب ملا؟ فقیر نے کہا کہ کیا تو نے نہیں سمجھا؟ اچھا میں تجھے سمجھائے دیتا ہوں" یہ کہکر اس نے یوں گفتگو شروع کی۔

"اگر تو نے کل مجھ پر رحم نہ کھایا ہوتا اور زمین کے کھودنے میں مشغول نہ ہوتا بلکہ گھر واپس چلا جاتا تو یقین تھا کہ وہ تجھ پر حملہ کرتا اور تجھے افسوس کرنا پڑتا کہ ہائے میں کیوں فقیر کے ہاں ٹھہر نہ گیا اس لئے وقت کا وہ حصہ جس کو تو زمین کے کھودنے میں صرف کر رہا تھا سب سے اہم تھا، اور میں تیرے لئے ضروری آدمی تھا اور مجھ پر رحم کھانا تیرا سب سے زیادہ بڑا اشغلہ تھا

دنیا کا سب سے بڑا موجد

بچو! تم نے اکثر دولتمندوں کی کہانیاں سنی ہونگی۔ لیکن آج ہم تم کو ایک ایسے مشہور ترین دولتمند اور موجد کا حال سناتے ہیں جس نے ایک ادنےٰ درجے سے ترقی کی اور آخر دنیا کے مشہور ترین آدمیوں میں شمار ہونے لگا۔

ایڈیسن امریکہ کے ایک قصبے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک نہایت مفلس آدمی تھا۔ ابھی یہ کم عمر ہی تھا کہ اس کا باپ فوت ہوگیا اور مجبوراً اُسے اپنی روزی کی فکر کرنی پڑی۔ یہ شروع شروع میں اخباروں کا ایجنٹ ہوگیا اور اس کے سپرد یہ کام تھا کہ ریل گاڑیوں پر اخبارات فروخت کیا کرے۔ جب اس کے پاس کچھ روپیہ جمع ہوگیا تو اُس نے ایک چھوٹا سا سستی پریس خرید لیا اور اپنا ذاتی اخبار نکالنے لگا جس میں زیادہ تر گاڑیوں کے آنے جانے کا وقت اور مسافروں کے حالات درج ہوتے تھے۔ لیکن یہ کام بھی زیادہ دنوں تک نہ چل سکا۔ ایک دن یہ کچھ جلا رہا تھا کہ کمرے کو آگ لگ گئی اور تمام گاڑی جل گئی۔ افسروں نے اسے وہاں سے نکال دیا اور یہ پریشان ادھر اُدھر پھرنے لگا۔

اتفاقاً انہی زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کی بعد کی کامیابیوں کا دروازہ کھول دیا۔ ایک دن یہ لائن کے پاس کھڑا تھا۔ سامنے سے گاڑی آرہی تھی۔ تھوڑی دیر میں جب گاڑی بالکل قریب آگئی تو اسے معلوم ہوا کہ لائن پر ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ اس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جھٹ سے بچہ کو اُٹھا لیا۔ اتفاق سے یہ بچہ وہاں کے اسٹیشن ماسٹر کا تھا۔ وہ اس واقعہ سے اتنا خوش ہوا کہ اُس نے ایڈیسن کو تار کا کام سکھا دیا اور پھر خود ہی اُس کی سفارش کرکے اُسے اسسٹنٹ تار بابو کی جگہ بھی دلا دی۔

اس زمانہ میں ایک مشہور کارخانے کی ایک مشین خراب ہوگئی کارخانہ کے مالک نے ایک بہت بڑے انعام کا اعلان کیا بہت سے قابل انجینیروں نے انعام حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام آئے۔ اتفاقاً ایڈیسن مشین کو درست کرنے میں کامیاب ہوگیا اور انعام حاصل کیا۔ مالکِ کارخانہ نے اب اس کو اپنا حصہ دار بنا لیا ایڈیسن کو اب اپنی قابلیت دکھانے کا موقعہ ملا اس نے پے درپے نئی نئی چیزیں نکالنی شروع کیں۔ اور آہستہ آہستہ اس کی شہرت بھی پھیلتی گئی۔ آخر متعدد سالوں کی محنت کے بعد اس نے بجلی اور گراموفون ایجاد کئے جس کی وجہ سے اس کا نام بچہ بچہ کی زبان پر مشہور ہوگیا۔ اور اسے "دنیا کا موجدِ اعظم" کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد ایڈیسن نے اور بھی چیزیں ایجاد کیں اور یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ لیکن اس کی باقی ماندہ ایجادیں متذکرہ بالا دو ایجادوں کو نہیں پہنچیں۔

بقیہ صفحہ (۱۲)

اور اسی طرح سے اس کے بعد جبکہ اجنبی شخص دوڑتا ہوا آیا، سب سے زیادہ اہم وقت وہ تھا جب کہ تو اس کی پٹی باندھنے میں مشغول تھا، کیونکہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو وہ شخص بغیر تجھسے صلح کئے ہوئے دنیا سے سدھار جاتا، اس لئے وہ اجنبی شخص تیرے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور تیرا پٹی باندھنے کا کام سب سے زیادہ اہم کام تھا۔

"اس لئے اے بادشاہ یاد رکھ کہ انسان کے لئے زمانہ "حال" وقت کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ ہے، اس لئے کہ انسان اگر وقت کے کسی حصہ پر قابو پا سکتا ہے تو وہ یہی زمانہ ہے اور وہ شخص جو سب سے زیادہ اپنے قریب ہو، وہی اس کے لئے سب سے بڑا اور اہم انسان ہے اس لئے کہ نہیں معلوم اس کے بعد بھی کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے یا نہیں جس سے کسی قسم کا معاملہ کیا جاسکے"۔

پڑھو اور ہنسو

نادان بھائی

کاشف صاحب:۔ (اپنے چھوٹے بھائی سے) میاں اچھو! ذرا یہ پیالی لینا اور اولتی سے تھوڑا بارش کا پانی اس میں لے آنا۔
اچھو:۔ نہیں بھیّا میں باہر نہیں جا سکتا۔ بارش ہو رہی ہے۔

ننھا بچّہ

لڑکا:۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے گولیوں کا ایک بکس اور چاہیئے۔
ڈاکٹر صاحب:۔ (چونک کر) کیا ان سے فائدہ ہو رہا ہے؟
لڑکا:۔ نہیں ڈاکٹر صاحب! یہ میری ہوائی بندوق کے لئے چھرّوں کا بہت اچھا کام دیتی ہیں۔

بھولا لڑکا

شکاری:۔ (ایک لڑکے سے) میاں صاحبزادے! تم نے ادھر سے کسی خرگوش کو بھاگتے ہوا دیکھا ہے؟
لڑکا:۔ خرگوش! وہ بڑے بڑے کانوں والا!!
شکاری:۔ ہاں ہاں، وہی بتاؤ کدھر گیا؟
لڑکا:۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ خرگوش کیسا تھا۔

بیوقوف تیراک

ایک صاحب:۔ (ایک تیراک سے) کیا تم یہ دریا پار کر سکتے ہو؟
تیراک:۔ جی ہاں، میں نے ایک بار کوشش تو کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوا۔
صاحب:۔ وہ کیسے؟
تیراک:۔ میں تقریباً تین چوتھائی حصہ پار کر چکا تھا لیکن اسوقت مجھے خیال آیا کہ میں پار نہیں پہنچ سکتا اسلئے پھر واپس لوٹ آیا۔

بدحواس لڑکا

اُستاد:۔ (ایک نٹ کھٹ لڑکے سے) احمد! تم اِدھر اُدھر کیا تلاش کرتے پھر رہے ہو؟
لڑکا:۔ ہاکی کھو گئی، ڈھونڈھ رہا ہوں، نہیں ملتی ہے۔
اُستاد:۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ ہر چیز کی ایک جگہ ہوتی ہے۔
لڑکا:۔ جناب! اُسے بھی تلاش کیا تھا، نہیں ملی۔

بیوقوف لڑکا

اُستاد کسی بہادر شخص کا قصہ درجہ میں پڑھکر سنا رہا تھا کہ وہ اپنی جوانی کے زمانہ میں تین بار دریا کو پار کر سکتا تھا۔ ایک لڑکا یہ سُنکر چپکا ہنس رہا تھا کہ اُستاد نے دیکھ لیا اور ڈانٹ کر پوچھا کہ "سنتے نہیں؟ کیوں ہنس رہے ہو؟"

لڑکا آہستہ سے بولا کہ جناب مجھے اس کی بیوقوفی پر ہنسی آ رہی ہے کہ وہ تیسری بار کیوں دریا کو پار کرنیکی کوشش کرتا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے کپڑے وغیرہ سب دریا کے اِسی طرف رہ جائینگے۔

نادان طالب علم

ایک بار کسی جماعت میں مچھلیوں کے متعلق ذکر ہو رہا تھا جب پورا بیان ہو چکا تو اُستاد نے لڑکوں سے کہا کہ اچھا اب اس پر ایک مضمون لکھ کر لے آؤ۔ دوسرے دن ایک لڑکے نے اپنی کاپی پیش کی جس میں اس نے لکھا تھا کہ "بعض بڑی بڑی مچھلیاں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہیں، لیکن میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ڈبے کیونکر کھول لیتی ہونگی۔"

علمی جواہر ریزے

طابع و ناشر ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی (برلن) مطبع جید برقی پریس، دہلی

ٹیلفون نمبر ۲۲۱۹
رجسٹرڈ ایل ۱۹۶۱

نرخنامہ چندہ
سالانہ عا ر
ششماہی عہ ر
فی پرچہ ۱ر

نرخنامہ اشتہارات
فی صفحہ للعہ ر
نصف ” صہ ر
چوتھائی ” سے ر

پیام تعلیم

اڈیٹر: سعید انصاری بی۔ اے (جامعی)

نمبر ۷ ۱۲ فروری ۱۹۳۰ء جلد ۸

نظام حیدرآباد کا گرانبہا عطیہ ص۵ — سیٹھ جمال محمد کی تشریف آوری ص۵

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

مہاتما گاندھی جی نے بہت غور و فکر کے بعد بالآخر سول نافرمانی شروع کرنے کا حل پا لیا ہے۔ ان کا ارادہ اسے دو طرح سے شروع کرنے کا ہے۔ ایک تو باردولی کے طریقہ پر یعنی کسی مخصوص جگہ لوگوں کو تیار کر کے ان سے تمام سول قوانین کی نافرمانی کرانا۔ دوسرے بعض قوانین کو لے کر تمام ہندوستان سے اس کی خلاف ورزی کرانا۔ مثلاً نمک کے محصول کے خلاف مہاتما جی کا خیال ہے کہ اگر اس قانون شکنی کے سلسلہ میں کسی قسم کا بلوہ و فساد ہوا تو اس سے باردولی کی طرح اس تحریک پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

اسمبلی کے اندر مسٹر پٹیل اور ہوم ممبر کی لڑائی جو گزشتہ کئی ہفتہ سے جاری ہے اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور پنڈت مالوی جی کی صلح کرانے کی کوششیں کچھ بھی بار آور نہیں ہوئیں۔ صدر نے گیلریوں کے بند کر دئے جانے کا جو قطعی حکم دیدیا تھا، اس سے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے ہیں بلکہ الٹے وہ پولیس بلانے پر ہوم ممبر سے معافی مانگنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر صدر نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہیں کی تو انھیں اپنے عہدے سے علیحدہ ہو جانا پڑے گا۔ عنقریب وائسرائے ایک اعلان کرنے والے ہیں جس سے ممکن ہے کہ یہ صورت حال ختم ہو جائے۔

نہایت مستند ذرایع سے معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی جی ۵ مارچ سے سول نافرمانی شروع کرنے والے ہیں۔ ۲ مارچ کو آپ اپنا اعلانِ جنگ وائسرائے کے پاس بھیجنے والے ہیں اور ۵ مارچ کو رضا کاروں کی پہلی جماعت نمک بنانے کے لئے نکلے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمک بنانے کی جگہوں کا انتخاب ہو گیا ہے اور تھوڑا سا نمک بنا کر دیکھا اور چکھا بھی گیا ہے۔

افغانستان میں پھر ہنگامہ اور فساد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس بدنصیب ملک کو ایک عرصہ تک امن و امان کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی اور ترقی و عروج اسکی قسمت میں نہیں ہے۔ گزشتہ تاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شنواری قبیلہ نے شاہ نادر خاں کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا ہے اور شاہ موصوف کو اسکے فرو کرنے میں ابھی خاصی زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔

ہندوستانی ہوا باز منموہن سنگھ جو آغا خاں کا انعام حاصل کرنے کے لئے انگلستان سے اڑا تھا اسے نیپلز (اٹلی) میں آکر پھر مجبوراً اتر جانا پڑا۔ اسکے جہاز کے انجن میں اس مرتبہ بھی کوئی خرابی پیدا ہو گئی۔ جس سے اُسے یکبارگی نیچے آنا پڑا۔ اس میں اسے کچھ خفیف سی چوٹ بھی آگئی ہے۔

ایک ولایتی اخبار کا نامہ نگار جو روم (اٹلی) میں رہتا ہے، وہ اپنے اخبار کو اطلاع دیتا ہے کہ امان اللہ خاں پھر اپنے وطن افغانستان کو واپس جا رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو نہ جانے افغانستان میں آئندہ کیا صورت حال پیدا ہوگی۔

بلوہ اور فسادات کچھ ہندوستان ہی کا خاصہ نہیں۔ ریاست میکسیکو (امریکہ) کے پایہ تخت راوڈی جنیرو سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں نئے صدر کے انتخاب کے مسئلہ پر اس وقت تک ۱۱ آدمی گولی سے مارے جا چکے ہیں۔ اور ۴۳ زخمی ہوئے ہیں اور ابھی تاریخ انتخاب تک نہ جانے کتنی اور جانیں ضایع ہوں گی۔

اردو کی ابتدائی تعلیم کا نیا قاعدہ

منشی عبدالقیوم صاحب الخطاط مراد آبادی نے اردو کی ابتدائی تعلیم کا یہ نیا طریقہ خود اپنے فہم اور تجربہ سے نکالا ہے جو ابتدائی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے غور و فکر کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ دیگر حضرات بھی اپنے خیالات اور تجربہ سے ناظرین کو مستفید ہونیکا موقع دینگے۔ کسی قریبی اشاعت میں انشاء اللہ ہم ابتدائی تعلیم کے ایک اور جدید طریقہ سے ناظرین کو روشناس کرینگے۔

(اڈیٹر)

ابجد کی تعلیم کے جو طریقے اور قاعدے قرنوں سے رائج ہیں افسوس ہے کہ وہ بچوں کی عقل و فہم کے مطابق نہیں ہیں۔ اکثر بچے مشکلات کے باعث تعلیم سے متنفر اور استاد سے خائف نظر آتے ہیں۔ ضرورت تو اسکی تھی کہ انکی عقل پر تدریجی طور پر زور ڈالا جاتا اور جو کچھ بتلایا جاتا وہ اسکو سمجھ سکتے۔ اس طرح سے انکے قوائے عقل نشو و نما پاتے اور تعلیم کا ناگوار بار انکے دماغ کو مضمحل نہ کرتا حیرت ہے کہ اس جانب ارباب علم نے بہت کم توجہ فرمائی اور یہی وجہ ہے کہ اب تک اسکی ضرورت محسوس کیجا رہی ہے کہ کوئی اردو کا اچھا قاعدہ ہونا۔ ناچار مجھ جیسا کم عقل شخص آج اس باب میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اہل علم و صاحب فکر اصحاب بالخصوص اساتذہ جامعہ ملیہ اپنا کچھ قیمتی وقت صرف فرما کر غور و فکر کے بعد اس بڑی ضرورت کو پورا فرمائیں۔

میں نے نہ تو کوئی جدید طریقۂ تعلیم معلوم کیا ہے اور نہ میں کسی جدید قاعدہ کا مصنف ہوں البتہ چاہتا یہ ہوں کہ اس طریقہ اور قاعدے سے بچوں کو ابتدا ہی میں کیوں نہ خبردار کر دیا جائے کہ جس سے میں اور آپ اخبار و کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنے آپ کو جب کسی عبارت کا پڑھنا مقصود ہوتا ہے تو الفاظ کے حروف کے ناموں کا تصور کئے بغیر اور اُن پر اعراب کے عمل سے قطع نظر کرتے ہوئے اور ہجا کی الجھنوں سے دور رہ کر زبان پر الفاظ اور جملے رواں ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ متعجب ہونگے کہ یہ بات جسکو آپ نے برسوں کی محنت اور مشق کے بعد حاصل کیا ہے، بچوں کو ابتدا ہی میں کیونکر بتلائی جا سکے گی۔ اگر میں اپنے مجوزہ قاعدہ کا سہل طریق تعلیم اور آسان قاعدوں کو اپنی طرح پر بیان کر سکا تو آپ کا یہ استعجاب باقی نہ رہیگا۔

ہمارے مروجہ ابجد میں جو نقایص ہیں اُن میں اولین یہ ہے کہ حروف کی آوازیں مفرد ہونے کے بجائے دو یا تین آوازوں سے مرکب ہیں جو ہجا میں سخت مشکلات کا باعث ہوتی ہیں۔ "کاف" جیسے چھوٹے لفظ کی ہجا (کاف الف زبر کا اور جیم نون زبر جن) تو آوازیں ادا کرنے پر دو حرفی الفاظ بنتے ہیں۔ بعض لفظوں کی ہجا تو مجھ سے بھی نہ ہو سکیں۔ آپ بھی غور فرمائیے "کیوں" "کنواں" وغیرہ

وہ تمام مفرد و مرکب آوازیں جو انسان اپنے منشاء و مقصد کے اظہار کیلئے اپنے منہ سے نکالتا ہے بہت ہی تھوڑی مفرد آوازوں سے مرکب ہوئے ہیں اور زبان کا ایک بڑا ذخیرہ الفاظ انہی چند اور محدود آوازوں کی آمیزش سے تیار ہو گیا ہے۔ یہی وہ مفرد آوازیں ہیں جن کو ہم حروف کہہ سکتے ہیں۔ اور انکی ایک ایک شکل تجویز کر لی گئی ہے۔ جنکے ذریعے سے ہمارے جملے اور تقریریں کاغذ پر تحریر ہوتی ہیں جب یہ امر ظاہر ہے کہ ہمارے ہر لفظ کئی آوازوں سے مرکب ہوتا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے تجویز کئے ہوئے حروف کی آواز بھی مفرد اور ایک ہی ہونی چاہئے۔ ورنہ لفظ اور حرف کی تعریف میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اس لئے میری خواہش ہے کہ الف، بے، جیم کے قدیم نام ترک کر کے مفرد آوازیں اختیار کیجائیں یعنی اَ بَ جَ وغیرہ خود عربی میں اکثر حروف کے نام قریب قریب اسی قبیل کے ہیں۔ مثلاً با تا ثا حا خا را فا یا وغیرہ۔ الف جیم دال وغیرہ نام عربی کے ذاتی نہیں بلکہ عبرانی و سریانی سے مستعار لئے گئے ہیں۔ اسی لئے موجودہ ضرورت کی بنا پر اس میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ حروف کی ترتیب میں کسی خاص اصول اور سہولت کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ بعض دوسری زبانوں کی ابجد کی ترتیب کو قایم رکھتے ہوئے بعض حروف وقتاً فوقتاً اضافہ کئے گئے اور ضرورتاً ان میں تقدم و تاخر سے کام لیا گیا۔ مثلاً عبرانی کی ترتیب ملاحظہ فرمائیے۔ ا ب ج د۔ ہ و ز۔ ح ط ی۔ ک ل م ن۔ س ع ف ص ق ر ش ت۔ ثخذ۔ ضظغ۔ سریانی کی بھی غالباً یہی ترتیب ہوگی۔ لاطینی حروف کی ترتیب کئی جگہ عبرانی سے مطابق ہے ملاحظہ ہو۔ a. b. c. d. ابجد۔

k.l - m-n کلمن - T - S - R - Q قرشت - عربی میں بھی بعض جگہ یہی ترتیب آج تک قایم ہے۔

غالباً اس خیال سے اس امر پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ بچوں کی تعلیمی سہولت کس ترتیب کو چاہتی ہے۔ میری رائے میں حسب ذیل ترتیب مناسب ہوگی اس پر غور فرمایئے اور جو نقایص باقی ہوں انکے دور کرنے کی کوشش فرمایئے۔

(۱) ا ر ز ژ ڑ د ذ ڈ و ۔ ط ظ ۔

(۲) ب ت پ ث ٹ ف ق ن ی۔

ح ج خ چ ع غ۔

س ش ص ض ل ک گ م ہ۔

اس ترتیب کی سہولت ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی سطر کے نو حرف ایسے ہیں جو باہم مخلوط نہیں ہوتے اور دوسرے حروف سے بھی جبکہ قبل واقع ہوں نہیں ملتے اور ان سے مرکب ہو کر جو الفاظ بنیں گے ان میں انکی صورت علے حالہ قایم رہیگی۔ اور ط ظ دوسرے حرفوں سے ملکر اپنی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔ مثلاً اب۔ دب۔ ڈر۔ دس۔ راج۔ دال۔ دوات۔ دروازہ۔ وغیرہ۔ ابتدائی اسباق میں اسی قسم کے الفاظ دیے جا سکیں گے۔

ب ت وغیرہ کیساتھ ف ق و ن ی کو اس لئے لایا گیا ہے کہ جب یہ حروف دوسرے حروف سے ملتے ہیں تو انکی جو صورتیں ہیں وہ اسی ترتیب کو چاہتی ہیں ملاحظہ ہو با نا تا یا فا قا۔

(ح) چونکہ نقطے سے خالی ہے اس لئے اس کو اول دوسرے حروف کو دوم وسوم ہونا چاہیئے۔

ل ک گ کا تدریجی فرق اسی ترتیب کا مقتضی ہے اسکی دوسری شکلیں ملاحظہ فرمایئے۔ لپ۔ کپ۔ گپ۔ آخر میں م و ہ رہتے ہیں۔ "م" جب حروف کے شروع میں آتا ہے تو وہ "ما" ہوتا ہے اور "ہ" "ہا" اس لئے انکی ترتیب بھی کچھ نامناسب نہ کہی جا سکے گی۔

اردو ابجد میں ہم آواز حروف جنکا صحیح تلفظ ایک قاری ہی خوب کر سکتا ہے اور جنکو بچے ادا نہیں کر سکتے اگر ابتدائی اسباق سے زائد حروف نکال دئے جائیں تو میرے خیال میں یہ بھی سہولت و آسانی کے لئے اچھا ہوگا۔ مثلاً ث س ص ذ ز ض ظ۔ ح۔ ہ۔ ت ط۔ ل ع۔ س سے س۔ ز ہ۔ ت۔ ل کو قایم رکھا جائے اور ث۔ ص۔ ذ ض ظ۔ ح۔ ط اور ع کو خارج کر دیا جائے۔

و ی سے جو مختلف مواقع پر جدا جدا طور پر کام لیا جاتا ہے یہ بھی دقت اور الجھن پیدا کرتا ہے۔ اس طرح حروف ابجد کی تعداد تو ضرور کم ہو گئی۔ لیکن چند مشکل قاعدوں کا اضافہ ہو گیا۔ یعنی ایک واؤ دوسرا واؤ معروف تیسرا واؤ مجہول چوتھا واؤ ماقبل مفتوح۔ یہی حالت "ی" کی ہے۔ میری تجویز ہے کہ ان سب کیلئے ایک ایک حرف اور بڑھا لیا جائے۔

یعنی (واؤ ماقبل مفتوح)	"وَ"	تلفظ	"اَو"
(واؤ معروف)	"وٗ"	"	"اُو"
(واؤ مجہول)	"وُ"	"	"اُو"
(یائے ماقبل مفتوح)	"یَ"	"	"اَی"
(یائے معروف)	"ی"	"	"اِی"
(یائے مجہول)	"ے"	"	"اِے"

اور بحالت آمیزش یا (یار) پَ (یائے ماقبل مفتوح) پا (یائے معروف) پِا (یائے مجہول)

اس طریق سے بچہ کبھی (مور) میل وغیرہ الفاظ کو غلط نہیں پڑھ سکے گا۔ اور اسطرح ہجا میں جو آسانی اور سہولت پیدا ہو گئی ہے اس کا اندازہ آپ کو اسی وقت بخوبی ہو سکے گا جبکہ بچہ اس ڈھنگ سے عبارت پڑھ رہا ہوگا۔

نون کی ایک دوسری قسم نون غنہ ہے جسکو ایسی حالت میں جبکہ وہ لفظ کے آخر میں آئے "ں" بلا نقطہ کے لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ درمیان میں واقع ہو تو "ن" لکھا جاتا ہے۔ جیسے "چاند" میں۔ میری تجویز ہے کہ اسکو اس طرح لکھا جائے۔ جبکہ لفظ کے آخر میں آئے۔ ن اور درمیان میں یوں "چاند"

کوائف جامعہ

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے اپنی ریاست سے جامعہ کے لئے ۵۰ ہزار کمیشت اور ایک ہزار ماہانہ کی گرانٹ منظور فرمائی ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ گزشتہ دسمبر میں جامعہ کی طرف سے ایک درخواست ریاست حیدرآباد کی کونسل میں پیش ہوئی تھی، جو تمام ابتدائی مراحل طے کر کے حضور نظام کی خدمت میں پیش ہونے کو باقی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں ہز اکسلنسی وائسرائے کی آمد کی وجہ سے اسکی آخری منظوری اس وقت نہ ہو سکی۔ اب ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد کے ہاں سے اطلاع آئی ہے کہ حضور نظام نے بذریعہ فرمان شاہی جامعہ ملیہ کو مذکورہ بالا گرانٹ دینا منظور فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس گرانٹ کی منظوری جہاں ایک طرف حضور نظام کی فیاضی اور دریا دلی شامل ہے، وہاں دوسری جانب ریاست حیدرآباد کے بیدار مغز اور قدرشناس اراکین حکومت کی قدرشناسی و تدبر کو بھی بہت بڑا دخل ہے ہم دونوں جماعتوں کے بدل ممنون اور شکرگزار ہیں۔

جامعہ کے ایک بڑے محسن سیٹھ جمال محمد صاحب (مدراس) آج کل اپنے کسی تجارتی مقصد سے دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں، اور کوئی تین ہفتے سے زائد مقیم رہے۔ باوجود اسکے کہ سیٹھ صاحب موصوف اپنے کاروباری مصروفیتوں کی وجہ سے بیحد عدیم الفرصت رہے، پھر بھی آپ اب تک جامعہ تین بار تشریف لا چکے ہیں۔ پہلی بار آپ طلبا کی دعوت پر تشریف لائے طلبہ نے آپ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ جسکے جواب میں سیٹھ صاحب موصوف نے نہایت وضاحت کے ساتھ تعلیم کا مقصد بیان فرمایا اور اسی سلسلہ میں یہ بتایا کہ جامعہ کے طلبا کو کیا کرنا چاہئے اور کیسا ہونا چاہئے۔ مولوی شفیع صاحب داؤدی ممبر اسمبلی نے جامعہ کی طرف سے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور سیٹھ صاحب کے ان احسانات کا ذکر کیا جو آپنے جامعہ کی ایک بہت نازک وقت میں مالی امداد کر کے اہل جامعہ پر کئے ہیں۔ اسکے بعد مولانا محمد علی صاحب نے سیٹھ صاحب کی دوسری ملی خدمات کا ذکر فرماتے ہوئے جامعہ کیساتھ برابر تعلق باقی رکھنے کیطرف توجہ دلائی۔

دوسری بار آپ قریب شام کے تشریف لائے جبکہ جامعہ بند ہو چکی تھی۔ اسوقت آپ کھیل کے میدان میں تشریف لیگئے، اور وہاں آپنے جامعہ کی ہاکی ٹیم کا کھیل دیکھا جس سے آپ بہت خوش ہوئے۔ اسکے بعد آپ چھوٹے بچوں کی تربیت گاہ خاکسار منزل میں تشریف لائے جہاں آپنے بچوں کے بنے ہوئے اور انکے تعلیم و تربیت کے طریقے کو ملاحظہ فرمایا۔ یہاں بچوں نے آپ کو مختلف نظمیں نہایت خوش گلوئی کیساتھ پڑھکر سنائیں جس سے آپ بے حد محظوظ ہوئے۔

---

۲۰ فروری کی شب میں "انجمن اساتذہ" کیطرف سے ڈنر دیا گیا جسمیں آپکے علاوہ باہر کے لوگوں میں مولوی شفیع داؤدی ممبر اسمبلی، مولوی مرتضیٰ بہادر صاحب ممبر اسمبلی، مولانا عبداللطیف فاروقی صاحب ممبر اسمبلی اور مولانا محمد علی صاحب بھی مدعو تھے۔ ٹھیک سوا آٹھ بجے آپ تشریف لائے۔ طعام کے بعد آپکی خدمت میں مولانا خواجہ عبدالحی صاحب "ناظم انجمن اساتذہ" نے ایڈریس پڑھا جو ایک خوشنما کشمیری کام کی بنی ہوئی کشتی میں رکھکر پیش کیا گیا۔ سیٹھ صاحب موصوف نے ایڈریس کے جواب میں ایک مختصر فی البدیہہ تقریر کی جسمیں آپنے جنوبی ہند میں اپنے ذاتی تجربات کے بنا بتایا کہ مسلمانوں کے تعلیمی کام کیلئے چند باتوں کا ہونا بہت زیادہ ضروری ہے جنمیں سے ایک تو یہ کہ انکی دینی اور دنیوی تعلیم الگ الگ نہ ہونی چاہئے بلکہ دونوں کو ایک ساتھ ہونا چاہئے۔ دوسری یہ کہ استادوں اور تعلیمی کام کرنے والوں میں ایثار اور خدمت کا جذبہ ہونا چاہئے صرف تنخواہوں کے ذریعہ یہ کام نہیں چلسکتا۔ آپنے فرمایا کہ مجھے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں اور مجھے جس چیز نے جامعہ کا سب سے زیادہ گرویدہ بنایا وہ یہی باتیں ہیں۔ آپنے نہ جانے ازراہ انکسار یا بطور واقعہ کے یہ بھی فرمایا کہ وفد مدراس کی کامیابی کو جسقدر مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے، اسقدر صحیح نہیں ہے بلکہ اسکی اصل کامیابی کا راز ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی شخصیت ہے جس سے مدراس کے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ آپنے یہ بھی بتایا کہ مدراس نے جامعہ کیلئے جتنا کچھ کرنا چاہئے تھا اس سے بہت کم کیا اور اگر اسوقت تجارت کی حالت خراب نہ ہوتی تو مدراس کے لوگ اس سے کہیں زیادہ کرتے۔ آپنے اسوقت اپنی کاروباری حالت کی خرابی کا بھی اشارۃً ذکر کیا اور ساتھ ہی جامعہ کے ساتھ برابر تعلق باقی رکھنے اور آئندہ ہر قسم کی امداد کا

مذہب

رمضان اور اسکے روزے

روزہ کی خوبیوں میں ایک اور وجہ بھی پیش کیجا سکتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی کو سب سے بڑی اور پہلی علت قرار دیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے اسلام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو ہی نہیں بلکہ ہر انسان کو اپنے برابر سمجھیں۔ اگرچہ مسلم کے متعلق یہی حکم خاص طور پر دیا گیا ہے۔ اسیکا نام "مساوات اسلامی" ہے۔ اس مساوات اسلامی کو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے ذہن نشین کرایا ہے۔ اسی کو ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے اس طرح فرمایا ہے۔ شعر

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ؎ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کہیں حج کے ذریعہ سے۔ جہاں ہر چھوٹا اور بڑا ایک لباس اور ایک حیثیت میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح روزہ کے ذریعہ سے۔ اسلئے کہ بالارادہ کھانا پینا ترک کر دینے سے بھوک اور پیاس میں ان فقیروں اور غریبوں کے مانند ہو گئے جو آئے دن بھوک اور پیاس کی مصیبت اٹھاتے رہتے ہیں۔ اسکے نتیجہ میں ہمیں یہ بات حاصل ہوگی کہ آئندہ سے کبھی غریبوں کو بنظر حقارت نہ دیکھیں گے بلکہ انہیں بھی اپنے ہی جیسا ایک انسان سمجھنے لگیں گے یہی "مساوات" ہے۔

بشر حافی رح اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ انکے پاس ایک شخص آیا۔ دیکھا کہ آپ سردی کی وجہ سے بیٹھے ہوئے کانپ رہے ہیں۔ اور کپڑوں کو کھونٹی پر ٹانگ رکھا ہے۔ اسنے کہا کہ حضرت آدمی کہیں ایسے وقت میں کپڑے اتار ڈالتا ہے۔ آپنے جواب دیا کہ بھائی بات یہ ہے کہ فقیر بہت ہیں اور میرے پاس اتنا ہے نہیں کہ سب کے لئے کپڑے بنوا سکوں۔ ہاں ان سے ہمدردی کی ایک یہ صورت سمجھ میں آئی ہے کہ جس طرح وہ سردی کی زحمت برداشت کرتے ہیں میں بھی انہیں کیطرح ہو جاؤں۔ ان بزرگ نے اسی جذبۂ مساوات کے ماتحت اپنے آپ کو ان جیسا بنا لیا تھا

یوسف علیہ السلام (مشہور پیغمبر) کے زمانہ میں جب قحط پڑا۔ تو باوجودیکہ آپ ملک مصر میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ مگر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے تاکہ غریبوں کو بھول نہ جائیں اور انکے ساتھ مشابہت باقی رہے۔

مذکورہ بالا سطروں سے روزہ کی فضیلت اور اسکی اہمیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رمضان کے روزے کب سے فرض ہوئے ہیں اور آیا روزہ کی موجودہ شکل ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آرہی ہے۔ یا اس میں تغیر و تبدل ہوا ہے۔

رمضان کے روزوں سے پہلے روزہ رکھنا فرض تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق بعض علما کا خیال ہے کہ نہیں تھا بعض علما کہتے ہیں کہ فرض تھا تو مگر بعد کو فرضیت کا حکم نہیں رہا۔ ایسے روزے جو پہلے فرض تھے اور بعد کو نہیں رہے محرم کی دسویں کا روزہ اور ہر ماہ کی بارھویں۔ تیرھویں اور چودھویں کے روزے تھے۔

علامہ ابن حجرؒ جو علم حدیث کے زبردست عالم گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ جسوقت رمضان کے روزے فرض ہوئے تو مسلمانوں کو روزہ رکھنا گراں معلوم ہوا اسوقت ان دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا کہ یا تو روزہ رکھیں یا ہر دن ایک محتاج کو کھانا کھلائیں۔ قرآن شریف میں اس ابتدائی حکم کا ذکر ہے مگر بعد میں اس آیت سے کہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" (ترجمہ) جو شخص تم میں سے رمضان کو دیکھے (اس میں موجود ہو) اسے روزہ رکھنا چاہئے۔ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور معذوروں کے سوا ہر شخص پر روزہ رکھنا فرض ہو گیا۔

جبکہ روزے فرض ہوئے تھے تو اسوقت ایک خاص بات یہ تھی کہ مغرب سے لے کر نیند آنے کے وقت تک۔ یا عشاء کے وقت تک کھانا وغیرہ جائز تھا۔ اسکے بعد نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور طلوع فجر (صبح صادق) تک کھانے پینے کی اجازت ہو گئی۔

یہاں اب ایک بات یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ روزۂ رمضان کیوں کہتے ہیں روزۂ شعبان وغیرہ کیوں نہیں کہتے۔ اسکی کئی وجہیں ہیں جو درج کیجاتی ہیں:-

(۱) جب عربوں نے دوسری زبان کے مہینوں کے نام اپنی زبان میں منتقل کئے تو گرمی جاڑے کا لحاظ کیا جس موسم میں وہ مہینے پڑتے تھے اسی مناسبت سے انکے نام رکھ لئے۔ جس مہینہ میں روزے پڑے تھے وہ سخت گرمی کا تھا اسلئے اسکا نام رمضان رکھ لیا۔ عربی میں رَمْضَاءُ کے معنے آتے ہیں "سخت گرمی والی زمین"۔ اور رَمِضَ کے معنے "سخت گرم ہو گیا"

(۲) یا روزے کے مہینہ کو اسلئے رمضان کہتے ہیں کہ روزہ رکھنے والے کے پیٹ میں گرمی بڑھجاتی ہے عربی میں کہتے ہیں رَمِضَ الصَّائِمُ "روزے دار کی پیٹ کی گرمی بڑھ گئی"۔ (۳) یا اسلئے کہ

سائنس

بحری تار برقی

سائنس کی ایجادات میں سے بحری تار برقی کی ایجاد بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بحری تاروں کے ذریعہ سے ہم دور دراز ملکوں کو ایک دوسرے سے ملے ہوئے پاتے ہیں۔ اگر ہم یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس کو دیکھ سکتے تو گٹاپرچہ سے لپٹے ہوئے بہت سے مضبوط تار سمندر کی خاموش تہ میں پڑے ہوئے نظر آتے۔ یہ سمندر کے اندر نہایت ہی عجیب و غریب تار ہیں جنکے ذریعہ پرانی اور نئی دنیا ایک دوسرے کو بحری پیغامات بھیجتی ہے۔ یہ بحری تار دنیا کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں۔ اس کی ایجاد سے پیشتر ایک ہی ملک کے مختلف حصے ایک دوسرے سے اتنے قریب نہ تھے جتنے کہ مختلف براعظموں کے مختلف ممالک اس زمانہ میں ایک دوسرے سے قریب ہوگئے ہیں

مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو بحری تار دنیا کے اندر اتنا لمبا موجود ہے کہ اس کو کرۂ ارض کے اردگرد تیرہ مرتبہ لپیٹا جا سکتا ہے۔ خشکی کا سلسلۂ تار برقی بحری تار برقی سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس لئے کہ پانی برقی رَو کو آسانی سے اپنے اندر سے گذرنے دیتا ہے لہذا برقی رو لیجانے والا تار سمندر کے اندر بہت ہی حفاظت سے رہنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے صرف ایک ہی چیز گٹاپرچہ ہے جس کو ولیم مونٹ گمری نے یورپ میں رائج کیا۔ تار برقی کی ایجاد کے فوراً ہی بعد اس ایجاد سے بحری تار برقی ایک ممکن العمل چیز ہوگئی۔ بحری تار کو ساتھ ہی ساتھ مضبوط اور دیرپا ہونا چاہئے۔ تاکہ چٹانوں، جہازوں اور لنگروں کے صدمات اور بڑی مچھلی کے حملوں کو برداشت کرسکے۔

بحری تار کی حفاظت

آج کل کا مروجہ تار سات یا اس سے زیادہ کے تلنبے کے تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے جو کہ گٹاپرچہ سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اور غلافوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے یہ غلاف ایسے سن کے بنے ہوتے ہیں جسکو ایک دوا میں ڈبو کر سکھا لیا جاتا ہے اور ایک خول سے جو کہ کئی فولادی تاروں کا بنا ہوتا ہے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ گہرے سمندروں میں اُن تاروں کے لئے حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں

بحری تار کا وزن فی میل ایک ٹن ہوتا ہے مگر گہرے پانی میں بحری تار کو زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ چٹانوں جہازوں اور لنگروں سے محفوظ رہے۔ لہذا ایسے موقعوں پر اسکا وزن فی میل دس ٹن سے تیس ٹن تک رکھا جاتا ہے۔ چونکہ کبھی کبھی اس کو دو میل کی گہرائی میں سطح سمندر پر ڈالنا پڑتا تھا لہذا شروع کے بحری تار بچھانے والوں کو سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ وہ اسکو اتنا مضبوط بنائیں کہ تار زیادہ وزن برداشت کرسکے جب دو ہزار یا تین ہزار میل لمبے بحری تار پر برقی رو بھیجی جاتی ہے تو اسکی بہت سی اصلی قوت تار کی رکاوٹ اور گٹاپرچہ کے برقی رو کو روک لینے کی خاصیت سے کم ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسے آلات ایجاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس برقی رو کی قوت سے کم طاقتور رو کے اثرات کو محسوس کرسکیں۔ ولیم طامس جو کہ اپنے زمانہ کے تمام ماہرین سائنس میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اور جسے بعد میں اپنی سائنس کی حیرت انگیز خدمات کی وجہ سے انگریزی نوابی یعنے لارڈ کیلون کا خطاب ملا تھا سب سے پہلے اس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس میں ایک چھوٹا سا آئینہ اِدھر اُدھر حرکت کرتا تھا۔ اس آئینہ کے سامنے ایک پردہ ہوتا تھا جس پر خفیف سے خفیف حرکت بھی منعکس ہوکر اپنا اثر ڈال سکتی تھی آئینہ کا یہ آلہ بحری تار برقی میں اس وقت تک استعمال ہوتا رہا جب تک کہ لارڈ کیلون نے ایک دوسرا آلہ ایجاد نہ کیا۔ اس آلہ میں ایک عجیب و غریب قلم جسکو حکمتی قلم کہتے ہیں استعمال کیا جاتا تھا اس قلم کی ساخت کی ایک عجیب و غریب تاثیر یہ تھی کہ وہ روشنائی کے چشمے سے کشید کی ہوئی روشنائی کو باریک دھار میں اس کاغذ پر پھینکے جو گھڑی کی کل کی مدد سے باقاعدہ طور پر حرکت کرتا ہو۔

خشکی پر استعمال شدہ تار برقی کی مانند بحری تار برقی کے لئے بھی خود حرکتی آلات تیار کئے گئے ہیں جنکے ذریعہ سے بالکل صحیح طور پر ایک ہی وقت میں دو برقی پیغام بھیجے جا سکیں۔ لیکن ابتک بیک وقت چار برقی پیغامات بھیجنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوسکا تھا۔

(باقی آئندہ)

تاریخ

محمد علی پاشا

اٹھارھویں صدی عیسوی میں جبکہ تقریباً تمام اسلامی ممالک پر تنزل و انحطاط کا دور دورہ تھا مصر کی حالت بھی بہت کچھ مایوس کن تھی۔ اگرچہ ظاہری طور سے وہ خلافت عثمانیہ سے ملحق تھا، لیکن خود ترکی حکومت کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے دور دراز ترکی مقبوضات کیطرح مصر میں بھی بدانتظامی کا دور دورہ تھا۔ اسی زمانہ میں ایک شخص پیدا ہوا جس نے مصر کو تباہی و بربادی سے بچالیا نہ صرف یہ بلکہ اسکی ترقی و تعمیر میں اپنی پوری کوششیں صرف کردیں یہ شخص محمد علی پاشا تھا جو صحیح معنوں میں مصر کا نجات دہندہ کہا جا سکتا ہے۔ محمد علی پاشا نے نہایت ہی معمولی حالت میں محض اپنے بل بوتے پر ترقی کی ہے وہ ۱۱۸۲ھ میں شہر قوالہ[1] میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ابراہیم آغا راستوں کی حفاظت (چوکیداری) پر متعین تھا۔ اسکے سترہ اولادیں ہوئیں جن میں صرف محمد علی زندہ رہا اسی لئے باپ کو اس لڑکے سے بے انتہا محبت تھی۔ لیکن بدنصیبی دیکھیے کہ ابھی وہ چار ہی برس کا تھا کہ اسکا باپ اس دنیا سے چل بسا۔ باپ کے انتقال پر اسکے چچا نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ چچا کے انتقال کے بعد اسکے باپ کے ایک دوست نے اسکی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لی۔ ابراہیم آغا نے مرتے وقت اس سے اس بچہ کی تربیت کا وعدہ بھی لے لیا تھا جب یہ جوان ہوا تو فوج میں بھرتی ہوگیا ۱۸ سال کی عمر میں "بلوک باشی" کے عہدہ پر ترقی کی۔ اسکی شادی اسکے مربی کی لڑکی سے ہوئی جس سے پانچ لڑکے ہوئے۔ ان میں ابراہیم، طوسون اور اسمٰعیل قابل ذکر ہیں۔

جس وقت فرانسیسیوں نے مصر پر حملہ کیا تو ترکی حکومت نے انگریزی فوج کی مدد سے فرانسیسی فوج کی مدافعت کی۔ محمد علی بھی ترکی فوج میں نائب سپہ سالار کی حیثیت سے شریک تھا ترکوں کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور مصر فرانسیسیوں کے قبضے سے نکل گیا اس جنگ میں محمد علی نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ اسی لئے اس کی عزت و توقیر میں اضافہ اور لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت پیدا ہوگئی۔ اس وقت تک خسرو پاشا مصر کا والی تھا۔ لیکن مصر کے ممالیک نے متفقہ کوشش سے اُسے نکال باہر کیا اور اسکی بجائے محمد علی کو ولایت ملی۔

کچھ عرصہ بعد محمد علی اور ممالیک کے درمیان نزاعی صورتیں پیدا ہوگئیں اسی زمانہ میں اہل نجد نے عثمانی حکومت کے خلاف سر اٹھایا۔ بابعالی کے فرمان کے موجب محمد علی پاشا نے اپنے لڑکے طوسون کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ نجد روانہ کیا۔ لیکن اس لشکر کے روانہ کرنے سے مصر خالی ہوجاتا تھا اور اسے خوف تھا کہ ملک کو خالی دیکھکر ممالیک ضرور شورش کرینگے۔ اس وقت اس نے ایک تدبیر کی اور وہ یہ کہ اپنے لڑکے کے جانے پر بہت بڑا جلسہ منعقد کیا اور اس میں تمام ممالیک کو دعوت دی جسوقت ممالیک ہال میں داخل ہوئے۔ محمد علی پادشا کے حکم سے دروازے بند کردے گئے اور ان کو بری طرح قتل کردیا گیا طوسون کو وہابیوں کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی لیکن وہابیوں نے دوبارہ جنگ کی اور پھر مکہ اور مدینہ پر قابض ہوگئے یہ حالت دیکھ کر طوسون نے اپنے والد سے امداد طلب کی اور محمد علی خود ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ ۲۷ر اگست ۱۸۱۲ء کو وہ جدہ پہنچا اور وہابیوں پر فتح پائی۔ اور حجاز کا تمام علاقہ اسکے سامنے سرنگوں ہوگیا اس لڑائی کے خاتمہ پر محمد علی نے ابراہیم کو موره اور اسمٰعیل کو سوڈان کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ اسمٰعیل پاشا سوڈان کی لڑائی میں قتل کردیا گیا

۱۸۳۱ء میں اس نے ابراہیم کو شام کے فتح کے لئے روانہ کیا۔ ابراہیم نے شام میں جنگ کی اور ترکوں کے مقابلہ میں اسے کامیابی ہوئی اور یہ ملک تقریباً دس سال تک اسکے قبضہ میں رہا لیکن ترکی حکومت نے اور دوسری حکومتوں سے دباؤ ڈلوا کر شام کو اسکے قبضے سے نکال لیا۔ محمد علی کے تعمیری کام (۱) طبی کالج کا شفاخانہ حیوانات (۳) انجینئرنگ کالج (۴) موسیقی کا مدرسہ (۵) صنعت و حرفت کا مدرسہ (۶) مدرسہ زراعت (۷) مختلف مغربی زبانوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ۔ (۸) فوجی مدرسہ۔ انکے علاوہ بہت سے مصری نوجوانوں کو ادب اور زبان کی تعلیم کے لئے یورپ روانہ کیا۔

---

[1] قوالہ بلاد رومی کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ آستانہ سے اسکا فاصلہ ۳۲ کیلومیٹر ہے۔ اٹھارھویں صدی میں اسکی آبادی دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ (تراجم مشاہیر الشرق)

جغرافیہ

یورپ کی ننھی منی ریاستیں

اگر ہم یورپ کا سفر کریں تو قدرتاً ہم بڑے بڑے ممالک مثلاً جرمنی فرانس اور روس وغیرہ کی سیر کریں گے۔ اور ہم بالکل بھول جائینگے کہ ان ممالک کے علاوہ کچھ ایسی بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جو نیم آزادی کی حالت میں ہیں اور ان میں سے اکثر ریاستوں کے لوگ ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی آج سے کئی صدیاں پہلے لوگ بسر کرتے تھے۔

ان ریاستوں میں سب سے دلچسپ مناکو کی ریاست ہے جو بالخصوص فرانس اور عام طور پر دوسرے ممالک کی تفریح گاہ ہے۔ مانٹ کارلو گو اس ریاست کا دارالخلافہ نہیں ہے، لیکن اپنے اندر بہت کشش رکھتا ہے اور بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔

مناکو کا رقبہ کل آٹھ مربع میل ہے اور اسکی اوسطاً چوڑائی کوئی ۶۵۰ گز ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ ہم ایک گالف کے گیند کو اگر تین بار ماریں تو اسکو ریاست کی حد سے باہر نکال سکتے ہیں۔ اسکی آبادی کوئی ۲۳۰۰۰ ہے اور اسکے باوجود یہاں کئی تفریح اور نشاط کے مقام ہیں۔ مناکو میں صنعت و حرفت کا ایک بھی کارخانہ نہیں اور آمدنی کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ "کاسنیو" ہے، جہاں ہر لمحے کے بعد تاجروں کی قسمت بنتی اور بگڑتی ہے اور جسے عرف عام میں "قمارخانہ" کہتے ہیں۔

مناکو کا اپنا سکہ اور اپنا ٹکٹ ہے اور اسکے باشندے ہر قسم کے محصولات سے بری ہیں۔ ریاست کا انتظام "شہزادہ" مع اپنی کونسل کے کرتا ہے۔ فوج میں کل سپاہیوں کی تعداد ایک سو پانچ ہے اور جنگ عظیم میں اس نے جرمنی پر حملہ کرکے اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا۔

مناکو کا ایک سابق شہزادہ البرٹ ایک نہایت عمدہ اور غیر معمولی قابلیت کا شخص تھا۔ اس نے اپنی ریاست میں ایک عجائب خانہ کھولا تھا جسمیں سمندر کی کل چیزیں اور رنگ برنگ کی مچھلیاں جمع تھیں۔ اپنے طرز میں یہ عجائب خانہ دنیا کا بہترین عجائب خانہ ہے۔

اگر ہم سوئزرلینڈ سے ہو کر آسٹریا جائیں تو راستہ میں ایک اور اسی قسم کی ننھی منی ریاست ملیگی۔ جسکا نام لائشن تن اشٹائن (Leich Tenstein) ہے۔ یہ مناگو سے بڑی ہے اور اس کا رقبہ تقریباً ۶۰ مربع میل ہے۔ لیکن آبادی کل ۱۱۰۰۰ ہے۔ اس ریاست کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسکے باشندے فوجی خدمات سے بالکل بری ہیں: وہ صرف اپنا آبائی پیشہ یعنے زراعت کرتے ہیں۔ یہ تہذیب کے نئے نئے قواعد اور قوانین کو اپنے ہاں رائج نہیں ہونے دیتے اور اپنی موجودہ زندگی پر شاکر ہیں۔

حکومت کا طریقہ جمہوری ہے۔ اسکا صدر لائشن تن شٹائن کے خاندان میں کا ایک شہزادہ ہوتا ہے۔ یہ خاندان یورپ بھر میں بہت ہی پرانا شاہی خاندان ہے۔ اسکی مدد کے لئے ایک مجلس مقننہ ہے جسکے اراکین کی تعداد پندرہ ہوتی ہے ان میں سے بارہ منتخب کئے جاتے ہیں اور تین حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں۔

جرمنی اور آسٹریا کی لڑائی سے پہلے یہ جرمنی کا ایک حصہ تھی۔ لیکن جنگ کے بعد ۱۸۶۶ء میں یہ بالکل آزاد ہو گئی۔ اس کا دارالخلافہ وادز (Vaduz) ہے۔ اور شہر کے پاس ایک اونچے پہاڑ پر ایک قلعہ ہے جہاں "شہزادہ" اور اس کا خاندان رہتا ہے، جو صدیوں سے اس ریاست پر حکومت کرتا چلا آیا ہے۔ یہ قلعہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے رومیوں نے تعمیر کرایا تھا اسکی بھاری بھاری دیواروں اور ستونوں پر پرانے زمانے کی زرہیں اور ہتھیار لگے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں کے باشندے جنگجو ہیں۔ تمام فوج کو آنے سے ساٹھ برس پہلے غیر مسلح کرا یا گیا تھا اور اسوقت بھی سپاہیوں کی کل تعداد سو سے کم ہی تھی۔ اس ریاست میں اب ایک دو سال سے کچھ موٹریں بھی دکھائی دینے لگی ہیں لیکن صرف شہروں میں۔ گانووں میں وہی پرانی بیل گاڑیاں چلتی ہیں۔

انتظام اور امن قایم یہاں مشکل نہیں ہے اور گو وادز کے محکمۂ پولس میں کل چار آدمی ہیں، لیکن یہ تعداد بھی ریاست کے اندر امن قایم رکھنے کیلئے کافی ہے

(باقی آئندہ)

نظم

ایک کمھلایا ہوا پھول

میرا گذر جو یار و سوئے چمن ہوا کل — دیکھا کہ سرنگوں ہے اک پھول، اور بیکل

ہے اک سکوت طاری خاموش ہیں ہوائیں — ہر شے پہ ہے اداسی بے نور ہیں فضائیں

جو پھول رہ گیا ہے پژمردہ اس چمن میں — وہ بھی خزاں کے ڈر سے گویا کہ ہے کفن میں

میں نے کہا بتا تو، کیوں اسقدر ہے غمگیں — مجھسے نہ خوف کھا تو، مجھکو سمجھ نہ گلچیں"

اس نے کہا "نہ پوچھو تقدیر گلستاں کی — ہوں یادگار رنگیں تصویرِ گلستاں کی

"یوں زندگی ہوئی ہے افسوس مجھکو بھاری — بادِ بہار چلدی آئی خزاں کی باری

"وہ رقص تتلیوں کا، بلبل کا وہ چہکنا — آتا ہے یاد مجھکو رنگین وہ زمانہ

"آغوش میں صبا کی میں مدتوں ہوں کھیلا — غم جھیلنے کو لیکن اب رہ گیا اکیلا

"سب ہو گئے ہیں رخصت افسوس میرے ساتھی — میری بھی زندگی ہے دو ایک دن کی باقی

"غافل کے واسطے عبرت کا اک سبق ہوں — شیرازہ چمن کا بکھرا ہوا ورق ہوں"

پُر درد داستاں کو سنتے ہی دردِ پیہم
میں کیا کہوں کہ مجھ پر کیا گذری ہائے اسدم

قصے کہانیاں

مہنگے انڈے

ملتان کا رہنے والا ایک تاجر اپنی تجارت کے کسی کام سے لاہور آیا۔ صبح سے دوپہر تک کام میں لگا رہا۔ جلدی کے مارے صبح ناشتہ بھی نہ کیا تہا۔ دوپہر ہوتے ہوتے ایسی بھوک لگی کہ جہاں ٹھہرا تھا وہاں تک جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ سامنے ایک بھٹیارے کی دوکان تھی اس میں گھس گیا۔ بھٹیارے کی دوکان بڑی میلی کچیلی تھی۔ برتن بھی صاف نہ تھے۔ پوچھا تو کوئی چیز تازی پکی ہوئی بھی نہ تھی۔ تاجر نے کہا اچھا ایک درجن انڈے تل دو۔ مگر جلدی۔ بہت جلدی۔ بھٹیارے نے جلدی جلدی انڈے تلے اور سامنے لاکر رکھے ہی تھے کہ ایک شخص دوڑا ہوا آیا کہ سیٹھ صاحب نے ابھی ابھی بلایا ہے۔ لین دین کا کوئی بہت ضروری کام تہا۔ تاجر نے کوئی دو تین انڈے منہ میں رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور جلدی میں بھٹیارے کو دام بھی نہ دے سکا۔ بیچارہ بھٹیارہ چلاتا ہی رہ گیا۔

کچھہ دنوں تو بھٹیارے کو خیال رہا۔ لیکن پہر بات آئی گئی ہوئی۔ دس برس بعد ایک کام سے تاجر کو پہر لاہور آنا ہوا بھٹیارے کی دوکان کی طرف سے گذرا تو اسے اپنا وہ واقعہ یاد آیا۔ یہ پھر دوکان میں گیا اور کچھ کھانیکو مانگا۔ جب کھانا آیا تو تاجر نے بھٹیارے سے کہا کہ بھائی تم ہمیں پہچانتے نہیں؟ ہم کوئی دس برس ہوئے ایک دفعہ تمہارے یہاں آور آئے تھے۔ بلکہ تمہارے انڈوں کے دام ہمپر باقی ہیں۔ بھٹیارے نے کہا کہ "جی ہاں خوب آئے۔ میں نے وہ انڈے آپ کے حساب میں لکھہ رکھے ہیں۔ وہ ایک درجن انڈے آپ کو ذرا مہنگے پڑیں گے" تاجر نے کہا۔ خیر۔ اتنے دام تو میرے پاس نکل ہی آئیں گے کہ تمہارے انڈوں کے دام دیدوں" بھٹیارہ بولا "دیکھیئے اللہ مالک ہے۔ میں نے تو مدت ہوئی قاضی کے یہاں مقدمہ دایر کر دیا ہے۔ وہیں طے ہو جائیگا" تاجر ہنسا اور بولا "اچھا بھائی قاضی جی ہی جو فیصلہ کردیں وہ منظور۔

دوسرے دن دونوں قاضی کے سامنے گئے۔ بھٹیارے نے انڈوں کا حساب بتایا کہ بارہ ۱۲ انڈوں سے بارہ ۱۲ بچے نکلتے۔ بڑے ہوکر وہ انڈے دیتے پہر ان انڈوں سے بچے نکلتے پھر وہ انڈے دیتے غرض دس برس میں ہزاروں لاکھوں مرغیاں ہو جاتیں ان سب کے دام تاجر سے دلوایئے۔ قاضی نے تاجر سے جواب مانگا تو یہ غریب کچھ ایسا سٹ پٹایا کہ ایک بات نہ بن پڑی۔ قاضی نے بھٹیارے کے دعوے کو منظور کر لیا۔

اب تو میاں تاجر کا منہ مارے رنج کے ذرا سا نکل آیا عدالت سے باہر نکلے تو اس سوچ میں کہ اتنے روپیہ کا انتظام کہاں سے کرونگا، اسی فکر میں شام کو شہر سے ایکطرف جنگل کی طرف نکلے تو ایک چھوٹا سا کوئی گز بھر کا آدمی ملا۔ یہ خود گز بھر کے تھے لیکن داڑہی بھی آدھ گز سے کم نہ تھی۔ تاجر کو دیکھکر بڑے میاں ہنسے۔ اور بولے کہ کیوں میاں کس فکر میں ہو۔ تمہارے منہ پر تو ایسا لگتا ہے جیسے ۱۲ بجے ہوں۔ تاجر کو یہ باتیں بھلی کیسے لگتیں۔ اس نے بڑے میاں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ لیکن بڑے میاں ذرا اچک کر اور قہقہہ لگا پہر سامنے آ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے میاں بھڑکتے کیوں ہو۔ ہم سے کہو۔ ہم تمہارا کام نکال دیں گے۔ تاجر کھسیا کر بولا تم سے کہنے سے کیا فائدہ۔ تم کچھہ نہیں کر سکتے۔ بڑے میاں نے جواب دیا "بھائی تمہارا کچھہ لے تہوڑے ہی جائیں گے۔ کہنے میں کیا ہرج ہے" اس پر تاجر نے سب قصہ سنایا تو بڑے میاں بولے عجب آدمی ہو۔ بس اتنی سی بات میں چیں بول گئے۔ جاؤ قاضی جی سے کہہ آؤ کہ کل ہمارا ایک وکیل آپ کے سامنے آئیگا اور آپ کو سب باتیں سمجھائیگا۔ آپ مہربانی فرما کر اپنے فیصلہ پر پھر سے غور کیجیے۔

تاجر نے قاضی کے سامنے جاکر یہی کہا۔ قاضی نے درخواست منظور کرلی اور دوسرے دن دس بجے کا وقت مقرر کر دیا۔ دوسرا دن

جو ہوا تو تاجر صبح ہی سے بیتاب تھا کہ دیکھیئے کیا ہو۔ ۹ بجے سے ہی قاضی کے دروازہ پر پہونچ گیا۔ دس بجے دروازہ کھلا قاضی صاحب پہونچے۔ لیکن بڑے میاں کا کہیں پتہ نہیں۔ قاضی نے پوچھا کہ وہ آپ کے وکیل کہاں ہیں۔ بیچارہ تاجر کیا جواب دیتا۔ چپ کھڑا تھا اور دل میں سوچتا تھا کہ یہ بڈھا بھی عجیب جھوٹا ہے خواہ مخواہ مجھ سے درخواست دلوائی۔ اور خود نہیں آیا۔ تھوڑی دیر گذری تو قاضی نے کہا کہ اگر تمہارا وکیل دس منٹ کے اندر نہ آیا تو ہم کل کے فیصلہ کو بحال رکھیں گے۔ بیچارہ تاجر عدالت سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ بڈھا آتا ہے یا نہیں۔ ۵ منٹ گذرے ۶ گذرے ۷ گذرے یا اللہ آئیگا یا نہیں۔ کہ اتنے میں بڑے میاں دوڑتے ہانپتے ہوئے پہونچے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اور کچھ بہت گھبرائے ہوئے سے۔ تاجر چلایا کہ چلو چلو مقدمہ ختم ہوا جاتا ہے تاجر نے کچھ برا بھلا بھی کہا مگر بڑے میاں نے ایک نہ سنی اور سیدھے عدالت میں جاکر قاضی صاحب سے کہا "السلام علیکم" قاضی صاحب نے کہا "وعلیکم السلام۔ لیکن آپ اتنی دیر رہے کہاں" بڑے میاں نے جواب دیا "مٹر تلتا تھا۔ مٹر" قاضی مسکرایا۔ اور بولا "جی کیا فرمایا" بڑے میاں نے پھر وہی کہا "جی مٹر تلتا تھا مٹر" قاضی نے پوچھا "کیوں تلتے تھے" "جی بونے کے لئے" بڑے میاں نے جواب دیا۔ قاضی نے ہنسکر کہا آج نئی بات سنی کہ مٹر بونے کیلئے انکو تلا بھی جاتا ہے۔ ارے بھائی تلے ہوئے مٹر کہیں اگتے بھی ہیں یہ واقعی نئی سنائی۔

بڑے میاں بولے "نہیں اسمیں نئی بات کیا ہے تلے ہوئے مرغی کے بچے تو کل نکلے ہی تھے آج تلے ہوئے مٹر اگ آئیں تو کیا عجب"

اب قاضی کی سمجھ میں آیا کہ کل مقدمہ میں غلطی ہوئی۔ بڑے میاں نے بھی دیکھا کہ قاضی سمجھ گیا ہے تو بولے کہ بس اب کل والا فیصلہ بدل دیجیئے اور اس تاجر سے ۱۲ تلے ہوئے انڈوں کی قیمت لے لیجیے

قاضی نے حکم دیا کہ کل کا فیصلہ غلط تھا۔ اور تاجر سے کہا کہ اس بھٹیارہ کو ۱۲ آنہ پیسہ دیدو۔ تاجر نے پیسے دیدیئے اور خوشی خوشی عدالت سے نکلا۔ اور بڑے میاں سے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے تم نے مجھے بڑی مصیبت سے بچا لیا لو یہ سو روپے لو۔ اپنے بال بچوں کے لئے کچھ خرید لینا" یہ کہکر تاجر نے جیب میں سے روپیہ نکالنا شروع کیا۔ اور بڑے میاں کچھ مسکرائے اور مسکراکر زور سے کھلکھلائے اور ایک دم سامنے سے غائب ہو گئے۔ تاجر حیرت میں رہ گیا۔ کہ یہ کیا ہوا۔ تھوڑی دور تک ہوا میں بڑے میاں کی داڑھی کے بال لٹکتے ہوئے دکھلائی دیئے اور بعد کو وہ بھی غائب ہو گئے ؛

وفادار نوکر

بہت زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک راجہ پنجاب میں راج کرتا تھا۔ ایک بار دربار ختم ہونے پر جب راجہ محل کے اندر گیا تو تمام رانیاں اسکے اردگرد آبیٹھیں اثنائے گفتگو میں سب رانیوں نے ایک زبان ہوکر پوچھا کہ مہاراج آپ کو اپنی ساری سلطنت میں کون شخص سب سے زیادہ عزیز ہے۔ راجہ نے کچھ غور و فکر کے بعد جواب دیا کہ کل میں تم کو اس بات کا جواب دونگا۔ اسکے بعد راجہ ایک نوکر کو منادی کا حکم دیدیا کہ تمام لوگ غربا، امرا، وزرا اور رانیاں تک میرے محل کے سامنے جمع ہوں اور میرے ساتھ چلیں چنانچہ دوسرے دن صبح ہی راجہ نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اسکو اس نے زر و مال بھر دیا اور تمام رعایا کو حکم دیا کہ میرے ساتھ رتھ کے پیچھے پیچھے چلیں۔ غرضیکہ رتھ دوڑنا شروع ہوا راجہ نے سب سے پہلے کم قیمت والے سکے پھینکنے شروع کئے بہت سے غربا جو راجہ کے ساتھ ساتھ تھے انہیں اٹھانے لگ گئے۔ اسکے بعد راجہ نے اس سے زیادہ قیمت والے سکے پھینکے جنہیں متوسط لوگ چننے لگے۔ اب راجہ کے رتھ کے پیچھے صرف امرا وزرا اور رانیوں کی پالکیاں رہ گئیں۔ راجہ نے اب جواہرات پھینکے جنکو امرا و وزرا نے لوٹنا شروع کر دیا اسکے بعد راجہ نے بیش قیمت و بیش بہا زیورات پھینکے۔

جب رانیوں نے یہ دیکھا تو سمجھیں کہ شاید راجہ بے وقوف ہو گیا ہے اور اس طرح تمام خزانہ لٹا رہا ہے، ہمارے زیوروں کو بھی وہ یوں ضایع کرنا چاہتا ہے۔ چلو یہ تو ضایع نہ ہونے دیں۔ سب رانیوں نے پالکیوں سے نکل نکل کر زیورات اٹھانے شروع کئے۔ اب صرف راجہ کے رتھ کے پیچھے ایک نوکر پسینہ سے تر بتر دوڑتا ہوا رہ گیا، راجہ نے اس نوکر کو اپنے رتھ میں بٹھا لیا دربار میں لے آیا اور اپنے تخت پر دائیں بازو میں جگہ دی اور رانیوں کو بلا کر کہا سنو تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ تمام سلطنت میں کون شخص مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ سو اب تم نے دیکھ لیا کہ سوائے اس آدمی کے کوئی میرا وفادار نہیں سب زر و مال کے بھوکے ہیں سوائے اس نوکر کے جس نے آخر تک میرا ساتھ چھوڑا

مہربانی کا بدلہ مہربانی سے

ایک کسان اپنے گھوڑے پر غلّہ کی بوریاں لادے جارہا تھا۔ کہ اسکے گھوڑے نے یکایک ٹھوکر کھائی اور ایک بوری اس کی پیٹھ پر سے گر پڑی۔ کسان نے بوری کو اٹھاکر دوبارہ گھوڑے پر لادنے کی کوشش کی لیکن بوری اس قدر بھاری تھی کہ وہ اسکو اٹھانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ سڑک پر ادھر اُدھر دیکھنے لگا اتنے میں ایک سوار کو دور سے آتے ہوئے دیکھا جب وہ سوار قریب آیا تو کسان کو معلوم ہوا کہ وہ سوار ایک امیر آدمی ہے جو پہاڑی کی چوٹی پر بڑے مکان میں رہتا ہے۔ کسان کو اس امیر سے مدد مانگنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ لیکن وہ بہت متحیر ہوا جب اس نے دیکھا کہ امیر آدمی خود گھوڑے سے اتر پڑا اور کسان سے کہنے لگا کہ "اے میرے دوست! بہت اچھا ہوا کہ میں اس سڑک سے گذرا ورنہ نہ معلوم تمہیں کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑتا" یہ کہہ کر اس نے کسان کی بوری پکڑوائی اور پھر گھوڑے پر لاددی۔ کسان اس شخص کا بہت شکرگذار ہوا اور ہاتھ جوڑکر کہنے لگا کہ میرے آقا! میں آپ کی عنایت کا کس طرح شکریہ ادا کروں!" امیر نے کہا کہ "میرے دوست تم بڑی آسانی سے اسکا بدلہ دے سکتے ہو۔ جب تم کسی کو مشکل میں دیکھو تو تم اُسکی اسی طرح مدد کرو، اور وہ میری مدد ہوگی"۔

تقدیر و تدبیر

ایک بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب سے دریافت کیا کہ تمہارا قسمت پر اعتقاد ہے؟ مصاحب نے جواب دیا کہ جی ہاں جناب مجھے قسمت پر کامل ایمان ہے۔ بادشاہ نے مسکراکر کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں اپنا قول ثابت کرنے میں ناکام نہ ہو۔ مصاحب نے عرض کیا جہاں پناہ ممکن ہے جناب کا ارشاد بجا ہو۔ لیکن ناگوار خاطر نہ ہو تو میں اسے ثابت کرنے کی کوشش کروں، جس کا خاکہ میرے ذہن میں اس وقت موجود ہے۔ یہ کہہ کر وزیر نے بادشاہ کے کان میں کچھ آہستہ سے کہا جسکو سنکر بادشاہ نے کہا کہ "بے شک بہت اچھی تدبیر ہے اب وقت ضایع نہ کرو، اسکو جلد آزماؤ"۔

رات کو مصاحب نے بادشاہ کے محل کے کمرے میں ایک تھیلی میں کچھ بھر کر اسے چھت سے لٹکادیا۔ سوائے بادشاہ اور وزیر کے کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ اس تھیلی میں کیا ہے اسکے بعد رات میں دو آدمیوں کو اس کمرے میں بند کردیا۔ ان میں سے ایک آدمی جسے تقدیر پر ایمان تھا ایک کونے میں قسمت پر بھروسہ کرکے لیٹ رہا۔ لیکن دوسرے نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور اس تھیلی پر جو چھت سے لٹک رہی تھی اُسکی نظر جاپڑی اس نے تھیلی میں جو ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں مٹر آئی جس کو اس نے کھالیا۔ پھر اس نے دوبارہ اس تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور ابکے اس کے ہاتھ جواہرات سے بھر گئے۔ لیکن اس نے رات کی تاریکی میں انہیں پتھر سمجھا اور اپنے ساتھی پر طعنہ کستے ہوئے انہیں پھینکدیا۔ اس نے ان کو اٹھاکر جیب میں رکھ لیا۔ صبح کو بادشاہ نے دونوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی چیزیں جو انہیں تھیلی میں ملی ہے پیش کریں۔ بادشاہ بہت متحیر ہوا جب اس نے دیکھا کہ اس شخص کے ہاتھ میں جواہرات ہیں جو قسمت پر بھروسہ کرکے لیٹ رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنے مصاحب کی بات کا یقین کرلیا اور کہا کہ ہاں دنیا میں تقدیر بھی ہے لیکن وہ ایسی ہی کمیاب ہے جیسے کہ مٹر کی تھیلی میں جواہرات" لہذا کسی شخص کو اپنی قسمت پر بھروسہ کرکے قانع نہ ہونا چاہیے۔

استاد۔ بتاؤ دھاگے کی کتنی گولیاں چاند تک پہنچنے کے لئے درکار ہونگی؟
شاگرد۔ جناب! ایک ہی پوری ہوسکتی ہے، اگر وہ کافی لمبی ہو۔

استاد۔ (اپنے شاگردوں سے) لڑکو! اگر تم اپنے بورڈنگ ہاؤس میں کوئی چمن لگاؤ تو میں تمہیں بہت کچھ "مالی امداد" بھی دے سکتا ہوں۔
ایک تیز لڑکا۔ جناب والا! آپ خواہ "امداد" دیں یا نہ دیں لیکن ہم تیار ہیں اگر آپ ہمیں صرف "مالی" دے دیں۔

بچوں کے کھیل

انسان کچھ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ جب اُسے کوئی اچھا کام نہیں ملتا تو وہ بُرے کام کرنے لگتا ہے۔ یہ عادت بچوں میں بہت ہی۔ جب انکے پاس فارغ اوقات میں کوئی اچھا کھیل کھیلنے کو نہیں ہوتا، تو وہ طرح طرح کی شرارتیں اور بعض اوقات نہایت ذلیل ذلیل حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ نیچے ہم چند ایسے کھیل اور تفریح کی باتیں درج کرتے ہیں جن سے انہیں بہت دلچسپی ہوگی اور اس سے انکا وقت بھی اچھا گزرے گا۔

چڑیوں کا کھیل

یہ ایک بہت دلچسپ کھیل ہے اور جسے بہت سے بچے ملکر کھیل سکتے ہیں۔ یہ کھیل اسطرح پر کھیلا جاتا ہے کہ کچھ لڑکے جو کھیلنے والے ہوں، وہ اپنے نام کسی نہ کسی پرندے کے نام پر رکھ لیں اور ایک اُن میں سے چور بنجائے۔ پھر تمام لڑکے اِدھر اُدھر کسی درخت یا جھاڑی کی آڑ میں چھپ جائیں اور جو لڑکا چور ہو وہ مختلف پرندوں کے نام لے لیکر پکارے۔ جس جس لڑکے کا نام آتا جائے



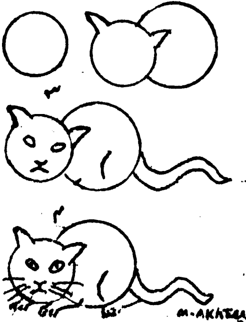
وہ اپنے چھپنے کی جگہ سے نکلکر بولتا جائے جو لڑکا اپنے نام پر نہ بولے وہ چور سمجھا جائیگا اور پھر اسکے بعد وہ سب کے نام پکارے۔ دیکھنے میں یہ کھیل کچھ نہیں معلوم ہوتا لیکن کھیلنے میں بہت دلچسپ ہوجاتا ہے۔

کھیل کا کھیل اور سبق کا سبق

یہ تو کئی لڑکوں کے ملکر کھیلنے کا کھیل تھا۔ لیکن فرض کرو کہ بعض وقت کوئی لڑکا اکیلا ہو اور دھوپ یا بارش کیوجہ سے وہ کہیں باہر نہ جا سکتا ہو، اسوقت وہ کیا کرے؟ نیچے ہم ایک ایسا کھیل بتاتے ہیں جو کھیل کا کھیل ہے اور سبق کا سبق۔

چار چیزیں لو، ایک پنسل، ایک ورق کاغذ، ایک پیسہ اور ایک دھیلا۔ اگر تم میں سے کوئی امیر ہے تو وہ چاندی کی اٹھنی اور چونی لے لے۔ سب سے پہلے چھوٹے سکے کی مدد سے کاغذ پر ایک دائرہ بناؤ، جیسا کہ تم شکل نمبر ا میں دیکھتے ہو۔ اسکے بعد بڑے سکے کو اس دائرہ پر رکھکر ایک اور دائرہ اس طرح بناؤ کہ چھوٹے دائرے کی لکیر نہ کٹے جیسے کہ تصویر ۲ میں ہے۔ پھر اسکے بعد بڑے دائرے کے دائیں جانب ٹیڑھی لکیریں کھینچ دو اور چھوٹے دائرہ کے بیچ میں دو آنکھیں اور ایک منہ سا بنا دو۔ جیسا کہ تم تیسری تصویر میں دیکھ رہے ہو۔ اب تم کچھ کچھ سمجھنے لگے ہوگے کہ یہ دو دائرے ہی نہیں ہیں بلکہ یہ کسی جانور کی تصویر بنتی جا رہی ہے اور یہ بھی جان گئے ہوگے کہ کس جانور کی تصویر ہے؟ لہذا اخیر میں باقی چیزیں جو رہگئی ہیں یعنی مونچھیں، پنجے ہتھیلیاں وغیرہ وہ بھی پوری کردو اور اسطرح تمہاری بلی مکمل ہوگئی۔

اسی طرح اور جانوروں کی تصویریں بھی سوچ سوچ کر بنائی جا سکتی ہیں۔



ہر بچّہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینے چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو ۵ ہے جو ایکدم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن مہ یا ۶ ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔
(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہے تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھکر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اُسی دن اس کو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

	قیمت	
(۱) چڑیا چڑے کی کہانی		۲ر
(۲) چوہے بلی نامہ	"	۲ر
(۳) گرمو دھرمو	"	۴ر
(۴) نقلی شہزادہ	"	۴ر
(۵) گدھے کی سرگذشت	"	۴ر
(۶) ترکوں کی کہانیاں	"	۴ر
(۷) نیم پیسی	"	۳ر
(۸) زرداد	"	۲ر
(۹) لنگڑا ماموں	"	۳ر
(۱۰) شہر شہری شہریت	"	۵ر
(۱۱) لکشمی	"	۲ر
(۱۲) حکایات شیریں جلد اول	"	۲ر
(۱۳) " جلد دوم	"	۲ر
(۱۴) " جلد سوم	"	۲ر
(۱۵) " جلد چہارم	"	۲ر
(۱۶) سولہ کہانیاں		۱۲ر

اسکاوٹ کی ۳ ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ - یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں "فرسٹ ایڈ" کے متعلق مفصل معلومات ہیں ۱۲ر
(۲) ضروری معلومات - یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے ۳ر
(۳) ٹنڈر فٹ ٹسٹ کارڈ - پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی - مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
" دوسری " " "	۴ر
" تیسری " " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول - مصنفہ حافظ عبد الرحمن صاحب	۱۲ر
" " حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

	قیمت	
(۱) بچوں کے گیت		۴ر
(۲) سنہری گیت	"	۳ر
(۳) پھول باغ حصہ اول	"	۱۲ر
(۴) " حصہ دوم	"	۷ر
(۵) راکھ بیگم	"	۱ر
(۶) بیاض رنگین حضور	"	۵ر
(۷) مناجات ذکا	"	۱ر
(۸) رباعیات حالی	"	۳ر
(۹) حب وطن	"	۳ر
(۱۰) مناجات بیوہ	"	۴ر
(۱۱) چپ کی داد	"	۲ر
(۱۲) درس عمل	"	۴ر
(۱۳) مرزا پھویا	"	۱ر
(۱۴) بیاض گل	"	۸ر
(۱۵) آغوش مادر	"	۱۴ر
(۱۶) پہیلیاں	"	۱ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ — عا؍

ششماہی — عہ؍

فی پرچہ — ا؍

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ — للعہ؍

نصف صفحہ — صہ؍

چوتھائی صفحہ — سے؍

ایڈیٹر: سعید انصاری۔ بی اے (جامعہ)

نمبر ۸ — ۷ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء — جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی ۱۰ر مارچ کو سول نافرمانی کا الٹی میٹم والسرائے کو دیں گے اور ۲۰ر مارچ کو سول نافرمانی شروع کر دینگے پہلے نمک کے قانون پر حملہ کیا جائیگا۔ گاندھی جی کا ارادہ ہے کہ وہ سول نافرمانی کا آغاز آشرم والوں سے کرائیں گے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو اور آشرم والوں کو آزمانا چاہتے ہیں۔ گاندھی جی کو یقین ہے کہ سول نافرمانی کے جرم میں گرفتار ضرور کئے جائیں گے۔ اس لئے شبہ کرنیوالوں کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ مرجائیں لیکن تشدد رونما نہ ہونے دیں۔ انکو تمام ملک سے عموماً اور گجرات سے بہت بڑی قربانی کی توقع ہے۔

تین روز سے آل پارٹیز کانفرنس کا جلسہ غیر رسمی طور پر نیو دہلی میں ہو رہا تھا۔ وہ یکم مارچ کو ختم ہوا۔ پچاس لیڈر ہندو مسلمان، عیسائی اور سکھ قوم کے شریک تھے، مالوی جی، مولانا محمد علی وغیرہ نے ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر معرکۃ الآرا تقریریں کیں۔ مولانا محمد علی کی تقریر کا اثر لبرل پارٹی پر خاص طور پر بہت زیادہ ہوا، ایک کمیٹی تیس آدمیوں کی بنائی گئی ہے تاکہ وہ فرقہ وارانہ مسائل کا حل کرے۔ اگر یہ لوگ ان مسائل کے حل کرنے میں کامیاب ہو گئے جیسا کہ توقع ہے تو باضابطہ طور پر بہت جلد آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوگا۔

بنارس میں کدار پرشاد اسسٹنٹ سکریٹری اور رودیا دھر ممبر بنارس یوتھ لیگ کو "بم کا فلسفہ" نامی اشتہار چھپواں کرنیکے الزام میں چار چار ماہ قید اور پچاس روپیہ جرمانہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ دو دو ماہ قید محض کی سزا ہوئی ہے۔



ہندوستان کے باہر

پیام تعلیم کے کسی گذشتہ اشاعت میں یہ خبر دی جا چکی ہے کہ سلطان ابن سعود اور والی عراق کے درمیان برطانیہ مصالحت کرانے کے لئے کوشاں ہے۔ چنانچہ ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز ایک برطانی جنگی جہاز "لوپن" بمقام خلیج فارس میں ہوئی تھی، اب تازہ ترین خبر یہ ہے کہ ۲۵ر فروری کو دونوں عراقی و نجدی بادشاہوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیکر ہاتھ پکڑے ہوئے سیلون میں داخل ہوئے۔ حکومت برطانیہ کی جانب سے ہر دو بادشاہوں کی ملاقات پر اظہار خوشنودی کا پیغام پہنچایا گیا اور ایک معاہدہ مرتب ہو گیا جس میں تمام ہمسایہ حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے مطالبات کو تسلیم کیا گیا اور جو مشکلات اس وقت تک حائل تھیں وہ سب دور کر دی گئیں۔

عرصہ سے اخبارات میں یہ خبر آرہی ہے کہ شاہ نادر خاں بادشاہ افغانستان سخت علیل ہیں۔ نیز امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کی نقل و حرکت سے عام طور پر یہ قیاس آرائیاں کیجا رہی تھیں کہ وہ افغانستان جا رہے ہیں اور اپنا کھویا ہوا تخت پھر سے حاصل کریں گے، اب ان دونوں خبروں کی تردید ہو گئی ہے معلوم ہوا کہ یہ انکے مخالفین کی شرارتوں کا نتیجہ تھا، سابق شاہ امان اللہ خاں اپنی ہمشیرہ کی مجوزہ شادی کے سلسلے میں جو مصطفیٰ کمال پاشا سے ہونیوالی ہے۔ انگورہ گئے ہوئے ہیں۔

پہلے خبر دی جا چکی ہے کہ لندن میں مختلف دول کے نمایندوں کا ایک اجتماع اس غرض سے ہوا کہ جنگی بیڑوں کی روز افزوں قوت کے لئے کوئی حد مقرر کرے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ اجتماع ختم ہو گیا، توقع کیجاتی ہے کہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگی۔ اور اس کامیابی کا اثر بہت گہرا تقریباً تمام ممالک پر پڑیگا۔

آپکے بچوں کے پڑھنے کیلئے سب سے اچھا با تصویر ماہوار رسالہ

ہونہار

ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی سے شائع ہوتا ہے
اس میں بچوں کے لئے عکسی اور دستی تصویریں۔ انعام حاصل کرنے کے لئے معمے۔
حفظ صحت کے لئے تدبیریں۔ مزیدار قصے و کہانیاں۔ اعلیٰ نظمیں۔ مفید اور دلچسپ
مضامین آسان زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے تمام مشہور اخبارات
نے اس رسالہ کی بہت تعریف کی ہے اور اس کو بچوں کے لئے بہترین رسالہ تسلیم
کیا ہے۔ صرف ایک یہی رسالہ ہے جو ہندوستان کے ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں پسند کیا گیا
ہے۔ اس کے مضمون نگار ملک کے بہترین انشا پرداز ہیں جو تعلیمی معاملات میں بہت
زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔ یہ رسالہ تمام سرکاری و غیر سرکاری مدارس اور لائبریریوں میں پسند
کیا گیا ہے۔ رسالہ کا کاغذ۔ طباعت اور کتابت بہت عمدہ ہوتی ہے۔ تین روپے ۸ر
بھیجکر یہ رسالہ اپنے بچوں کے لئے جاری کرا لیجئے یہ ان کی تعلیم و تربیت اور اخلاق
سدھارنے میں بہت مدد دے گا۔ نمونہ ۸ر کے ٹکٹ بھیجکر دفتر سے منگوا لیجئے۔

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ ہونہار صدر بازار دہلی

والدین اور اُستادوں کا صفحہ

سیرت کی تربیت

ہم نے پچھلے پرچہ میں ان تدبیروں کا مختصر سا ذکر کیا تھا جن سے اس زمانہ کے اچھے معلم اور محقق بچوں کی سیرت سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ اس کی تربیت میں اس واقفیت سے مدد لے سکیں۔ ان لوگوں نے سیرت کی تربیت میں مدد لینے کے لئے اور بہت سے مسائل پر بھی تحقیق کی ہیں مثلاً اس مسئلہ پر کہ بچوں کی سیرت کے سب یا کچھ اجزا انھیں اپنے والدین کے ورثہ میں ملتے ہیں یا نہیں۔ سیرت پر ماحول کا کیا اثر ہے؟ بعض تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ورثہ میں بچوں کو سیرت کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔ صرف جسمانی خصوصیات ملتی ہیں۔ جیسے آنکھوں کا رنگ، ہڈی کی لنبائی، سر کی ساخت، چمڑے کا رنگ وغیرہ۔ ایک مشہور محقق ج۔ ب۔ واٹسن کا قول ہے: "ایک درجن تندرست بچے مجھے دیدو۔ ہاتھ، پاؤں، ناک، کان کے اچھے اور صحیح اور میں انکی تربیت کے لئے اپنی دنیا بنا سکوں، تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ ان میں سے جسے کہو لے لوں اور جس چیز کا ماہر کہو بنا دوں۔ ڈاکٹر، وکیل، تاجر سردار بنا دوں؛ یا پکا چور، فقیر اور گداگر۔ اور اس میں اسکا ذرا خیال نہ کروں کہ ان کے والدین کی کیا صلاحیتیں ہیں، کیا قابلیتیں، پیشے، کیا نسل؟" دوسرے محققوں نے دیکھا کہ بعض اخلاقی عیب یا خوبیاں برابر خاندانوں میں چلتی ہیں تو انھوں نے ہزاروں عیب دار اور بے عیب بچوں، اور ہزاروں خاندانوں کے حالات چھان ڈالے۔ ان سب تحقیقاتوں میں سے کسی سے یہ تو ثابت نہیں ہو سکا کہ بدمعاشی، بداخلاقی وغیرہ بچوں میں نسلاً منتقل ہوتی ہے۔ جو بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ بعض اخلاقی اچھائیاں یا بُرائیاں بعض خاندانوں میں نسلاً بعد نسل چلتی رہتی ہیں۔ یہ اب تک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نسلاً ورثہ میں پہنچتی ہیں یا والدین اپنی تعلیم اور اپنی مثال سے انھیں بچوں تک منتقل کرتے ہیں۔

اسی طرح سیرت پر ماحول کا اثر پڑتا ہے اس کی تحقیق بھی کر ڈالی ماحول میں پہلے گھر کے اثرات کو لیا، پھر مدرسہ کے اثر کو، اور اس کے بعد گھر اور مدرسہ سے علاوہ دیگر اثرات کو۔ گھر کی مادری حالت سے جو اثر بچوں پر پڑتا ہے اسکا حال ہزاروں بچوں اور گھروں کو دیکھ کر لگایا گیا، پھر گھر میں رہنے والوں یعنی ماں، باپ بھائی بہن کے باہمی تعلقات سے سیرت پر جو اثر پڑتا ہے اس کی چھان بین کی۔ مدرسہ میں کن چیزوں سے سیرت پر اچھا اثر پڑتا ہے، کن سے بُرا؟ اس پر متعدد آدمیوں نے تحقیق کی ہے خصوصاً اس مسئلہ پر تو امریکہ میں تربیت سیرت کی تحقیقاتی کمیٹی نے بہت کام کیا ہے کہ بچے مدرسہ میں دھوکہ کیوں دیتے ہیں؟ گھر اور مدرسہ کے علاوہ ساتھیوں، دوستوں کا جو اثر سیرت پر ہوتا ہے؛ فرصت کے اوقات صرف کرنے کے طریقے سے، تفریح اور کھیل کی نوعیت سے، مختلف کلبوں یا مجمعوں کے تعلق سے سیرت کس طرح متاثر ہوتی ہے یہ سب سوال بھی خوب چھانے جا چکے ہیں۔ ہم ان تحقیقوں کی تفصیل بیان کرنے سے بہتر اسے سمجھتے ہیں کہ انکے نتائج سے آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں تاکہ اللہ جسے توفیق دے وہ ان سے فائدہ اُٹھائے۔

والدین خیال رکھیں کہ

(۱) خاندان میں سب سے بڑے بچے کی سیرت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسکی سیرت میں نقص پیدا ہونیکا سب سے زیادہ امکان ہے۔ اکلوتہ بچہ بھی لاڈ پیار سے اکثر بگڑ جاتا ہے مگر سب سے بڑا بچہ چھوٹے بچوں کے مقابلہ میں اکثر برائیوں کا حامل بنجاتا ہے۔

(۲) ماں باپ کی باہمی ناچاقی اور ان میں بُری اور قابل اعتراض عادتیں بچوں کو عیب دار بنا دیتی ہیں۔

(۳) گھر کی جو بُرائی بچوں پر سب سے خراب اثر کرتی ہے وہ بدانتظامی اور بے ادبی ہے۔ اس کے بعد والدین کی بُری عادتیں، پھر والدین کے باہمی تعلقات کی خرابی اور سب سے کم والدین کا افلاس۔

(۴) بچہ کی سیرت، اس کے میلان طبع اور رجحانات، اور اس کے عام چلن پر اس کے مدرسہ کے ساتھیوں، دارالاقامہ کے ساتھیوں اور دوستوں کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اس لئے بچہ کو دوسرے بدخصلت بچوں

کے ساتھ چھوڑنا اسے جان بوجھکر بگاڑنا ہے ۔

(۵) سیرت کے لئے بچہ کی زندگی کے پہلے چند سال بلکہ پہلے چند مہینے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ۵ سال کی عمر سے پہلے پہلے جو عادتیں بچہ میں پڑجاتی ہیں انھیں تقریباً مستقل سمجھنا چاہیئے۔ یہی اسکی ساری سیرت کی بنیاد بنجاتی ہیں۔

اُستاد یاد رکھیں کہ

(۶) مدرسہ میں اُستاد شاگرد کا تعلق ہمدردی اور معاونت کا تعلق ہونا چاہیئے نہ کہ دوکاندار اور گاہک کا ورنہ آقا اور غلام کا۔ جن مدرسوں میں یہ تعلقات اچھے ہوتے ہیں وہاں کے لڑکے بہت کم جھوٹ بولتے، دھوکہ دیتے ہیں جہاں ناگوار ہوتے ہیں وہاں بہت!

(۷) بچہ کی سیرت پر اپنے مدرسہ اور اپنی جماعت کی اخلاقی شہرت یا بدنامی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ نیکنام مدرسہ کے بچے عموماً نیک بننے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ مدرسہ اور جماعت کا بے لکھا قانون چھپے ہوئے قواعد وضوابط سے بہت زیادہ اثر رکھتا ہے ۔

(۸) اگر آپ اپنے شاگردوں کی سیرت بہتر بنانا چاہتے ہیں تو روز چند اخلاقی تعلیم کے جملے انکے سامنے بول دینے سے یا کسی الہامی کتاب یا اخلاقی دستور کے چند صفحے انکے نصاب میں رکھ دینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی اسکے لئے سارے نصاب ہی کو نہیں بلکہ مدرسہ کے سارے کام کو جس میں تعلیمی اور تربیتی کام دونوں شامل ہیں، ازسرنو ترتیب دینے کی ضرورت ہے، والدین، اُستاد اور ہر شخص جسے بچوں سے سابقہ ہے، خوب سمجھ لے کہ

(۹) اخلاقی اصولوں کے جاننے یا اخلاقی اعتبار سے اچھے بُرے کی تمیز کرسکنے سے عمل پر بہت کم اثر پڑتا ہے۔ آدمی کی سیرت پر اسکے جذبات، خواہشات، محرکات طبعی میلانات کا براہ راست اثر پڑتا ہے، علم کا بہت بالواسطہ۔ اچھی سیرت کے لئے بہت سا علم درکار نہیں، چند اچھی عادتیں درکار ہیں ۔

(۱۰) آدمی کے چلن پر کسی وقت یا کسی جگہ کے مخصوص حالات بہت زیادہ اثر رکھتے ہیں کوئی خاص صلاحیت یا خصلت آدمی میں نہیں ہوتی جو اس سے ہمیشہ ہر حالت میں اچھائی یا بُرائی کرائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لڑکا اُستاد کو دھوکہ دینے میں تامّل نہیں کرتا وہ اپنے ساتھی کو دھوکہ نہیں دیتا؟ جو اپنے ماں باپ کی جیب سے پیسے چرا لیتا ہے وہ کسی دوسرے کی جیب سے پیسہ نہیں نکالتا، اس لئے اگر کبھی کسی بچہ کو جھوٹ بولتے، یا چوری کرتے، یا دھوکہ دیتے پکڑو تو اس کی ساری سیرت کے متعلق کوئی بُری رائے نہ قائم کرنی چاہیئے۔ اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور بچہ کا بھی ۔

جامعہ کی عید

دلی کی عید اور عید کے بعد ٹریوں ہی کیا کم پُرلطف ہوتی ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ لطف جو جامعہ کے ایک طالب علم کو جامعہ میں جامعہ کے اساتذہ کے خلوص ومحبت کی وجہ سے انکو حاصل ہوتی ہے اسکا حال کچھ یہیں کے طلبا جان سکتے ہیں باہر کے لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے، جو ایک دفعہ یہاں رہا وہ گھر کی عید بھول گیا اور بھولے سے بھی گھر جانیکا نام نہیں لیا۔ وہ منظر کیا ہی پُرلطف تھا جب جامعہ کے اکثر طلبہ اور اساتذہ عید کے دن کھدر کے یکساں لباس میں ایک ساتھ عید گاہ نماز پڑھنے گئے اور واپس آئے، واپسی میں سب سے پہلا حملہ انکا مولانا محمد علی صاحب کے ہاں ہوا، مولانا موصوف سے عید ملے، سوئیاں کھائیں، اور پھر یہی گروپ شیخ الجامعہ کے ساتھ ساتھ ان کے گھر تک گیا اور وہاں بھی قائم گنجی بیر جو وطن کی مخصوص چیز تھی اور سوئیوں سے نوازا گیا، الغرض دن کے دو بجے تک ہر چھوٹے بڑے اُستاد کے ہاں دھاوا ہوتا رہا۔ دو بجے کے بعد متوسط عمر کے لڑکوں کی تربیت گاہ پہ جاکر اس انتظام میں مشغول ہوئے جہاں شام کو ہمارے اساتذہ کی نیز شہر کے ان معززین کی جو جامعہ سے دلچسپی لیتے ہیں اور اسمبلی کے بعض اُن ارکان کی جو آجکل دلی میں ٹہرے ہوئے تھے دعوت ہونیوالی تھی، شام ہوتے ہوتے تمام انتظامات مکمل تھے۔ روشنی اور جھنڈیوں کے معقول انتظام سے کوٹھی دُلہن بن رہی تھی، ۸ بجے کے بعد جب کہ مولانا محمد علی، شفیع داؤدی، مرتضیٰ صاحب ڈاکٹر سلیم الزماں، طبیہ کالج کے حکمار اور ڈاکٹر صاحبان وغیرہ وغیرہ آچکے تھے، کھانا کھایا کھانے کے بعد چھوٹے طلبہ نے قومی گانے گائے، مہمانوں کی جماعت میں عبداللطیف صاحب فاروقی ممبر اسمبلی اور ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب نے نمایندگی کی اور اس کے بعد مولانا محمد علی صاحب کے اصرار پر جامعہ کے محترم اُستاد مولانا شرف الدین صاحب نے حاضرین کو اپنی شعروشاعری سے محظوظ فرمایا بالآخر یہ پُرلطف صحبت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہی اور مولانا محمد علی صاحب کی مختصر سی تقریر کے بعد ختم ہوگئی ۔

رفتارِ تعلیم

ناگری پرچارنی سبھا کو گرانبہا عطیہ

بنارس کے ایک علمدوست ہندو کالا پرشاد نامی نے اپنا تمام تاریخی اور تصویری ذخیرہ بنارس ناگری پرچارنی سبھا کو دیدیا ہے۔ اس ذخیرہ کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ ہے، سبھا نے اس ذخیرہ کو اپنی عمارت کے بالائی منزل میں منتقل کردیا ہے جو حال ہی میں ۲۵ ہزار روپیہ کی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ کارکنانِ سبھا کا ارادہ ہے کہ اس ذخیرہ میں اور اضافہ کیا جائے تاکہ ایک مکمل تصویری اور تاریخی کتب خانہ بنجائے۔

گزشتہ سال کے نوبل پرائز

نوبل پرائز کے نام سے اکثر لوگ واقف ہوں گے۔ اس سال ادب کا انعام جرمنی کے ایک مشہور افسانہ نویس ہرتھامس من نامی کو ملا ہے۔ یہ انعام اسکو "رڈنسبروک" کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۲۸ء کا طبیعیات کا انعام لندن کے شاہی کالج کے ناظم طبیعیات او۔ ڈبلیو رچرڈسن کو ملا ہے اور سنہ ۱۹۲۹ء کا انعام پیرس کے ڈیوک ڈی بروگلے کو دیا گیا ہے۔ ان دونوں نے برقی ذرات کے متعلق مفید انکشافات کئے ہیں کیمیا کا انعام اس سال لندن کے دو ماہرین علم الکیمیا میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام آرتھر ہردن اور اسٹاکہم ہیں۔

جلسہ تقسیم اسناد جامعہ عثمانیہ

۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کو جامعہ عثمانیہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں ۶۵ گریجوئیٹوں کو جنمیں تین ایم۔ اے اور تیرہ ایل ایل بی بھی شامل تھے سندیں عطا کی گئیں نواب سر نظامت جنگ بہادر نے اپنے خطبہ میں گریجوئیٹوں کو مخاطب کرکے تعلیم کے اصلی مقصد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ ہمارے طلبہ کو مغربی علوم کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے آپ نے یہ توقع ظاہر فرمائی کہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب کہ جامعہ عثمانیہ مشرقی علوم و تمدن کا مرکز بنجائیگی۔ اور آخر میں علم الاخلاق کے مطالعہ کی تلقین کی۔

قلمرو روس میں لاطینی حروف کا رواج

ایشیا میں ترکی حکومت نے اپنے ہاں لاطینی رسم الخط رائج کرنے میں سب سے زیادہ پیشقدمی کی ہے۔ یورپ میں بھی یہ رسم الخط روز بروز عام ہوتا جاتا ہے۔ ابھی ماسکو سے خبر آئی ہے کہ یکم جنوری سنہ ۱۹۳۰ء سے تمام قلمرو میں لاطینی رسم الخط جاری کردیا جائیگا۔

روسی کالجوں کے ہندوستانی طلبہ

دارالعوام میں کمانڈر بلیر نے سوال کیا کہ آیا سویٹ گورنمنٹ سے ہندوستانی اور دوسرے حصص سلطنت کے طالب علموں کے متعلق کوئی مراسلت کی ہے؟ جنکو سویٹ روسی کالجوں میں انقلابی تعلیم دی جارہی ہو۔

مسٹر ہینڈرسن نے جواب میں کہا کہ مجھے کوئی خبر نہیں اور تفصیلات معلوم کرنے کی خواہش ہے خصوصًا ان ہندوستانی طلبہ کے متعلق جنہیں ماسکو میں تعلیم دی گئی ہے اور قید ہیں۔

سوڈان کی موجودہ تعلیمی حالت

وزیر تعلیم سوڈان نے اخبار "حضارۃ النسوان" میں ۲۸ء اور ۲۹ء کی رپورٹ شایع کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

شمالی سوڈان میں تعلیمی ادارے دیگر درسگاہوں کے علاوہ "گورڈن کالج" اور گیارہ ابتدائی مدارس ہیں ۲۸ء میں کالج مذکور کے طلبہ کی تعداد ۶۰ تھی مگر تھوڑے ہی دنوں میں ۲۴۴ تک پہنچ گئی ہے اور ابتدائی مدارس میں اسوقت ایک ہزار دو سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ۲۶ء میں تمام درسگاہوں میں طلبہ کی تعداد ۱۹ ہزار تھی ۲۸ء میں یہ تعداد ۲۸ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

سوڈان میں مختلف مقامات پر انجینیری، تجارت اور سنگ تراشی کی تعلیم کے لئے تین صنعتی مدرسے ہیں۔ ان مدارس سے جو طلبہ فارغ ہوکر نکلتے ہیں انکو فورًا ملازمت مل جاتی ہے۔

زبان

پیارے بچو! تم خیال کرتے ہوگے کہ خدا وندکریم نے ہمیں زبان اس لئے عطا فرمائی ہے کہ ہم اُسکے ذریعہ آپس میں باتیں کرسکیں اور ہر قسم کے کھانوں کا لطف اُٹھاسکیں۔ مگر نہیں۔ صرف اتنے ہی کے لئے ہمیں زبان عطا نہیں ہوئی ہے۔

خداوندکریم نے ہمیں زبان اس لئے دی ہے کہ ہم اُسکی قدرت اور کاریگریوں کو دیکھ کر نہ صرف دل سے بلکہ زبان سے بھی اُس کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ اور جب ہم اُسکی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھائیں تو اُس کا شکریہ ادا کریں کہ "اے مالک! بیشک تو بڑا مہربانی کرنے والا ہے۔"

جب کسی مصیبت میں پھنس جائیں اور مشکلوں کا سامنا ہو تو اُسکے ذریعہ سے اپنے پیدا کرنے والے سے مدد چاہیں کہ "اے ہم سب کے پالنے والے! ہماری مصیبتوں کو دور، اور مشکلوں کو آسان کر۔"
جب ہم سے کوئی گناہ ہوجائے تو اپنی زبان سے اُسکا اقرار کرتے ہوئے دعا کریں کہ "پروردگار! ہماری خطاؤں کو معاف فرما، گناہوں کو بخشدے اور ہمیں نیک کاموں کی توفیق دے۔"

پیارے بچو! زبان کو تم کوئی معمولی چیز نہ سمجھو اور اُسے نرا گوشت کا لوتھڑا ہی نہ جانو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے اور اس میں بڑے بڑے گُن بھرے ہوئے ہیں مگر یہ بھی یاد رکھو کہ یہ جتنی فائدہ مند ہے اتنی ہی خطرناک اور نقصان دہ بھی ہے۔ تم تعجب کروگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اچھا سُنو۔

اگر یہ انسان کے قبضہ میں ہے اور من مانی کام نہیں کرتی تو یہ ہر طرح سے فائدہ کی چیز ہے۔ ایسی حالت میں یہ انسان کی مددگار ہے، اُسکی نیک نامی اور شہرت کا سبب ہے اور اُس کی ناموری کا ذریعہ ہے۔ یہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ہر ایک کو انسان کا دوست بنا دیتی ہے اور اُسکی تمام مشکلوں کو آسان کرتی ہے۔

دنیا میں جتنے ولی، نبی، رشی اور منی گذرے ہیں سب نے پہلے اس پر قابو حاصل کیا۔ بُرے الفاظ اور ناشایستہ باتوں کے کہنے سے اسے روکا اور جھوٹی باتوں سے اسے بچایا۔ اُنھوں نے ہر ایک سے نرمی کے ساتھ باتیں کیں اور یہ خیال رکھا کہ اُنکی باتوں سے کسی کا دل نہ دُکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُنکا نام دنیا میں روشن ہے اور عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

ایسی زبان جو انسان کے قابو میں نہ ہو، دو کوڑی کی ہے جس شخص کی زبان اُس کے قابو میں نہیں، سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے ایک ناگن پال رکھی ہے جس کے زہر کا کوئی اُتار نہیں۔ ایسی زبان بہت ہی خطرناک اور رنج پہنچانے والی ہے۔ یہ کبھی اپنی رکھائی اور سخت کلامی سے اس کو انسان کا دشمن بنا دیتی ہے کبھی اپنی بے موقع باتوں سے اُسے شرمندہ کرتی ہے۔ کبھی اُسکے راز کی باتوں کو ظاہر کرکے اُسے ذلیل اور بدنام کرتی ہے۔ اور کبھی جھوٹ بولکر اُسے مصیبت میں پھنسا دیتی ہے۔ اسی نے یہ کہہ کر کہ "اے خداوندکریم! کیا تو ایسے کو دنیا میں حکومت کرنیکو بھیجنا چاہتا ہے جو وہاں دنگا فساد کرے!" تمام فرشتوں کو نیچا دکھلا دیا۔ اسی نے ابلیس ایسے زاہد اور عابد کو یہ کہہ کر کہ "آدم خاک سے ہے اور میں آگ سے ہوں میں اُسے سجدہ نہیں کرسکتا" فرشتوں کے زمرے سے نکلوا دیا اور کہیں کا نہ رکھا۔ اسی نے خود تو گیہوں کھایا اور حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکلوایا۔

پس اے عزیز بچو! اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں نام پیدا کرو، عزت حاصل کرو، اچھے کہلاؤ اور ہر دلعزیز بنو تو سب سے پہلے اپنی زبان درست کرو یعنی سچ بولو۔ بُرے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرو۔ ہر ایک سے ہنس مکھ ہوکر باتیں کرو۔ جو بات کہو سوچ سمجھکر۔ جو بات کرو موقع محل سے۔ ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ تمہاری زبان سے کوئی ایسا جملہ نہ نکلے جو کسی کو ناگوار گزرے اور اُس سے کسی کے دل کو ٹھیس لگے یاد رکھو! کہ اگر تم نے اپنی زبان قابو میں کرلی اور اسے سدھار لیا تو پھر کوئی بُرائی تم میں نہیں پیدا ہوسکتی۔

سائنس

بحری تار برقی

بحری تار برقی کی تاریخ

تھوڑے فاصلے پر پانی کے اندر برقی تار بھیجنے کے لئے خشکی کی تار برقی سے قبل ہی ۱۸۴۲ء میں کوشش کی گئی اور تار برقی کے موجد مورس کی پیشنگوئی تقریباً پچیس ۲۵ برس کے بعد ہی پوری ہوگئی ۱۸۵۱ء میں ڈوور اور کیلے کے درمیان بحری تار ڈالا گیا اور آیندہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سلسلے انگلینڈ کے مختلف حصوں اور یورپ کے درمیان قائم کئے جانے لگے۔ سب سے بڑا سلسلہ ایک سو ستر میل لمبا تھا جبکہ سائیرس فیلڈ ایک امریکی سرمایہ دار نے امریکہ سے آئرلینڈ تک دو ہزار میل کے فاصلہ میں بحری تار ڈالنے کی تجویز سوچی اس منصوبہ کا استقبال مذاق اور بے اعتمادی سے کیا گیا اور انگلستان کے ایک نامور سائنس داں نے دنیا میں اعلان کیا کہ اتنی گہرائی میں حفاظت سے برقی تار ڈالنا ریاضیاتی ناممکنات میں سے ہے اور اگر یہ ممکن بھی ہو تو اتنے طول میں برقی اشاروں کا پہنچنا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا لیکن مسٹر فیلڈ کے عزم کو ایسی نقطہ چینی سے کوئی جنبش نہ ہوئی اور اس نے ایک کمپنی قائم کی جس نے کہ ۱۸۵۴ء میں پچاسی میل لمبا تار ڈالا جو کہ سینٹ جونس اور نیو فاؤنڈلینڈ کو کیپ بریٹن اور کینیڈا سے ملاتا تھا اس طرح اس نے بحر اوقیانوس کے پار سب سے پہلا سلسلہ قائم کر دیا فیلڈ نے اس کے بعد انگلستان میں ایک کمپنی قائم کی تاکہ باقی ماندہ اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روپیہ فراہم کیا جائے اس کے سب سے پہلے شریک کار سر چارلس برائیٹ اور لارڈ کیلون تھے سرمایہ کی فراہمی کے بعد تانبے اور لوہے کے تاروں کو گوندھ کر تین لاکھ چالیس ہزار پانسو میل لمبا تار تیار کیا گیا جو کہ چاند تک پہنچنے کے لئے بھی کافی سے زیادہ تھا برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی گورنمنٹ نے Agamemnon (اگامیمنن) اور Niagara (نیاگرا) دو جہاز علی الترتیب عاریتاً انکو دیئے۔ اس منصوبہ عظیم کی ابتدا ۱۸۵۷ء میں ہوئی یہ وہی سال تھا جبکہ میں تار برقی کا سب سے پہلا سلسلہ براعظم امریکہ کے پار مکمل ہوا بحری تار ڈالنے کی ابتدا افتتاحی رسوم کی ادائیگی کے بعد آئرلینڈ کے ساحل سے کی گئی۔ لیکن چار سو میل تک ڈالنے کے بعد تار کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن اس واقعہ سے فیلڈ اور برائیٹ کو کوئی مایوسی نہ ہوئی اور آیندہ سال ہی انہوں نے دوبارہ کوشش جاری کر دی اور وہی دونوں جہاز وزنی بحری تار کا کچھ حصہ لادے ہوئے دوبارہ ایک دوسرے سے سمندر کے وسط میں ملے دونوں تاروں کے سروں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا۔ اور جہاز مخالف ساحلوں کی طرف تار کو پھیلاتے ہوئے روانہ ہوئے کچھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد تار کا سلسلہ تین مرتبہ ٹوٹا اور تینوں مرتبہ از سر نو جوڑا گیا لیکن یہ سب بیکار ثابت ہوا اور چوتھے انقطاع BREAK کے بعد اس کوشش کو بالکل ترک کرنا پڑا۔ اس وقت ان بدقسمت ہستیوں پر تمسخر اور استہزار کی بوچھاڑیں چاروں طرف سے پڑنے لگیں اور انکو دوبارہ اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے روپیہ کی فراہمی میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخرکار وہ کامیاب ہوئے اور دوسرے سال وہی جہاز پھر ایک دوسرے عین سمندر کے وسط میں ملے پھر اسی طرح تار ایک دوسرے سے جوڑے گئے اور جہازوں نے اپنی راہ لی۔ اس مرتبہ دونو جہاز نہایت ہی احتیاط سے چلے مگر راستے میں تیرتے ہوئے برف کے تودوں کی موجودگی اور ویل مچھلی کے نمودار ہونے سے ایک مرتبہ پھر انکی امیدوں پر یاس کا رنگ نظر آنے لگا آخرکار ۵ اگست ۱۸۵۸ء کو دونوں جہاز اپنے اپنے ساحل مقصود پر جا لگے اس طرح وہ دو ہزار میل لمبا تار بچھانے میں کامیاب ہو گئے سمندر کے دونوں ساحلوں پر پر مسرت و شادمانی کے آثار نمایاں تھے انگلستان اور امریکہ کے درمیان اتحاد کی ایک نئی گرہ لگ جانے سے ملکہ وکٹوریہ اور بکینن صدر جمہوریہ کے مابین مبارکبادی کے بحری پیغامات کا تبادلہ ہوا اور وہ لوگ جنہوں نے اس مہم کو استقلال اور تحمل کے ساتھ سر کیا انکو عوام و خواص کی موجودگی میں سرفراز کیا گیا تقریباً تین ماہ کے بعد پیغام رسانی کی قوت میں آہستہ آہستہ کمزوری نمودار ہونا شروع ہوگئی اور آخرکار بالکل ختم ہو گئی تار طاقتور برقی رو کے عمل سے جل گئے لہذا اس کار عظیم کو پھر سے

سرے سے شروع کرنا پڑا۔ عوام کا اعتماد اُٹھ جانیکے باوجود فیلڈ اور برائیٹ کے پایہ استقلال کو اب بھی کوئی جنبش نہوئی امریکہ کی اندرونی جنگ نے اس مہم کو آئندہ سات سال تک ملتوی کر دینے پر مجبور رکھا اس اثنا میں لارڈ کیلون نے اپنا نازک ایصالی آلہ مکمل کرلیا اور فیلڈ نے جدید سرمایہ کی فراہمی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اگرچہ فیلڈ نہایت بُری طرح سے بحری بیماری کا بار بار شکار ہوتا تھا لیکن اس مہم کو سر کرنیکے لئے وہ بحر اوقیانوس کے آر پار چونسٹھ مرتبہ گیا بالآخر ۱۸۶۵ء میں فیلڈ اور کیلون نے اُس وقت کے سب سے بڑے جہاز میں نیا بحری تار لادکر بچھانا شروع کیا جب آدھا فاصلہ ختم ہوچکا تو وہ تار ٹوٹ کر غرق آب ہوگیا آئندہ سال دونو شخص پھر اسی بڑے جہاز پر بحری تار پھیلاتے ہوئے پائے گئے اس مرتبہ آخر کار اُنکی کوشش بار ور ہوئی اس جہاز کی واپسی نے گذشتہ سال کے غرق شدہ تار کو بھی نکالنے میں کامیابی حاصل کی اور اسکو ایک نئے حصہ سے جوڑ کر یورپ اور امریکہ کے درمیان بحری تار کے دوسرے سلسلہ کو مکمل کرنیکے بعد جہاز ساحل پر آگیا بحری تار کی تیاری اور ترمیم اور اُسکے بچھانیکی کوشش جاری رہی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے اور بحری سلسلے قائم ہوگئے۔ اس وقت تقریباً ۱۵ بحری تار کے سلسلے بحر اوقیانوس میں موجود ہیں جن میں سے نو کام دے رہے ہیں ان میں سے بہت سے اُسی سطح مرتفع کے ساتھ پھیلائے گئے ہیں جس پر کہ سب سے پہلا سلسلہ قائم کیا گیا تھا اس سطح مرتفع کو تار برقی سطح مرتفع کہتے ہیں، یہ اس لئے کہ یہ نسبتاً مسطح اور تقریباً دو میل کی گہرائی میں ہے اور نرم ۲۴ ۵۵ سے ڈھکی ہوئی ہے جو کہ بحری تار کے پھیلانے میں بہت ممد ہوتی ہے انگریزی اور امریکی افسر جنہوں نے اپنی صبر آمیز کوششوں سے اس سطح مرتفع کا انکشاف کیا اُنکا شمار اُن لوگوں میں ہونا چاہیئے جنکی انتھک کوششوں نے بحر اوقیانوس کے آر پار کے بحری تار کے سلسلے کو کامیاب بنایا بحر الکاہل میں بحری تار کا بچھانا اسکی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے بحر اوقیانوس کی نسبت زیادہ مشکل ہے بحر الکاہل میں سب سے پہلا بحری تار کا سلسلہ ۱۹۰۲ء میں قائم ہوا جس نے VEIN COVE X اور کینیڈا کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے ملا دیا یہ سلسلہ تقریباً آٹھ ہزار میل لمبا ہے جس نے اس سلسلے کو مسلسل بحری تار کی حیثیت سے دنیا میں سب سے لمبا سلسلہ بنا دیا ہے بحر الکاہل کا دوسرا بحری سلسلہ جو کہ فرانسسکو سے منیلا تک پھیلا ہوا ہے دوسرے سال میں پایہ تکمیل کو پہنچا یہ سلسلہ چند اور جزیروں سے ہوتا ہوا جاپان تک پہنچ جاتا ہے بحری تار کا یہ عجیب و غریب سلسلہ سمندر کی تہ میں پہاڑوں اور وادیوں سے گذرتا ہوا جاتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے دوران جنگ میں غنیم کے علاقہ کے بحری تار کے سلسلے کو قطع کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے چنانچہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں بحر اوقیانوس کے اُن تمام سلسلہائے تار برقی کو جو کہ جرمنی کو دوسرے ممالک سے ملاتے تھے اتحادیوں نے منقطع کر دیا۔ (عبد اللطیف دادا بھائی متعلم نیشنل مسلم اسکول رنگون ملحقہ جامعہ ملیہ دہلی)

صفحہ ۹ کا بقیہ مضمون

یہاں ایک قسم کی شراب بھی ہوتی ہے۔ لیکن پینے کا طریقہ عجیب ہے۔ شراب بوتلوں میں رہتی ہے جب کوئی پینا چاہتا ہے تو بوتل کو اپنے منہ سے چند انچ دور رکھ کر شراب منہ میں اُنڈیل لیتا ہے۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ ایک ہی بوتل سے کئی آدمی بغیر اسے صاف کئے شراب پی سکتے ہیں اور دوسرے پیالیوں وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

ان کے عقاید بھی عجیب ہیں۔ ہر کھیت میں ایک سرو کے درخت کا ہونا ضروری ہے تاکہ شیطان آکر کھیت کو خراب نہ کرجائے۔ اگر کوئی آدمی سفر پہ جانے لگے اور راستہ میں اُسے سفید بلی دکھائی دے تو وہ واپس آجاتا ہے کیونکہ سفید بلی تکالیف و مصائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے

تہذیب کی ہر چیز سے ان لوگوں کو نفرت ہے۔ جب اسپین کی طرف سے ریاست میں پہلی سڑک بنائی گئی تو لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور رونے پیٹنے لگے۔ بڑی مشکلوں سے ان لوگوں کو سڑک بنانے پر مجبور کیا گیا۔

چند سال ہوئے کوشش کی گئی تھی کہ یہاں ریل جاری کیجائے۔ کام شروع بھی ہوگیا تھا لیکن یہ دیکھتے ہی ریاست کے تمام باشندے مسلح ہوکر گھروں سے نکل آئے اور مجبوراً اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا۔ یہاں کوئی اخبار بھی نہیں۔ ایکمرتبہ اسپین کے ایک اخبار نویس نے یہ کوشش کی تھی کہ ان کو اخبار مہیا کئے جائیں۔ مگر اس میں ناکامی ہوئی۔

بلجیم، فرانس اور جرمنی کی سرحدوں پر بھی ایک ریاست The dutch of Luxemburg ہے۔ اسکا رقبہ بہت ہی چھوٹا ہے اور آبادی ایک لاکھ سے بھی کم ہے۔ ریاست کی زبان جرمنی ہے۔ یہاں کا قلعہ یورپ میں جبرالٹر کے بعد سب سے زیادہ مستحکم قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ دار الخلافہ کا نام لکسمبرگ Luxemburg ہے

اس کے علاوہ پولینڈ کے پاس ایک اور چھوٹی سی آزاد ریاست The Free city of Danzig ہے جسکی آزادی ۱۹۲۰ء میں تسلیم کی گئی تھی۔ یہ ریاست جمعیۃ الاقوام کی حفاظت میں ہے اسکا رقبہ ۵۴ مربع میل اور آبادی ...... ہے۔ اس کا تعلق پہلے زمانہ میں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے بہت رہا ہے۔ اس لئے یہاں کے دو مقامات کے نام قدیم اسکاٹ لینڈ

جغرافیہ

یورپ کی ننھّی منّی ریاستیں

اسی قسم کی ایک اور ریاست اطالیہ کے پاس بحیرۂ اڈریاٹک سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر ہے اور جس کا نام سین میرینو (San Marino) ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزادی جیسا پیدائشی حق حاصل کیا تھا۔ اس ریاست کا رقبہ کوئی ۳۶ مربع میل ہے۔ "بارگو" نامی شہر یہاں کی تجارت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ سڑک پر ہر وقت بیل گاڑیاں چلتی رہتی ہیں اور یہی ذریعہ آمد و رفت اور درآمد و برآمد کا ہے۔ مہینہ میں ایک دفعہ بازار لگتا ہے اور خوب چہل پہل رہتی ہے۔ "سانی مارینو" حکومت کا مرکز ہے۔ حکومت کا طریقہ جمہوری سا ہے۔ بادشاہ کے علاوہ ایک کونسل رہتی ہے جس میں کوئی آدمی اپنے باپ کے زمانۂ رکنیت میں اس کا رکن نہیں ہوسکتا۔ ہر خاندان میں صرف ایک ہی آدمی رُکن بن سکتا ہے۔

یہاں کے رسم و رواج بھی عجیب و غریب ہیں مثلاً ہر ایک کو اپریل کی پہلی تاریخ کو طلوع آفتاب سے پہلے بیدار ہونا ضروری ہے جو ایسا نہیں کرتا اسکو خچر پر سوار کرا کے تمام شہر میں پھراتے ہیں اور لوگ اسکو خوب ستاتے اور مذاق اُڑاتے ہیں۔

سان مارینو کے اپنے سکہ اور ٹکٹ ہیں لیکن اطالیہ کے سکے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے بموجب اس ریاست میں تمباکو کی کاشت نہیں ہوسکتی بلکہ سال میں ایک مرتبہ اطالیہ سے تمباکو یہاں آتا ہے اور اس کے بدلے سفید نمک وہاں جاتا ہے۔

سان مارینو کی فوج میں کل سپاہی ڈیڑھ ہزار ہیں۔ تقریباً ہر ایک نوجوان کو ایک خاص زمانہ تک فوجی خدمت کرنا پڑتی ہے۔ وہاں کا قانون ہے کہ ہر ایک آدمی کے پاس ایک بندوق اور کچھ کارتوس ضرور ہونے چاہئیں چونکہ باشندے زراعت پیشہ ہیں اس لئے تھوڑا سا محصول لیا جاتا ہے۔

فرانس اور اسپین کی سرحدوں پر ایک ریاست Andorra ہے اسکا رقبہ ایک سو نوے مربع میل اور آبادی ۶۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ یہ ایک قدرتی اور جمہوری ریاست ہے اور اسپین اور فرانس کی مشترکہ حفاظت میں ہے۔ اس کے باشندوں یعنی تہتیوں نے مشکل سے کبھی اپنی حدود سے باہر قدم رکھا ہوگا۔ نئی تہذیب کی روشنی یہاں بالکل نہیں پہنچی۔ یہ ریاست نویں صدی سے آزاد چلی آتی ہے۔ حکومت کے تمام انتظامات ایک صدر اور ایک کونسل کرتی ہے۔ کونسل کے اراکین کی ماہوار تنخواہ دس شلنگ اور صدر کی پانچ پونڈ ہے۔ یہ ریاست چھ سیاسی حصوں میں منقسم ہے جہاں کے لوگ اراکین کا انتخاب کرتے ہیں کونسل کا اجلاس مہینہ میں پانچ مرتبہ دارالخلافہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں ہوتا ہے۔ غیر شادی شدہ شخص کونسل کا رکن نہیں ہوسکتا۔

کونسل کے اراکین جب پہلی مرتبہ جمع ہوتے ہیں تو اس عمارت کی دوسری منزل میں جلسہ کرتے ہیں، اور اپنے خچروں اور گھوڑوں وغیرہ کو نیچے کے کمرے میں باندھ دیتے ہیں۔ اسی جلسہ میں وہ اپنا صدر منتخب کرتے ہیں جسکا دوبارہ انتخاب نہیں ہوسکتا ہے اس کے علاوہ فرانس اور اسپین کی طرف سے دو آدمیوں کا انتخاب ہوتا ہے جو فوجی انتظام کرتے ہیں۔

انڈوریا کا راستہ فرانس کی طرف سے ایک درہ میں سے ہوکر جاتا ہے برف باری کی وجہ سے چھ چھ مہینہ کے لئے یہ راستہ بند ہوجاتا ہے اور تمام آمد و رفت اسپین کی طرف سے ہوتی ہے۔

تمباکو کی کاشت یہاں بہت ہوتی ہے۔ اور یہاں کا سب سے بڑا پیشہ "ناجائز تجارت" ہے۔ یہ معزز پیشوں میں شمار ہوتا ہے جب لڑکا بڑا ہوتا ہے تو اسکو اسکی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے لئے لڑکے کو نہ صرف چالاک بلکہ مضبوط جسم کا بھی ہونا چاہیئے۔

اس پیشہ کے علاوہ لوگ زراعت کرتے ہیں۔ تمام دن کھیتوں میں کام ہوتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ بھیڑ بکریاں بھی چراتے ہیں۔ عورتیں کپڑا بنتی ہیں اور لوگ چمڑے کا کام اور مٹی کے برتن بنانیکا کام کرتے ہیں۔

نظم

عید کا چاند نظر آیا ہے

باغِ عالم میں بہار آئی ہے — شادمانی کی گھٹا چھائی ہے
مسکراہٹ ہے لبوں پر آتی — پھرتی ہے بادِ صبا اتراتی
آسماں پر ہیں خوشی کے تارے — رنج و غم دور ہوئے ہیں سارے
ہر کوئی شاد نظر آتا ہے — ہر گھر آباد نظر آتا ہے
ننھے بچے بھی نہیں روتے ہیں — چھوٹے بچے بھی نہیں سوتے ہیں
آج ہر شخص ہی خوش اور شاداں — اپنی قسمت پہ ہر اک ہے نازاں
ہے ہر اک دل پہ مسرت طاری — اور یہ بات زباں پر جاری
"کل ہے عید آج کریں تیاری — رات اسی طرح سے گزری ساری
یہ دن اللہ نے دکھلایا ہے — عید کا چاند نظر آیا ہے"

مولوی شفیع الدین صاحب نیّر

قصے کہانیاں

پوری جو کڑھائی میں سے نکل بھاگی

گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اور اسکی بیوی۔ کسان کا نام تھا منسا اور اُسکی بیوی کا گریا۔ ان کے پاس روپیہ پیسہ اچھا خاصہ تھا مگر گھر میں کام کرنے والے آدمی کم تھے۔ اس لئے ہمیشہ دوسروں سے یا تو مزدوری پر کام لینا پڑتا تھا یا میٹھی بات کرکے۔

بیساکھ کا مہینہ تھا۔ منسا کے کھیتوں میں گیہوں کی فصل خوب ہوئی تھی۔ اور کھیت کٹ بھی چکے تھے۔ اب بالیوں پر دائیں چلاکر دانے نکالنا باقی تھا۔ دوسرے سب کسان بھی اپنے اپنے کام میں لگے تھے تم جانو ان دنوں جب فصل کٹتی ہے تو سب ہی کو تھوڑا بہت کام ہوتا ہے۔ اس نے بہتیرا چاہا کہ کوئی مزدور ملے، مگر نہ ملا۔ اُدھر آسمان پر دو ایک دن سے بادل آنے لگے اور ڈر تھا کہ کہیں پانی پڑ گیا تو سب دانے خراب ہو جائیں گے۔

ایک دن بیچ میں کوئی تہوار آگیا۔ سب کسانوں نے اپنے یہاں کام بند رکھا۔ اس لئے گاؤں میں بہت سے آدمیوں کو چھٹی ہوگئی۔ منسا ان کے پاس گیا اور مشکل سے پانچ آدمیوں کو پھسلا پوتھ کر لایا کہ بھائی ہماری دائیں چلا دو۔ گھر میں آکر بیوی سے کہا کہ تہوار کا دن ہے یہ لوگ آج کام کو آئے ہیں دوپہر کو انھیں پوریاں کھلانا۔

کوئی گیارہ بجے بیوی نے چولھے پر کڑھائی چڑھائی۔ کپّی بھر کڑوا تیل کڑھائی میں ڈالا آٹے کی ایک چھوٹی سی ٹکیا بنا کر پہلے تیل میں ڈالی اور جب تیل گرم ہوکر خوب کڑکڑانے لگا تو یہ ٹکیہ نکال لی اس سے کڑوے تیل کی ہیک کم ہو جاتی ہے۔ اب بیلن پر بیل بیل کر کڑھائی میں پوریاں ڈالنی شروع کیں۔ کچھ پوریاں پک گئیں تو باورچی خانہ میں کسان کا بیٹا بدھو جانے کہاں سے آیا اور ادھر اُدھر چیزیں کھکورنے لگا۔ اور ناک سے برابر سُڑ سُڑ سُڑ سُڑ کرتا جاتا تھا۔ ہونٹوں پر ناک بہہ رہی تھی۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پلو سے اس زور سے ناک پونچھی کہ بدھو کن کن کرتا ہوا باورچی خانہ سے چلایا

کڑھائی میں جو پوری پڑی تھی وہ اتنی دیر میں جلنے لگی اور اسے بُرا لگا کہ بدھو کی ماں نے اس کا ذرا خیال نہ کیا اور کتنی دیر جلتے ہوئے تیل میں اسے رکھ کر تکلیف دی۔ بدھو کی ماں نے جلدی سے جو اسے پلٹنا چاہا تو یہ اور چڑھ گئی اور جھٹ سے کڑھائی میں سے کود کر بھاگ کھڑی ہوئی کہ تم بدھو کی ناک پونچھو میں تو جاتی ہوں۔



بدھو کی ماں نے بہت چاہا کے اسے پکڑے مگر وہ کہاں ہاتھ آتی ہے جھٹ گھر میں سے نکل کھیت کی طرف بھاگی۔ راستہ میں منسا اور اسکے پانچوں دوست دانوں پر دائیں چلا رہے تھے۔ یہ پوری ان کے پاس سے گذری اور کہا کہ میں بدھو کی ماں سے بچ کر کڑھائی سے نکل کر آئی ہوں تم سے بھی بچ کر نکلونگی۔ لو مجھے کوئی پکڑ دو تو۔ ان آدمیوں نے جب دیکھا کہ اچھی پکی پکائی پوری یوں پاس سے بھاگی جا رہی ہے تو کام چھوڑ کر اسکے پیچھے ہو لئے۔ مگر وہ بھلا کہاں ہاتھ آتی ہے یہ سب دوڑتے دوڑتے ہانپ گئے اور لوٹ آئے۔



کھیت سے نکل کر پوری کو بنجر میں ایک خرگوش ملا۔ اسے دیکھکر پوری بولی" میں تو کڑھائی سے نکل کر، بدھو کی ماں سے بچکر، اور چھ جوان آدمیوں کو تھکا کر آئی ہوں۔ میاں جھپٹ دُمے خرگوش تم سے بھی نکل بھاگونگی"۔ خرگوش کو یہ سُن کر اور ضد ہوئی اور اُس نے بڑی تیزی سے اسکا پیچھا کیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ بی پوری ایک



جھٹ میں نہ گھس گئیں ہوتیں تو اس جھپٹ دُمے نے پکڑ ہی لیا تھا۔ مگر جھٹ میں یہ لومڑی کے ڈر سے نہ گیا۔

پوری جو جھٹ میں گھسی تو واقعی اس میں لومڑی بیٹھی تھی۔ اس نے جو دیکھا کہ یہ ایک پوری گھسی چلی آتی ہے تو جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی کہ اب آگئی ہے تو جائیگی کہاں۔ مگر پوری اُلٹے پاؤں لوٹی اور یہ



کہتی ہوئی بھاگی" کہ میں تو کڑھائی میں سے نکلکر، بدھو کی ماں سے بچ کر، چھ جوان آدمیوں کو تھکا کر، اور میاں جھپٹ مٹ دُمو خرگوش کو اُلو بنا کر آئی ہوں۔ بی مٹ دمی لومڑی میں تمہارے بس کی بھی نہیں"۔

لومڑی نے کہا" کہاں جاتی ہے۔ ٹھہر تو۔ تیری شیخی کا مزہ تجھے بتاتی ہوں" اور پیچھے لپکی۔ مگر پوری تھی بڑی چالاک اس نے جھٹ سے ایک کسان کے مکان کا رُخ کیا اور لومڑی بھلا کتوں کے ڈر کے مارے ادھر کیسے جاتی۔ لاچار رُک گئی۔

کسان کے مکان کے قریب ایک دبلی سی بھوکی کتیا اور اسکے پانچ بچے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ انھوں نے بھی ارادہ کیا کہ اس پوری کو چٹ کریں۔ پوری نے کہا" میں کڑھائی میں سے نکلکر، بدھو کی اماں سے بچکر، چھ جوان مردوں کو تھکا کر، میاں جھپٹ دموسے خرگوش کو اُلو بنا کر اور بی مٹ دمی لومڑی کو چونا لگا کر آئی ہوں۔ اجی بی لپ لپ میں تمہارے بس کی بھی نہیں۔



کتیا بڑی ہوشیار تھی۔ آگے کو منہ بڑھا کر جیسے بہرے لوگ کرتے ہیں کہنے لگی" بی پوری کیا کہتی ہو۔ میں ذرا اونچا سنتی ہوں" پوری ذرا قریب کو آئی اور کتیا نے بھی بہروں کی طرح اپنا منہ اسکی طرف اور بڑھایا۔

پوری پھر وہی کہنے لگی" میں کڑھائی میں سے نکل کر، بدھو کی ماں سے بچ کر، چھ چھ جوان مسٹنڈوں کو تھکا کر، میاں جھپٹ دمے خرگوش اور بی مٹ دمی لومڑی کو اُلو بنا کر آئی ہوں۔ اجی بی لپ لپ۔۔۔" اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ کتیا نے منہ مارا "خپ"۔ اور آدھی پوری اس کے منہ میں آگئی۔ اب جو آدھی پوری بچی تھی وہ ایسی تیزی سے بھاگی اور آگے جا کر نہ معلوم کس طرح زمین کے اندر گھس گئی کہ کتیا

کوائفِ جامعہ

اساتذہ جامعہ نے جامعہ کے اخراجات میں کمی کرنیکے لئے سب سے پہلے اپنی تنخواہوں میں قطع و برید کرنیکی طرف عملی قدم اُٹھایا تھا، اس جذبہ سے متاثر ہوکر جامعہ کے ایک ہونہار فرزند علی احمد خاں بی ایس سی نے جو اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون میں ہردلعزیز اُستاد ہیں، رنگون میں ایک جماعت قائم کی جو جامعہ کی مالی امداد کے علاوہ اسکے مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت میں بھی نمایاں حصہ لے، چنانچہ رسالہ جامعہ و پیام تعلیم کے متعدد خریدار اس مخلص کارکن نے رنگون سے مہیا کئے ہیں اور ایک ہزار سے اوپر رقم ڈیڑھ سال سے کم عرصہ میں جامعہ میں بھجوائی ہے۔

ہم ان موصولہ رقومات کی تفصیل تاریخوار درج کرتے ہیں تاکہ "انجمن خدام جامعہ" کے اراکین اپنی کتابوں سے ان کی تصدیق کرسکیں،

تاریخ	رقم
۲۵؍ اگست سنہ ۱۹۲۸ء	۵۲ — ۶ — ۰
۲۷؍ ستمبر سنہ ۲۸ء	۸۰ — ۰ — ۰
۷؍ نومبر ،،	۱۱۰ — ۰ — ۰
۱۲؍ دسمبر سنہ ۲۸ء	۸۵ — ۰ — ۰
۲۴؍ دسمبر سنہ ۲۸ء	۵۰ — ۰ — ۰
۵؍ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	۵۰ — ۰ — ۰
۲۷؍ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	۵۰ — ۰ — ۰
۲۸؍ فروری ،، ،،	۱۰۰ — ۰ — ۰
۲؍ اپریل ،، ،،	۸۰ — ۰ — ۰
۲۴؍ جون	۱۵۰ — ۰ — ۰
۲۷؍ جولائی سنہ	۵۰ — ۰ — ۰
۱۲؍ اگست سنہ ۱۹۲۹ء	۳۵ — ۰ — ۰
۲۳؍ اگست ،، ،،	۵۰ — ۰ —
۲۱؍ ستمبر ،، ،،	۵۰ — ۰ — ۰
۲۲؍ نومبر ،، ،،	۶۰ — ۰ — ۰
۲۱؍ دسمبر ،، ،،	۵۰ — ۰ — ۰
میزان	۱۱۰۲ — ۶ — ۰

ہم علی احمد خاں صاحب اور ان کے رفقائے کار کی اس محنت، محبت اور سچی خدمت کی دل سے قدر کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے ارادوں اور ہمت میں برکت عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شوال کی چاند رات کو انجمن اتحاد کے زیرِ اہتمام ایک تفریحی جلسہ منعقد ہوا، باہر کے بھی کچھ معزز مہمان شریک تھے، ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب جو اس جلسہ کیلئے موزوں ترین شخص تھے صدر بنائے گئے۔ جناب ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ نے طلبہ کی درخواست پر دو شعر سنائے جس سے جماعت طلبہ اور دوسرے معززین بہت محظوظ ہوئے، اس کے بعد باری باری چھوٹے اور بڑے طلبہ نے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھے، اشعار پڑھنے والوں میں نہ صرف ہندی طلبہ تھے بلکہ اُن طلبہ نے بھی اس میں حصہ لیا تھا جو چین اور جاوا کے تھے۔ ایک مالدیپ کے رہنے والے طالب علم نے بانسری اس انداز سے بجائی کہ ہر شخص داد دینے پر مجبور تھا، مگر اس جلسہ کے ہیرو حقیقتاً ہمارے صدر صاحب تھے، صاحب موصوف جنکو موسیقی سے فطری ذوق تھا اس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اب آپکا شمار اس فن کے جاننے والوں میں ہے۔ بہرحال ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب نے ہمارے تفریحی جلسہ کو کامیاب بنایا۔ ہم صاحب موصوف کے شکرگذار ہیں،

بقیہ صفحہ نمبر ۱۲

ڈھونڈھتے تھک گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ کتیا نے اپنے پانچوں بچوں کو بلایا کہ ذرا ڈھونڈو تو سہی لیکن بی پوری کا کہاں پتہ لگتا ہے۔ اس کتیا نے اور اسکے بچوں نے ساری عمر اس آدھی پوری کو ڈھونڈا مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملی۔ ابھی تک سارے کتے اسی آدھی پوری کی تلاش میں ہر وقت زمین سونگھتے پھرتے ہیں کہ کہیں سے اسکا پتہ چلے تو نکالیں۔ اس نے ہماری دادی اماں کو دھوکہ دیا تھا مگر اس آدھی پوری کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

بچوں کے کھیل

بید اور باجے سے

آیئے ہم کچھ لڑکے جمع ہو جائیں اور ایک کھیل کھیلیں ایک لڑکے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجئے اور باقی لڑکے اس کے ارد گرد دائرہ میں کھڑے ہو جائیں۔ اور جسکی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے اسکے ہاتھ میں ایک بید دیدیجئے اور ایک لڑکا باجا بجانا شروع کرے جب تک باجہ بجے تمام دائرہ کے لڑکے خوشی خوشی اچھلتے ہیں اور جسوقت باجا بند ہو جائے تمام لڑکے چپ چاپ کھڑے ہو جائیں اس وقت جو لڑکا اندھا بنا ہوا ہے وہ اپنی لکڑی سے کسی ایک لڑکے کی طرف اشارہ کرے جسکی طرف سے وہ اشارہ ہو وہ اس بید کو پکڑے پھر اندھا لڑکا کسی پرند یا چوپائے کی بولی بولے اسی آواز کو وہ لڑکا دھرائے جو پکڑے ہوئے ہے اب اندھا لڑکا آواز پہچان کر اگر اسکا نام بتا دے تو وہ چور ورنہ پھر کھیل جاری رکھیں۔

لکڑی اور کاغذ

ایک ہال میں کارڈ کے برابر کچھ کاغذ لیکر چاروں طرف بکھیر دیجئے اور تمام لڑکے ہال کی دیواروں کی برابر کھڑے ہو جائیں۔ کارڈ پر کچھ نمبر لکھ دیجئے۔ اور کارڈ کو موڑ توڑ کر ڈالدیجئے۔ ایک لڑکے کی پٹی سے آنکھیں باندھ دیجئے اور اس کے ہاتھ میں ایک بہت نوک دار لکڑی دیجئے اور ایسی نوکدار جو کاغذ پر چبھ جائے اور کاغذ اس میں لگ جائے۔ پھر اندھے لڑکے سے کہئے کہ وہ ایک کاغذ کو اپنی لکڑی میں چھبوے اگر ایک دفعہ نہ چھبو سکے تو تین دفعہ اسی طرح کوشش کرے۔ اگر لکڑی میں چھبو لے تو اور نہ چھبوئے تو ہر صورت میں اسے اس کی جگہ لاکر کھڑا کر دیجئے۔ پھر دوسرے کے پٹی باندھئے وہ بھی اسی طرح کرے غرض سب لڑکے اسی طرح کریں جسکے نمبر سب سے زیادہ ہونگے وہ جیتا۔

گدھا اور اسکی دم

ایک بہت بڑے مٹیالے کاغذ سے ایک گدھے کی تصویر کاٹیے۔ مگر تصویر بے دم کی ہو دم علیحدہ سے کاٹ لیجئے۔ اور اس بے دم کی تصویر کو دیوار پر یا دروازے پر چپکا دیجئے۔ ایک لڑکے کی آنکھوں پر پٹی باندھئے اور اسے وہ دم اور ایک پن دیدیجئے اور کہئے کہ وہ اس دم کو اس کی جگہ پر پن سے لگا دے۔ مگر بلا ٹٹولے۔ سب لڑکے باری باری اسی طرح کریں آپ کو بہت لطف آئیگا جب کوئی دم کو منہ پر لگائیگا کوئی پیٹ پر۔ جو صحیح لگا دے وہ جیتا۔

اندھا راج

چار لڑکے ہوں دو کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجئے اور دو کو بلا پٹی کے رہنے دیجئے اور کہئے کہ وہ دو لڑکے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ جائیں اور ایک اندھا اور دوسرا لڑکا جسکے پٹی نہ بندھی ہو وہ آپس میں دوست ہوں۔ تاش کے پتے پھیلا کر میز پر ڈالدیجئے جنکی پٹی نہیں بندھی ہے وہ کہیں گے ہمیں ایک قلعہ بنانا ہے آؤ اینٹیں جمع کریں۔ جنکے پٹی نہیں بندھی ہے وہ معمار ہیں اور جنکی آنکھیں بندھی ہیں وہ مزدور ہیں یہ معمار اپنے اپنے مزدوروں سے اینٹیں جمع کرائیں گے اندھے لڑکے کو وہ صرف منہ سے بتا سکتا ہے کہ اینٹ کا پتہ وہ داہنے کو یا بائیں کو رکھا ہے ہاتھ سے اشارہ نہیں کر سکتا اس طرح جسکے نمبر سب سے زیادہ ہونگے اس کا قلعہ تیار ہوگیا۔

ناشر و طابع:- ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی مطبع:- جید برقی پریس، دہلی (کاتب: عبدالملک ...)

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

ایڈیٹر:۔ سید انصاری بی اے (جامعہ)

نرخنامہ چندہ

سالانہ	عا/
ششماہی	عہ/
فی پرچہ	ا/

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ	لشےہ/
نصف صفحہ	صہ/
چوتھائی صفحہ	سے/

نمبر ۹ ۔ ۱۲ / مارچ سنہ ۱۹۳۰ء ۔ جلد ۸

فہرست مضامین

خبریں

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان کے اندر بلکہ ایک طرح سے ہندوستان کے باہر بھی گزشتہ ہفتہ کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خبر نہیں کہ سابرمتی آشرم کا ایک سادھو اپنے ۷۹ نہتے سپاہیوں کا ایک دستہ لیکر اس زبردست حکومت سے جنگ کرنے کیلئے نکلا ہے جسکے اختیار میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہیں جنکے پاس سیکڑوں مشین گنیں، ہزاروں ہوائی جہاز، بیسیوں جنگی بیڑے اور نہ جانے کتنی قسم کے آلات حرب اور دوسرے سامان جنگ ہیں۔ اس نہتے اور جانباز سردار فوج نے ابتدائے جنگ سے پہلے ایک خط کی صورت میں ہز اکسلنسی وایسرائے کی خدمت میں ایک اعلان جنگ بھی بھیجدیا تھا جس میں اس نے نہایت صاف صاف بتا دیا تھا کہ میں انگریز کا دشمن نہیں ہوں بلکہ انگریزی راج، کا دشمن ہوں جس نے ہمارے اس دیس کو تمدنی، سیاسی، اخلاقی، معاشی ہر حیثیت سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہاں کی تمام دولت انگلستان کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور کارخانہ کے مالکوں کی جیبوں میں جاتی ہے، یا بے ضرورت پولیس اور فوجوں اور حکومت کے بڑے بڑے عمالوں اور عہدیداروں پر صرف ہو جاتی ہے، جسکے برداشت کرنے کیلئے ہندوستان اپنی اس مصیبت اور افلاس کی حالت میں کسی طرح تیار نہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک اپنی ہی تنخواہ لے لیجئے آپ ہندوستان کے خزانے سے ہر ماہ ۱۲ ہزار پاتے ہیں جس کا اوسط یومیہ ۷۰۰ پڑتا ہے۔ برعکس اسکے ہندوستان کی اوسط آمدنی فی کس ۲ آنے یومیہ ہے یعنی آپ ایک اوسط آمدنی رکھنے والے ہندوستانی سے ۵ ہزار گنا زیادہ لیتے ہیں۔ اب اس کے مقابل میں ذرا اپنے وطن انگلستان کی حالت بھی دیکھ لیجئے۔ وہاں کے وزیر اعظم کی تنخواہ ۵۴۰۰ روپیہ ماہانہ ہے جس کا اوسط ۱۸۰ روزانہ پڑتا ہے۔ برعکس اس کے وہاں کے ہر شخص کی اوسط آمدنی ۲ روپیہ فی یوم ہے وہ صرف ۹۰ گنا زیادہ پاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف حیثیتوں سے ہندوستان کو لوٹا، اور کھسوٹا جا رہا ہے اور دنیا کے دوسرے مہذب ملکوں کے مقابلہ میں اسکی یہ 'درشا' ہو رہی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کا، اس انگریزی راج کے ماتحت رہنا کسی طرح مناسب اور ممکن نہیں اور اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ۱۲ مارچ ۳۰ء سے ہندوستان کو انگریزی حکومت کے پنجہ سے چھڑانے کیلئے اس کے تمام ناجائز اور جابرانہ قانونوں کی نافرمانی کیجائیگی، اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے نمک کے محصول کا قانون لیا جائیگا جس کے اثر سے ہندوستان کا کوئی غریب سے غریب گھر بھی محفوظ نہیں۔

چنانچہ ۷۹ آدمیوں کی یہ جماعت اپنے سردار کی سرکردگی میں ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کی صبح بوقت ۶½ بجے آشرم سے نکلی۔ احمد آباد اور اس کے گرد و نواح سے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا ایک کثیر مجمع راتوں رات سابرمتی آشرم کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا اور اسی مجمع کے جیکارا اور فتح کے نعروں میں یہ جماعت سورت کی جانب روانہ ہوئی۔ جہاں سمندر کے کنارے ایک متعینہ مقام پر پہنچکر نمک بنانے میں مصروف ہوگی۔ یہ جماعت ۱۰ میل یومیہ کے حساب سے اپنا سفر طے کریگی اور سب سے پہلی منزل اسلالی میں ہوگی۔ ہر منزل کے لوگوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ اس سرفروشوں کی جماعت کے ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام رکھیں۔ قیام و طعام میں کچھ بہت زیادہ تکلف اور اہتمام کی ضرورت نہیں۔ رہنے کیلئے کھلی ہوا کا ایک برآمدہ ہونا چاہیئے اور بس۔ بستر خود انکا اپنے ساتھ ہوگا۔ کھانے میں معمولی دال، چاول، روٹی اور ترکاری کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا، جو خواہ پکا کر پیش کیا جائے یا کچی جنس ہی کی صورت میں دیدیا جائے۔ اسمیں بھی مرچ اور مصالحہ کی ضرورت نہیں، نیز چائے اور سگرٹ کی بھی سخت ممانعت ہے۔

غرض یہ جماعت اسی طرح منزل بہ منزل اپنا سفر طے کرتی ہوئی یکم اپریل ۳۰ء کو سورت کے مقام پر پہنچیگی، جہاں وہ سب سے پہلے نمک بنانا شروع کریگی۔ اثنائے سفر میں ہو یا منزل مقصود پر پہنچ کر، اندیشہ یہ ہے کہ گورنمنٹ سب سے پہلے سالار فوج کو گرفتار کریگی اور اسکے بعد سپاہیوں کو۔ ہندوستان اور انگلستان دونوں ایوان حکومت میں یہ کھلبلی مچی ہوئی ہے، کہ اس نہتی فوج کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اور کب! ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا ہے کہ اس سالار فوج کو پہلی منزل پہ گرفتار کر لیا جائے یا آگے پہنچکر؟ تمام ہندوستان کی نظریں اس طرف لگی ہوئی ہیں کہ اس حق و صداقت کی جنگ کی کیا رفتار ہوتی ہے؟ ہر ہر گوشہ اور ہر ہر طبقہ سے اسکی تائید و حمایت بلکہ اسکی اعانت و شرکت کیلئے پیامات اور خبریں آ رہی ہیں۔ دنیا کے دور دست مقامات ابھی اس بے طبل و نقارہ کی جنگ کی طرف سے غافل اور بے خبر ہیں لیکن بعض دور افتادہ ملکوں میں جن کے سننے کے کان اور دیکھنے کی آنکھیں ہیں، وہ اس خاموش اور پر سکوت

والدین اور اُستادوں کا صفحہ

بچوں کی تربیت

آدمی دنیا میں کیا کچھ نہیں کرتا مُشکل سے مُشکل کام اسکے ہاتھوں پورے ہوتے ہیں۔ قدرت کے چھپے بھید یہ معلوم کرلیتا ہے۔ بے جان بے زبان چیزوں کے دل سے انکا راز یہ معلوم کرلیتا ہے۔ جیتی چیزوں کو رام یہ کرلیتا ہے۔ اور سب سے کام یہ لے لیتا ہے۔ پر نہیں سمجھتا تو اپنے کو! اب اسکی بھی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن ابھی تک تو کروڑوں آدمی ایسے ہیں جو سب کچھ کر سکتے ہیں، پر آدمی کو آدمی نہیں بننے دیتے۔ اپنے بچوں سے زیادہ کسی کو کیا عزیز ہوگا، اور کون ہوگا جو انکی اچھی تربیت نہ کرنا چاہتا ہو۔ مگر جب بچوں کو سمجھے ہی نہیں اور تربیت کے راز سے واقف ہی نہ ہو تو کیا کرے جیا بچہ آئے دن کی بات ہے کہ اچھے اچھے لکھے پڑھے قابل ماں باپ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں برباد کرتے ہیں اور بچپن میں انکی سیرت میں ایسی برائیوں کے بیج بو دیتے ہیں جو پھر عمر بھر مٹائے نہیں مٹتے۔ کوئی لاڈ پیار سے بچوں کو تباہ کرتا ہے کوئی سختی سے۔

بچوں کی تربیت میں پہلی بات تو والدین کو یہ جاننی چاہیئے کہ بچہ کو تربیت دیکر بنانا کیا ہے؟ بہت سے والدین، سمجھدار اور ذی عقل، چاہتے ہیں کہ بچے اُنکے مطیع ہوں۔ جو وہ کہیں وہ مانا جائے۔ بچے کچھ پوچھیں نہیں، کوئی عذر نہ کریں۔ بس حکم سنیں اور مانیں۔ یعنی یہ لوگ بے جانے اور بے سمجھے مطیع غلام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آرزو بالکل غلط ہے اور بچوں کے لئے بہت مضر۔ تربیت کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ بچہ میں خود اپنی خبرگیری کی قوت پیدا ہو، وہ سوچ سمجھکر باتوں کا فیصلہ کر سکے، اور اپنے فیصلہ پر عمل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اپنے کام میں خود مختار ہو لیکن دوسروں کا خیال رکھے۔ آزاد ہو پر روادار۔ ایسی تربیت سے بچہ اس قابل بن سکتا ہے کہ بدلتی دنیا اور بدلتے ہوئے حالات میں اپنے لئے سیدھی راہ نکال سکتا ہے ورنہ غلام تو آج ایک کا غلام ہوتا ہے کل دوسرے کا۔

اب سوال یہ ہے کہ اُستاد اور سرپرست اس قسم کی تربیت کس طرح دے سکتے ہیں؟ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ خوب سختی کرکے اور سزا دیکر تربیت دینی چاہیئے کچھ کہتے ہیں کہ بچوں کو انکے حال پر چھوڑنا چاہیئے وہ ٹھوکریں کھا کر خود سیدھے راستہ پر لگ جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ ہمارے خیال میں والدین اور سرپرست بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن براہ راست کم، بالواسطہ زیادہ۔

اچھا دیکھیں سیرت بنتی کیسے ہے؟ یہ اُسوقت معلوم ہوگا جب یہ پتہ چل جائے کہ سیرت ہے کیا؟ سیرت ہمارے ہر ساعت، ہر منٹ کے چلن کی مستقل بنیاد ہے ایسی بنیاد جو پہلے سے تیار ہو جاتی ہے۔ اور اسکی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حالت میں آدمی کا چلن غالباً کیا ہوگا۔ اس بنیاد کی اینٹیں عادتیں ہوتی ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سیرت کیسے بنتی ہے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ عادتیں کیسے پڑتی ہیں۔ ذرا آپ سوچیئے کہ آپ روز اپنی شیروانی میں بٹن جس ہاتھ سے لگاتے ہیں اسی سے کھولتے بھی ہیں یا دوسرے سے؟ میں جانتا ہوں آپ میں سے اکثر کو یہ بات نہ معلوم ہوگی اور اب اگر آپ کو اس کا خیال ہو گیا ہے تو آپ بٹن لگاکر دیکھینگے اور پھر کھول کر۔ اور یہ بھی ایسے کہ بے خبری میں بٹن لگائیں اور کھولیں اور پھر کبھی ایکدم اس طرف دھیان جائے اور آپ معلوم کریں کہ کس ہاتھ سے آپ شیروانی کے بٹن لگاتے ہیں اور کس سے کھولتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ آپ یہ کام روز کرتے ہیں پھر یہ بیخبری! ہاں یہی تو بات ہے کہ چونکہ روز کرتے ہیں اس لئے بے خبر ہیں، آپکو بٹن لگانے اور کھولنے کی عادت ہوگئی ہے اب خود بخود آپکی انگلیاں اس کام کو کرلیتی ہیں۔ جہاں اس کام کا وقت آیا اور بے سوچے انگلیاں چل گئیں۔ اسی طرح آدمی کے اخلاق میں بھی بعض عادتیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر وہ جانے یا نہ جانے وہ اخلاقی برائیاں اور اچھائیاں موقع آنے پر سرزد ہو ہی جاتی ہیں۔ نیک سیرت آدمی بلا تکلف نیکی کرتا ہے، بدسیرت والا بلا تکلف و تامل بدی۔

اور عادت کیسے پڑتی ہے؟ مشق سے جس چیز کی عادت ڈالنی ہو اسکی مشق ضروری ہے۔ بے مشق کوئی عادت نہیں پڑتی۔ یعنی جب تک ایک کام کو بار بار نہ کیا جائے، ایک اخلاقی خوبی پر بار بار عمل نہ ہو، اس کی عادت نہ پڑیگی ہاں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ الف کی مشق کیجئے اور ب کی عادت پڑ جائے۔ الف کی مشق ہوگی تو الف کی عادت پڑیگی، ب کی مشق ہوگی تو ب کی عادت

مثلاً آپ اپنے بچہ میں سچ بولنے کی عادت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولا اور آپنے اسے مارا۔ اس سے اگر اس کے دل میں سچ بولنے کی خواہش پیدا ہو تو آپ جتنی مرتبہ اسے جھوٹ بولنے پر مارینگے اتنی ہی سچ بولنے کی عادت مضبوط ہوگی۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ آپکی مارپیٹ سے اس میں سچ بولنے کی خواہش کے بجائے مار سے بچنے کی خواہش اور ایسا جھوٹ بولنے کی خواہش جسے آپ پکڑ نہ سکیں پیدا ہوگی جتنی بار یہ خواہش پیدا ہوگی اسی قدر یہ عادت مضبوط ہوگی کہ وہ چھپ کر اور زیادہ چالاکی سے جھوٹ بولے۔ آپ سچ بولنے کی عادت ڈالنا چاہیں گے اور چھپ کر جھوٹ بولنے کی عادت ڈال دینگے۔ جو لوگ سزا دینے کے شائق ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ سزا کا خوف بچوں کو اکثر اس اصلی خوبی کی مشق میں حائل ہوتا ہے جسکا پیدا کرنا مقصود ہے۔ سزا سے آپ اپنی خواہش کی ظاہری اطاعت کرا سکتے ہیں لیکن دل میں اس چیز کو پسند کرنیکی عادت نہیں ڈال سکتے جسے پسند کرانا چاہتے ہیں۔ سزا دیکر پانچوں وقت نماز پڑھائی جا سکتی ہے، مگر دل میں اللہ کا ڈر یا اسکی محبت نہیں پیدا کرائی جا سکتی۔

عادت کے متعلق دوسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ہر مشق سے عادت نہیں پڑتی بلکہ اس مشق سے جس میں کامیابی کی خوشی بھی حاصل ہو۔ جس چیز کی مشق اور تکرار میں ناکامی اور تکلیف ہوتی ہے اسے آدمی نہیں سیکھتا۔ بچہ میں کوئی عادت پیدا کرنی ہے تو اس کی مشق میں بچہ کو کامیابی کی خوشی بھی ہونی چاہیئے۔ کامیابی کی خوشی اس مقصد کے اعتبار سے ہوتی ہے جو بچے کے ذہن میں ہوتا ہے۔ اگر آپ اس مقصد کو نہ بدلیں تو صرف ظاہری عمل پر سزا یا حکم کا اثر ہوگا اور یہ خیال دھوکہ ہوگا کہ بچہ کے ذہن میں دراصل وہ عادت پڑ رہی ہے جو آپ ڈالنا چاہتے ہیں۔

مشق و تکرار سے عادت پڑنے کے متعلق ایک تیسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ جب آدمی کسی چیز کو بار بار کرتا ہے تو اس چیز کے ساتھ ساتھ اور بہت سے متعلقات ہوتے ہیں اُنکی عادت بھی اسے پڑتی جاتی ہے۔ ہر عادت کے ساتھ اور بہت چیزوں کے متعلق بچہ کا رویہ متعین ہوتا رہتا ہے۔ اور اس رویہ پر آیندہ زندگی میں بہت چیزوں کا دار و مدار ہو جاتا ہے۔ لڑکے کو مار مار کر مدرسہ بھیجا جا سکتا ہے، لیکن اسکے دل میں اس مار دھاڑ اور جبر سے جو رویہ اسکول اور کتابوں کی طرف پیدا ہوتا ہے وہ اسکی آیندہ زندگی کے لئے مدرسہ جانے سے زیادہ اہم ہے۔ کتنے بچے ہیں جو مدرسہ چھوڑ کر ایک مرتبہ بھی کتاب اُٹھا کر نہیں دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ اللہ کر کے یہ مصیبت ختم ہوئی۔

اُستادوں اور سرپرستوں کو کبھی یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ جب وہ بچوں کو کچھ سکھاتے ہیں تو وہ یہ چیز سیکھیں یا نہ سیکھیں بہت سی دوسری چیزیں، بہت سے رجحانات، بہت سے میلانات، بہت سی نفرتیں، بہت سی رغبتیں ضرور ان میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ خود والدین کے متعلق، اُستادوں کے متعلق، مدرسہ کے متعلق، لہذا جب آپ بچہ کو کوئی چیز، کوئی عادت سکھانا چاہیں تو ان بے شمار چیزوں کا بھی خیال رکھیئے جو اس کے ساتھ اس میں پیدا ہو رہی ہیں۔ اپنی توجہ تمامتر اس ایک چیز میں کامیابی پر مرکوز نہ کر دیجیئے۔ یہ نہ ہو کہ آپ مار کر نماز تو پڑھالیں لیکن مذہب سے، خدا سے، بندگان خدا سے بچہ کے دل میں بیگانگی کا بیج بو دیں۔

یاد رکھیئے کہ

(۱) تربیت میں سزا پر زیادہ بھروسہ کرنا بڑی غلطی ہے۔ اور اکثر وہ چیزیں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں جو مقصود اصلی کی ضد ہیں۔ سزا پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے کہ تندرستی کے لئے ہر وقت دوا ہی پر بھروسہ کیا جائے۔ اور صفائی، اچھی غذا، اور ورزش کو پس پشت ڈالدیا جائے،

(۲) سزا دیجیئے تو غلطی کا بدلہ لینے کے لئے، یا گناہ و سزا کا حساب برابر کرنے کے لئے نہیں۔ یہ کام خدا کا ہے آپ اس میں دخل نہ دیجیئے۔ سزا ماضی پر نہ دیجیئے مستقبل کے درست کرنے کے لئے دیجیئے اور اچھی طرح سمجھ لیجیئے کہ مستقبل پر اس کا اچھا اثر پڑیگا۔

(۳) غصہ میں کبھی سزا مت دیجیئے۔ اس لئے کہ سزا کا جو کچھ مفید اثر ممکن ہے وہ بھی اس سے جاتا رہتا ہے۔ اور ضد کی بنا پڑتی ہے۔

(۴) بچہ کو مدمقابل سمجھکر اس پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہ کیجیئے۔ اس لئے کہ بچہ کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ وہ آپکا مدمقابل بن سکا۔ اور وہ بار بار اس فخر کو حاصل کرنا چاہیگا۔ سزا دیجیئے تو اس طرح کہ بچہ جس چیز پر ضد کر رہا ہے وہ تو اسے حاصل نہ ہو، لیکن آپ کے مقابلہ کا احساس بھی اسے نہ ہونے پلائے۔ تاکہ بچہ میں غصہ نہ پیدا ہو۔ غصہ میں آدمی کوئی اچھی بات نہیں سیکھ سکتا۔

(۵) اپنی باتوں کو ہر وقت منوا منوا کر بچہ کی شخصیت کو بالکل دبا نہ دیجیئے۔ بچہ کی اپنی شخصیت ہوتی ہے اسے نشو و نما کا موقعہ دیجیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی عادت بھی ڈالیئے کہ وہ دوسروں کی شخصیت کے ساتھ کم سے کم

کوائف جامعہ

۱۲ مارچ ۳۰ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ یادگار کی تاریخ تھی جس دن کہ مہاتما گاندھی جی اپنی سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ اس تاریخ کو جامعہ میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ طلبہ کو اس تاریخی دن کی اہمیت بتائی جائے نیز یہ طے کیا جائے کہ جامعہ کو اس تحریک میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ ان دنوں طلبہ اور اساتذہ میں قومی جذبات اور ایثار و قربانی کے ولولوں کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ جلسہ میں چھوٹے بچوں سے لیکر کالج کے بڑے طلبہ تک نے نہایت پرجوش تقریریں کیں اور اساتذہ و شیخ الجامعہ نے بھی اس مسئلہ پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جو بحمداللہ کہ جامعہ کی گزشتہ روایات کے شایانِ شان اور موجودہ حالات کے لحاظ سے نہایت مناسب اور موزوں تھے۔ سب سے اخیر میں جناب شیخ الجامعہ کی تقریر ہوئی، جس کا ایک ایک فقرہ خود انہی کے الفاظ میں سننے کے قابل تھا لیکن افسوس ہے کہ جگہ کی تنگی سے ہم صرف بعض ہی حصوں کا خلاصہ دے سکتے ہیں۔

جناب شیخ الجامعہ کی تقریر

گزشتہ سیاسی تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اب تک ہندوستان میں جتنی سیاسی تحریکیں اٹھیں، وہ زیادہ تر شہری آبادی سے متعلق تھیں یہ سب سے پہلے ۱۹۲۱ء میں ہوا کہ مہاتما گاندھی جی نے ایک ایسی تحریک اٹھائی جو ہندوستان کی اصل آبادی یعنی دیہات کے لوگوں سے تعلق رکھتی تھی، لیکن یہ اتفاق وقت تھا کہ اسی زمانہ میں مظالم پنجاب اور خلافت کا زور شروع ہو گیا اور اس طرح وہ تحریک اپنے اصل روپ میں جلوہ گر نہ ہو سکی۔ اور ہندوستان کی تمام قوت انہی مطالبات کے تسلیم کرانے میں صرف ہوئی۔ سوءِ اتفاق سے یہ تحریک پوری کامیاب نہ ہو سکی اور ملک میں کئی سال تک ایک انتشار اور تفریق کا دور دورہ رہا۔ اس عرصہ میں ہندوستان نے سب سے بڑی غلطی جو کی وہ دستورِ اساسی بنانے کی کوشش تھی۔ اب سے چند سال پیشتر انگلستان کے ایک بڑے شخص لارڈ برکن ہیڈ نے یہ طعنہ دیدیا تھا کہ ہندوستان کے لوگ اپنا ایک متفقہ کانسٹی ٹیوشن بھی نہیں بنا سکتے۔ بس کیا تھا، ہمارے سیاسی اکابرین اس طعنے سے بھڑک اٹھے اور "نہرو کمیٹی رپورٹ" کے نام سے ایک دستورِ اساسی بنا کر پیش کر دیا، لیکن اسکا جو حشر ہوا وہ بالکل قدرتی تھا۔ سیاسی قوت حاصل کرنے سے پیشتر دستورِ اساسی منظور کرانے کی کوشش ایک عبث کوشش تھی۔ بہر حال اب پورے دس سال کے بعد وہ تحریک پھر اپنے اُسی اصلی رنگ میں نمودار ہوئی ہے۔

جامعہ کی اس تحریک میں شرکت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اسوقت اگر اور مسلمان شریک ہوتے تو پھر کارکنانِ جامعہ کو اس میں حصہ لینے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جامعہ تو خود جنگ آزادی کے لئے سپاہی تیار کر رہی ہے۔ کارکنانِ جامعہ کی یہ چھوٹی سی جماعت اس ایک کام میں لگی ہوئی ہے، اب اسکو کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ خود ایک قومی اور مذہبی کام ہے۔ لیکن اس وقت جس حالت میں ہم ہیں، اسکی بنا پر اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے طرزِ عمل سے طرح طرح کی غلط فہمیاں نہ پیدا ہوں، اس لئے ہم میں سے کچھ کی شرکت ضروری ہے۔ جامعہ بہ حیثیت ایک خاندان کے ہے جسکے طلبہ اور اساتذہ دونوں رکن ہیں۔ ہم میں سے جو شخص، خواہ بڑے طلبہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا اساتذہ کی، بخوشی اس جنگ

بقیہ مضمون ص ۲

رواداری برتے۔ اگر وہ بالکل دوسروں کا خیال نہیں کرتا، تو بھی تربیت غلط ہے اگر ہر کام میں بالکل دوسروں ہی کے کہنے کا منتظر رہتا ہے تو بھی تربیت غلط ہے اگر بچہ میں ضد پیدا ہو تو سمجھئے کہ آپ نے موقع بے موقع اسکی شخصیت کو دبانے کی کوشش کی ہے اور ہر بچہ اس کوشش کے خلاف مدافعت کر رہا ہے۔ اگر بچہ آپکے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد بالکل دوسری طرح لوگوں سے پیش آتا ہے۔ تو بھی آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ آپ بچہ کی شخصیت میں بیجا مداخلت کر رہے ہیں۔ کیسی افسوسناک بات ہے کہ اکثر بچے اسی وقت اپنی شخصیت کا اظہار کر سکتے ہیں جب انکے اُستاد اور سرپرست موجود نہ ہوں۔

بس اب بہت سی باتیں ایک دفعہ کہدینا ٹھیک نہیں۔ لہٰذا رخصت۔

مذہب و اخلاق

چند روسی کہاوتیں

(۱) انسان کا جوہر اندرونی ہوتا ہے حیوانوں کا بیرونی۔
(۲) جو دودھ کے ساتھ آئے، جان کے ساتھ جاتا ہے۔
(۳) جب روپیہ بولتا ہے تو صداقت خاموش ہو جاتی ہے۔
(۴) ماں کی محبت سمندر کی گہرائیوں سے اُٹھتی ہے۔
(۵) داڑھی صفا کرنا داڑھی کا نور مٹانا ہے۔
(۶) وقت تمہارے سامنے نہیں جھک سکتا تو تم وقت کے سامنے جھک جاؤ۔
(۷) انسان اپنی زبان سے پکڑا جاتا ہے اور بیل اپنے سینگوں سے۔
(۸) اگر سب احمق سفید ٹوپیاں پہنیں تو ہم بھیڑوں کا گلہ دکھائی دیں۔
(۹) خدا پر بھروسہ کرو لیکن اپنے کام سے کام رکھو۔
(۱۰) جو اپنے طبیب کو اپنا وارث بنائے احمق ہے
(۱۱) کپڑے کو دس بار ناپو۔ کپڑے کو کاٹ ایک ہی دفعہ سکتے ہو۔
(۱۲) اگر تم مرغ ہو تو اذان دو۔ مرغی ہو تو انڈے۔
(۱۳) بھٹکتے پھرنے سے لوٹ آنا اچھا ہے۔
(۱۴) صداقت سیدھی ہوتی ہے لیکن جج ٹیڑھے۔
(۱۵) جو زندہ ہوتے ہیں گرتے پتوں کی بھی ایک آواز سن سکتے ہیں۔
(۱۶) باپ جو دعا دے وہ نہ ڈوب سکتی ہے، نہ آگ اسکو جلا سکتی ہے۔
(۱۷) جب گدھے پر ہلکا بوجھ لاد دو تو وہ بیٹھنے لگتا ہے۔
(۱۸) خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ لیکن عین ساحل تک اپنے چپو بھی چلاتے جاؤ
(۱۹) تحفہ چاہے سستا ہو محبت کی قیمت بہت ہوتی ہے۔
(۲۰) کتے بھونکتے ہیں تو ہوائیں اُنکی آواز کو لیجاتی ہیں۔
(۲۱) خدا کے ساتھ سمندر پر چلے جاؤ۔ بن خدا چوکھٹ تک بھی نہ جاؤ۔
(۲۲) مستقبل اسکا ہے جو صبر کے معنی سمجھتا ہے۔
(۲۳) جب تم مر جاؤ گے تو تمہارے لئے شور و غل مچانیوالا دفن کر دیا جائیگا۔
(۲۴) جس کے آنسو دل سے نکلتے ہیں اُس کے لئے اندھے بھی آنسو گراتے ہیں
(۲۵) بے عقلوں کے سوالوں کا کچھ جواب نہیں ہوتا
(۲۶) جب تم مر جاؤ گے تو تمہاری قبر بھی آرام دہ ہو گی۔
(۲۷) قانون سے نہ ڈرو لیکن جج سے ڈرو۔
(۲۸) جب گرج سنائی نہیں دیتی تو کسان دعا کرنا بھول جاتے ہیں۔
(۲۹) گھر نہ خریدو، ہمسایہ خریدو
(۳۰) کھلا منہ بھوکا نہیں رہتا۔
(۳۱) بھیڑ ہو تو بھیڑیا طیار ہوتا ہے۔
(۳۲) جو دو کشتیوں پر پاؤں رکھے، ڈوب کے مرتا ہے۔
(۳۳) سورج چمکتا ہو تو چاند کوئی نہیں مانگتا۔
(۳۴) سوئے لومڑ کو مرغیوں کے خواب آتے ہیں۔
(۳۵) اگر بھیڑیے سے ڈرتے ہو تو جنگل میں نہ جاؤ
(۳۶) کوے ایک دوسرے کی آنکھیں نہیں نکالتے
(۳۷) بھیڑیا گھوڑے کا ہجولی نہیں ہوتا۔
(۳۸) اندھوں کی مملکت میں کانوں کا راج ہوتا ہے۔
(۳۹) نوکر ریشمی جوڑے پہنیں تو آقا مقروض ہوتا ہے۔
(۴۰) خالی پیٹ کے کان بہرے
(۴۱) قرض اور مصیبت ہمسائے ہیں۔
(۴۲) دیس کا مرغا پردیس کی گائے سے بہتر۔
(۴۳) عورتیں ہنستی ہیں جب ہنس سکیں اور روتی ہیں جب چاہیں۔
(۴۴) سر میں عقل نہ ہو تو پاؤں ٹھوکر کھاتے ہیں۔

ملک محمد اسلم خاں ایم اے (کیمبرج)
حال مقیم لندن

ریاضی

جمع کرنے کے چند آسان قاعدے

منزل ابتدائی کے لئے

بچو! ہم جمع کرنے میں عام طور پر صرف ایک ہی قاعدے کو استعمال کرتے ہیں خواہ کسی قسم کے سوال ہوں (یعنی اکائی دہائی وغیرہ کو جمع کرنا) مگر بعض گُر ایسے ہیں جن کے استعمال کرنے سے بعض سوال فوراً حل ہوجاتے ہیں، اور وقت بچ جاتا ہے۔ آجکل وہی لڑکا حساب میں اچھا سمجھا جاتا ہے جو سوچ سمجھکر کم وقت میں زیادہ سوال تیزی سے حل کرے اور جواب صحیح نکالے، مگر اس بات کا خاص خیال رکھو کہ سوالوں کے حل دیکھ کر خود ہی نتیجہ نکال سکو

مثال۔۱ ۱۲ کا پہاڑہ ابتدا سے ۱۲×۱۰ تک لکھ کر اس کے کل اعداد جمع کرو اور انکا اوسط نکالو

(ا) (۱۲ + ۱۲۰) ÷ ۲

= ۱۳۲ ÷ ۲ = ۶۶ اوسط جواب

اور ۶۶ × ۱۰ = ۶۶۰ مجموعہ جواب

(ب)

۱۲
۲۴
۳۶
۴۸
۶۰
۷۲
۸۴
۹۶
۱۰۸
۱۲۰
———
۶۶۰

اور ۶۶۰ ÷ ۱۰ = ۶۶

کس عمل میں زیادہ وقت خرچ ہوگا؟

یقیناً (ا) کا عمل بہت آسان ہے اور کم وقت لیگا بلکہ ہم بغیر کاپی پنسل کے فوراً زبانی جواب دے سکتے ہیں۔ اچھا تو ہم اس کے لئے کیا قاعدہ بنا سکتے ہیں۔

قاعدہ۔ اگر کسی پہاڑے کی مسلسل رقموں کو جمع کرنا ہو تو پہلے اس کا اوسط نکالو اس طرح سے کہ اس کی پہلی رقم اور آخری رقم کے مجموعے کو ۲ پر تقسیم کر دو، حاصل قیمت اوسط ہوگی پھر اوسط کو پہاڑے کی رقموں کی تعداد میں ضرب دیدو

بالفاظ دیگر

اوسط = (پہلی رقم + دوسری رقم) ÷ ۲

مجموعہ = اوسط × تعداد رقم

اچھا تو اس قاعدے سے اور کتنی قسم کے سوال حل کر سکتے ہیں ذیل کی مثالوں پر غور کرو۔

مثال نمبر۲

۲۶ + ۲۸ + ۳۰ + ۳۲ + ۳۴ = (۲۶ + ۳۴) ÷ ۲

۶۰ ÷ ۲ = ۳۰ اوسط اور ۳۰ × ۵ = ۱۵۰ مجموعہ جواب

مثال نمبر۳

۴۱ + ۴۳ + ۴۵ + ۴۷ + ۴۹ + ۵۱

= (۴۱ + ۵۱) ÷ ۲

= ۹۲ ÷ ۲ = ۴۶ اوسط

اور ۴۶ × ۶ = ۲۷۶ مجموعہ جواب

مثال نمبر۴

۷۶ + ۸۴ + ۹۲ + ۱۰۰ + ۱۰۸ + ۱۱۶ + ۱۲۴

= (۷۶ + ۱۲۴) ÷ ۲

= ۲۰۰ ÷ ۲ = ۱۰۰ اوسط

اور ۱۰۰ × ۷ = ۷۰۰ مجموعہ جواب

دیکھو مثال نمبر۲ میں چند مسلسل جفت عددوں کو جمع کیا ہے اور نمبر۳ میں چند مسلسل طاق اعداد کو اور نمبر۴ میں ایسے اعداد کو جو ایک دوسرے سے ایک ہی مقررہ تعداد میں بڑھتے ہوئے ہیں تو اب مختصراً بیان کرو کہ اس قاعدہ سے کن کن موقعوں پر فائدہ اُٹھاؤ گے؟

کسی پہاڑے کی چند مسلسل رقمیں جمع کرنا ہو یا چند مسلسل طاق یا جفت رقموں کو جمع کرنا ہو یا ایسی رقموں کو جمع کرنا ہو جو ایک دوسرے سے ایک ہی مقررہ مقدار میں بڑھی ہوئی ہوں تو مندرجہ بالا قاعدہ استعمال کر سکتے ہیں۔

تاریخ

شمع رسالت کے پروانے

تاریخ اسلام کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنا میرے مضمون کے حدود سے باہر ہے تاہم اپنی طالب علمی کے قلیل زمانہ میں میں نے جو کچھ بھی معلومات اس عظیم الشان تاریخ کے متعلق حاصل کی ہیں انکی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تاریخ اسلام کا مطالعہ آجکل کے نام کے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا سکتا ہے تاریخ اسلام ایک ایسی تاریخ ہے جو کہ مردہ قوموں کو زندگی بخش سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ جسقدر یہ مضمون مسلمانوں کے لئے مفید اور اہم تھا اسی نسبت سے مسلمانوں نے اس کے حاصل کرنے میں غفلت کی۔ کسی قوم کا اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں کو بھلا کر دوسروں کے اسلاف کے کارناموں کو اپنے لئے شمع ہدایت بنانا اس قوم کی انتہائی پستی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اسلام سے غفلت کو دیکھ کر ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر علامہ اقبال نے یوں رونا رویا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اوپر کے عنوان کے تحت میں تاریخ اسلام کا ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام سرور کائنات سے کس قدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ اور اشاعت اسلام کے لئے ان بزرگ ہستیوں نے کس طرح اپنے مال اور اپنی عزیز ترین جانیں قربان کیں۔ یہ واقعہ ۳ھ میں پیش آیا جب کہ مسلمان کفار مکہ سے دو جنگیں کر چکے تھے۔ جنگ احد سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلعم نے تبلیغ اسلام کی غرض سے صحابہ کو ارد گرد کے عربی قبیلوں میں بھیجنا شروع کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں قبیلہ خذیمہ کی دو شاخوں عضل اور قارہ نے چند آدمیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ ہمارے قبیلوں کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اگر آپ چند صحابہ کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجدیں جو اسلام اور قران کی تعلیم دیں تو بہت مناسب ہو۔ آنحضرت نے مرثد غنوی کو مع پانچ آدمیوں کے اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے مقام رجیع میں پہنچکر غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے دو سو آدمیوں کو اُن صحابہ کے قتل کے لئے بلا لائے۔

جب ان شریر نفس اور دغاباز لوگوں نے صحابہ کی جماعت کو قتل کرنے کے لئے تلواریں نکالیں تو صحابہ اپنی تعداد کی کمی کو دیکھ کر بہت گھبرائے لیکن "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مطابق انھوں نے بھی اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی مدافعت کے لئے مردانہ وار لڑنے کی ٹھان لی۔ یہ لوگ صحابہ کو انکے جانی دشمن کفار مکہ کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ مال وصول کرنا چاہتے تھے لیکن صحابہ نے اب انکی باتوں پر یقین نہ کیا۔ دونوں جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ صحابہ شہید ہوئے اور تین کو انھوں نے زندہ گرفتار کر لیا ان میں سے ایک کو راستہ میں مار ڈالا اور دو کو جنکے نام حبیبؓ اور زیدؓ تھے مکہ میں لیجا کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت زید کو صفوان بن اُمیہ نے خرید لیا تھا۔ جب مکہ سے باہر لیجا کر ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سونتی تو ابوسفیان نے حضرت زید کو نہایت ہی سخت آزمائش میں ڈالنا چاہا چنانچہ اس نے کہا۔ زید! کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری جان بخشی اس شرط پر کر دی جائے کہ تمہاری بجائے محمد صلعم کو قتل کیا جائے"۔

زید عاشق رسول کے مجسمہ زید نے جن الفاظ میں جواب دیا ان میں سے ایک ایک یاد رکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ یہ الفاظ رسول صلعم کے سچے جاں نثار نے اس وقت زبان سے نکالے جبکہ انکی زندگی کے چند لمحے باقی تھے۔ یہ وہ نازک ترین وقت تھا جب کہ ہر ڈوبنے والا تنکے کا بھی سہارا قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن استقلال کے اُس مجسمہ کے پاؤں اُس نازک وقت میں بھی نہیں ڈگمگائے۔ چنانچہ اس نے جواب دیا "اللہ کے سچے رسول کی محترم زندگی کے مقابلہ میں میری جان کوئی وقعت نہیں رکھتی ہے میں یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کے پاؤں میں کانٹا چبھنے کی تکلیف کی بجائے میری جان بچ جائے"۔ یہ سنکر ابوسفیان نے کہا کہ کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھی اس کو اسقدر عزیز رکھتے ہوں جسقدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب انکو عزیز رکھتے ہیں۔

حضرت خبیبؓ نے احد کی لڑائی میں حارث کو قتل کیا تھا حارث کے بیٹوں نے ان کو مول لیا جب قتل کرنے لگے تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ فارغ ہوئے تو فرمایا میں دیر تک نماز پڑھتا اور دعا مانگتا لیکن تم کہوگے کہ موت سے ڈرتا ہے۔ اسی وقت سے یہ دستور ہوگیا کہ کوئی مسلمان جب قتل ہونے لگتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔ سرور دو عالم کے انہیں سچے جاں نثاروں کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میرے بھائیو! وہی اسلام جسکی اشاعت میں رسول صلعم نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ وہی دین مبین جسکی اشاعت میں صحابہ نے اس طرح اپنی جانیں قربان کیں وہی اسلام آج کفر و الحاد کی گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے۔ اسی اسلام پر مخالفین اسلام طرح طرح کے اعتراضات کر رہے ہیں کیا ہم جنکو سرور دو عالم کے امتی اور پیرو ہونیکا دعویٰ ہے، اسی طریقہ سے خوابِ غفلت میں سوتے رہیں گے۔ یاد رکھیئے اگر ہم نے اپنی گہری نیند سے کروٹ نہ لی تو وہ خدائے عادل ہمیں تباہ و برباد کرکے دوسری قوم کو پیدا کریگا جس میں دین اسلام کی حفاظت کا جذبہ اور قدرت ہوگی لیکن قیامت کے روز ہم مواخذہ سے نہیں بچ سکتے۔ لہذا ہمکو چاہیئے کہ جہاں ہم طلب دنیا کے لئے اتنی کوشش کرتے ہیں جہاں ہم دنیاوی تعلیم کے حاصل کرنے کے لئے اسقدر جدوجہد کرتے ہیں ہاں ہم دینی تعلیم کو بھی حاصل کریں اور قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ توجہ تاریخ اسلام کے مطالعہ کی طرف کریں۔ اور ایسی درسگاہوں اور مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائیں جہاں دنیاوی تعلیم کے ساتھ صحیح معنوں میں دینی تعلیم بھی دی جاتی ہو اور جہاں تاریخ اسلام کا مضمون خصوصیت سے پڑھایا جاتا ہو۔

اسمٰعیل محمد مدھا
متعلم۔ اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون
ملحقہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

صفحہ ۷ کا بقیہ مضمون

(۵) ابتدا سے چند مسلسل طاق عددوں کی جمع معلوم کرنا۔

مثال، $۱ + ۳ + ۵ + ۷ + ۹ + ۱۱ + ۱۳ + ۱۵ + ۱۷$

$= (۹)^2 = ۸۱$ جواب

دیکھنا اس کی جمع کس قدر آسان ہے، یہ ۹ کہاں سے آگیا؟ دئے ہوئے عددوں کی تعداد ۹ ہے، ضرور ہے کہ ۹ اسی وجہ سے لکھا گیا ہے اب تو اب اس کے لئے کیا قاعدہ بنا؟

قاعدہ ۵۔ ابتدا سے چند مسلسل طاق عددوں کی جمع معلوم کرنا ہو تو لئے ہوئے نمبروں کی کل تعداد کا مربع نکال لو بس یہی جواب ہوگا۔

(۶) $(۱۳)^2 + ۱۳ + ۱۴$

$= (۱۴)^2 = ۱۹۶$ جواب

دیکھو کس قدر آسانی سے جواب نکل آیا۔ ہاں تو جہاں کہیں اس قسم کا سوال دیا جائے بس آخری ہندسہ کا مربع معلوم کرلو مثلاً

$(۱۹)^2 + ۱۹ + ۲۰$

$= (۲۰)^2 = ۴۰۰$ جواب

استعمال:۔

مندرجہ بالا قاعدہ کا استعمال اُسوقت کرنا چاہیئے جبکہ ہم جمع کے سوالات دوسرے طریقوں سے حل کرنا اچھی طرح سیکھ گئے ہوں، تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ قاعدے صحیح ہیں اور ہمارے لئے مفید ہیں، البتہ دوران مشق میں جانچ پڑتال کے لئے انکا استعمال کرسکتے ہیں۔

مشق کے لئے سوالات:۔ ہر ایک مثال کے نمونے پر دو دو تین تین سوال بناؤ اور ان کو حل کرو اگر جواب غلط ہو تو دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوگی، یا تو تم نے سوال غلط بنایا ہوگا یا حل کرنے کے طریقہ کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہونگے، اگر ایسا ہے تو پھر ایکبار انکو غور سے پڑھو اور حل کرو۔

محمد عبدالغفار صاحب مدہولوی۔
(سابق معلم جامعہ (دہلی) مقیم حال موگا)

نظم

گفتارِ گُل

گیا چمن میں جو اک روز میں پئے تفریح　　گلاب ہنس کے یہ کہنے لگا کہ "او غافل!
لگا کے کان گھڑی بھر یہ ماجرا سُن لے　　کہ حسن پر ہے زمانہ کے تو بہت مایل
خبر ہے کچھ تجھے میری کہ شب کو میں کیا تھا　　حجاب کتنے تھے پتوں کے درمیاں حائل
نہ شکل تھی مری ظاہر نہ روپ تھا کوئی　　شمارِ گل میں تھا میرا نہ غنچہ میں شامل
قرار تھا نہ صبا کو میرے بغیر اک دم　　نسیمِ صبح سنبھالے تھی دست شوق سے دل
دعائیں مانگتے تھے عندلیب آمد کی　　مزا تھا سب کو مرے انتظار کا حاصل
پڑا ہوا تھا جو اب تک حجاب پتوں کا　　چھپا ہوا تھا جو شاخوں کی آڑ میں محمل
نکل کے شاخ سے آیا نظر زمانے کو　　خدا کا شکر کہ پوری ہوئی یہ اک منزل
ہوائے شوق گلستاں میں کھینچ لائی مجھے　　کریگا سنگِ خزاں چور میرا کاسۂ گل
مٹے ہوئے تھے نمایش پہ جو مرے سرِ شام　　ملینگے صبح وہی پاؤں سے بتانِ چگل
کرینگے یاد نہ مجھکو وہ خواب میں بھی کبھی　　لگائینگے وہ کسی اور پھول سے اب دل"

غرض یہ حال ہے غافل سرائے فانی کا
نہ شیب کا ہے بھروسہ نہ کچھ جوانی کا

سید الشعراء منشی سید حسن صاحب سید ناظم بزم ادب بھوپال یادگار حضرت ظہیر دہلوی

خطرے کے وقت سب سے بڑا ہتھیار

بچو!

اگر تم سے سوال کیا جائے کہ خطرے کے وقت کونسی چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے؟ تو تم میں سے اکثر ایسے ہونگے جو اس کا جواب یہ دینگے کہ خطرے کے وقت سب سے زیادہ کارآمد چیز ہتھیار ہے، خواہ وہ تلوار ہو یا لاٹھی یا بندوق، لیکن اگر تم اس سوال پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے پاس ہتھیار سے بھی بڑھکر ایک ایسی چیز ہے جو خطرے کے وقت تمام مشکلات پر قابو پا لیتی ہے۔ اور ہمیں اس قابل بنا دیتی ہے کہ ہم بآسانی دشمن کو مغلوب کر سکیں، عرف عام میں اس چیز کو اوسان، یا حواس، سے منسوب کیا جاتا ہے۔

فرض کرو تم ہاتھ میں بندوق لئے ہوئے کسی ایسے خوفناک جنگل میں سے گذر رہے ہو، جو شیروں کا مسکن ہے۔ اچانک قریب کی جھاڑی سے ایک شیر نکل کر تم پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اب اگر تمہارا دل کمزور ہے تو شیر کے دیکھتے ہی اعضا میں رعشہ پڑجائیگا۔ سینہ زور زور سے دھڑکنے لگیگا۔ ہاتھ بے قابو ہوجائیں گے۔ رفتار میں لغزش پیدا ہوجائیگی۔ رُخ پہ زردی چھا جائیگی۔ تم بھاگنے کی کوشش کروگے لیکن تمہارے ہاتھ کانپنے لگینگے اور آخر بندوق تمہارے ہاتھ سے گر جائیگی۔ اور شیر کو تم پر قابو پانے کا موقعہ مل جائیگا۔

اب اس کے برعکس اگر تم قوی دل واقع ہوئے ہو، خطرے کے وقت پریشان نہیں ہوجاتے بلکہ اپنے حواس کو قابو میں رکھ کر دشمن کا بہادری سے مقابلہ کرتے ہو، تو اس حالت میں تم شیر کو اچانک دیکھ کر بزدلوں کی طرح گھبرا نہیں جاؤگے بلکہ اطمینان سے موقعہ پاکر شیر پر فیر کر دوگے۔ اور اپنے دشمن کو مغلوب کرلوگے۔ پہلی مثال اُس شخص کی ہے جو خطرے کے وقت بدحواس ہوجاتا ہے اور دوسری مثال اس قوی دل شخص کی ہے جو خطرے کے وقت اپنے اوسان کو خطا نہیں ہونے دیتا۔ اب ہم بطور مثال اتم کو دو کہانیاں سُناتے ہیں۔

چند سال پیشتر کا واقعہ ہے کہ کسی کالج کا پروفیسر رات کے وقت اپنے کمرے میں تنہا سویا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت اچانک جو آنکھ کھُلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مسلح ڈاکو ہاتھ میں پستول لیئے ہوئے کمرے میں گھس آیا ہے اور دھمکی دے رہا ہے کہ اگر ذرا بھی حرکت کی تو قتل کردونگا۔ پروفیسر پہلے کچھ گھبرایا لیکن پھر سنبھل کر ڈاکو سے کہنے لگا ”واہ صاحب واہ! یہ کہاں کی مردانگی ہے کہ تین تین ڈاکو اور ایک نہتے آدمی پر حملہ کر رہے ہیں“ ڈاکو ان الفاظ کو سُن کر چونکا اور پیچھے مڑکر دیکھنے لگا کہ میرے یہ دو ساتھی کہاں سے پیدا ہوگئے۔ اب جو پروفیسر کو موقعہ ملا جھٹ سے اُسکا پستول چھین لیا اور اُس کو رسی سے باندھ کر کمرے میں ڈال دیا اور صبح پولیس کے حوالے کردیا۔

بچو تم سمجھے! اس وقت پروفیسر نے کس بات پر عمل کیا۔ وہ جانتا تھا کہ موجودہ خطرے کے وقت بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھکر دشمن کو بدحواس کردیا جائے، اور تم نے دیکھا کہ آخر اُسنے اپنے دشمن پر فتح پائی۔

ایک دفعہ اکبر اور بیربل میں بحث ہوئی کہ خطرے کے وقت کونسی چیز زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ اکبر نے کہا ہتھیار، لیکن بیربل نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ سب سے مفید چیز اوسان ہیں۔ دربار برخاست ہونیکے بعد بیربل گھر کی طرف جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک مست ہاتھی بھاگتا ہوا آیا۔ اور اس پر حملہ کرنا چاہا۔ بیربل نے ادھر اُدھر دیکھا آخر اُسے قریب ہی ایک کتا سویا ہوا نظر آیا۔ اُسے ٹانگ سے پکڑ کر ہاتھی کی سونڈ پر دے مارا۔ کتے کی چیخ وپکار سے ہاتھی ڈر کر بھاگ گیا۔ اور بیربل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اتفاقاً اکبر بھی اس واقعہ کو کھڑکی میں سے بیٹھا ہوا بغور دیکھ رہا تھا۔ بیربل نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ جہاں پناہ! اگر اس وقت میرے اوسان بجا نہ رہتے تو آپ ہی فرمائیے میری جان کیسے بچ سکتی تھی۔ اکبر نے جواب دیا۔ بیربل تم ٹھیک کہتے ہو خطرے کے وقت سب سے بڑا ہتھیار آدمی کے اوسان ہیں۔

سلیمی از حیدرآباد (دکن)

نظر کا دھوکا

بچو اکثر تم نے دیکھا ہوگا کہ دور سے ہمیں ایک جھاڑی دکھائی دیتی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ جھاڑی نہیں بلکہ کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہے. لیکن جب ہم قریب جاتے ہیں تو ہمیں اپنی غلطی معلوم ہوجاتی ہے. بعض اوقات دروازہ کی آہٹ سُن کر خیال ہوتا ہے کہ کوئی ہمیں بُلا رہا ہے یا اندھیرے میں اکثر ایسا ہوجاتا ہے کہ درخت کی شاخ کو ہم آدمی کا ہاتھ سمجھتے ہیں ایسے فریب دہ واقعات اکثر ہمارے تجربہ میں آتے رہتے ہیں اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے حواس (آنکھ، کان، وغیرہ) کا دھوکہ ہے لیکن واقعۃً ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ذہن ہمیں ایسے مواقع پر دھوکہ دیتا ہے جو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں ذہن اُنکی تعبیر غلط طریقے پر کرتا ہے مثلاً چھاپے کی اکثر غلطیاں جنکو ہم نظر انداز کرجاتے ہیں. ان صورتوں میں آنکھ تو وہی دیکھتی ہے لیکن ہمارا شعور اُس کی تعبیر غلط کرجاتا ہے۔

اب ہم آپکو تبلاتے ہیں کہ ہمارے ذہن کو ایسا دھوکا کیوں ہوتا ہے۔

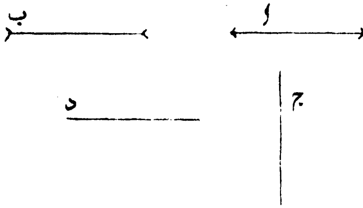
۱۔ ہم جس جواب کے عادی ہوجاتے ہیں، وہی ہم سے سرزد ہوتا ہے اگرچہ اصلی حالت کسی قدر بدلی ہوئی کیوں نہ ہو. مثلاً اگر نانی کا لفظ بار بار نوشت وخواند میں آتا ہو تو اب اگر مانی بھی لکھا ہوگا تو ہم اُسکو نانی ہی

۲۔ **حالت توقع**. بعض اوقات حالت توقع بھی التباس (فریب) کا باعث ہوتی ہے. ہم کسی دوست کی آمد کے متوقع ہوتے ہیں اور شدت انتظار میں ہر آواز قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ڈرپوک آدمی رات کو پتّے کھڑکنے اور درخت کی شاخ ہلنے کو بھی چور کی آہٹ سمجھتا ہے۔

۳۔ **تکرار**۔ اگر کوئی واقعہ ابھی ابھی گزرا ہو تو اُس کے بعد کے اکثر واقعات کو ہم پہلے واقعہ کے مثل خیال کرتے ہیں. اگر ہم نے ابھی ابھی پانی کا لفظ پڑھا ہے تو اُس کے بعد اگر "ثانی" کا لفظ بھی آیگا تو اُس کو ہم پانی ہی پڑھینگے۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک

کر پیتا ہے اس کی مثالیں ہیں۔

اب ذیل کے خطوں کو دیکھو۔



ان میں خط ا، خط ب سے اور د خط ج سے بڑا معلوم ہوتا ہے حالانکہ بالترتیب یہ خط بالکل برابر ہیں. پہلی صورت میں التباس کی وجہ یہ ہے کہ خط کے محدود ہونیسے ہماری نظر بھی محدود ہوجاتی ہے۔ اور دوسری صورت میں جب ہماری آنکھ د کے مقابلہ میں خط ج کم دیکھتی ہے گو اُس کے عضلات تھک جاتے ہیں. لیکن خط د میں آنکھ کو اوپر نیچے نہیں بلکہ اطراف کی جانب دیکھنا پڑتا ہے جس سے افقی خط عمودی خط کی نسبت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ التباس کے اور بھی سبب ہیں جنکا ذکر یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

سلیمی۔ حیدرآباد

لطیفہ

لڑکا۔ اماں! اماں!! دودھ کے برتن میں چوہیا پڑگئی ہے۔

ماں:۔ تو تم نے کیا کیا۔

لڑکا:۔ میں نے اُس میں بلی پکڑکر ڈال دی۔

مختلف ملکوں کے مشہور کھیل

کھیل زندگی کے لئے اتنی ہی اہم چیز ہے جسقدر کام، کھانا اور سونا ضروری چیزیں ہیں۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی کھیل نہ کھیلا جاتا ہو۔ کھیلوں کا دارومدار کسی ملک کی آب وہوا اور اسکی ارد گرد کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً کینیڈا کے ایک حصہ میں تمام زمین درختوں اور جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہے، اسلئے وہاں باہر جاکر کھیلنے کا بہت کم موقع ہے۔ لہذا وہاں کے لڑکے اپنے مکانوں ہی میں کھیلتے ہیں۔ ان کے سب سے دلچسپ کھیل کا نام "جیک، تم کہاں ہوگے" ہے۔ جو اس طرح کھیلا جاتا ہے:۔

دو لڑکوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور وہ گھٹنوں کے بل کمرہ کے بیچ میں ایک دوسرے سے ہٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں کے بائیں ہاتھوں میں چمڑے کی ایک ایک پٹی ہوتی ہے اور دائیں ہاتھ میں اخباروں کا ایک ایک بنڈل جو مضبوطی سے بندھا ہوتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ سے جس کا نام نکلتا ہے وہ کہتا ہے "جیک تم کہاں ہو" اور دوسرے کو جواب دینا پڑتا ہے "میں یہاں ہوں" اسکے بعد پہلا چمڑے کی اس پٹی سے اپنے حریف کو مارنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس میں کامیاب ہوگیا تو دوبارہ اسکو مارنے کا موقعہ ملتا ہے۔ لیکن اگر ناکامی ہوئی تو اسکا حریف کھیل شروع کرتا ہے یہ یاد رہے کہ چمڑے کی پٹی سے بہت زوروں سے مارا جاتا ہے۔

یہ تو ہوا مغرب کے ایک دور دراز حصہ کا ایک کھیل۔ آیئے اب ہم مشرق کے ایک دور دراز حصہ میں چلیں۔ کوریا کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ یہاں کا سب سے مشہور کھیل "رسہ کشی" ہے اس میں ہر گاؤں اور قصبے کے درمیان ٹورنامنٹ ہوتے ہیں اور جو گاؤں سب سے جیت جاتا ہے اسکی بڑی قدرو منزلت ہوتی ہے۔ رسہ کی لمبائی اور اسکے کھینچنے والوں کی تعداد مقرر نہیں ہوتی بلکہ رسہ بہت ہی لمبا اور موٹا ہوتا ہے اور گاؤں کے ہر مرد، عورت اور بچہ اس مقابلہ میں حصہ لیتا ہے۔

کوریا میں ایک اور دلچسپ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ بہت سے کھلاڑی دو جماعتوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور ایک لڑکا "شٹل کاک" کو اوپر ہوا میں پھینکتا ہے۔ اب ہر لڑکے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ شٹل کاک زمین پر نہ گرنے پائے۔ اپنے ہاتھوں، پاؤں اور کاندھوں کو اسے اوپر ہی اوپر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاتھوں کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی جس پھرتی اور عمدگی سے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

چین، جاپان اور کوریا میں پتنگ بازی بھی بڑے زوروں کی ہوتی ہے۔ پتنگ کاغذ اور سلک کے بنتے ہیں بعض لوگ اپنی پتنگوں کے ساتھ ایک قسم کا ہلکا باجہ بھی باندھ دیتے ہیں اور جب پتنگ اوپر ہوا میں پہنچتا ہے تو ہوا کے زور سے یہ باجہ بجتا ہے اور عجیب تفریح ہوتی ہے۔ پتنگوں کی شکلیں بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں کسی کی کچھوے جیسی، کسی کی سانپ جیسی اور کسی کی گھوڑے جیسی۔ رات کو بھی پتنگ اڑائی جاتی ہے اور اس طرح کہ ایک چھوٹی ہلکی سی لالٹین پتنگ کی دم میں باندھ دی جاتی ہے۔ پیچ کرنے اور پتنگ کاٹنے میں بھی یہ لوگ بڑے استاد ہوتے ہیں۔

مشرقی ممالک میں لٹو گھمانے کا کھیل بھی بہت کھیلا جاتا ہے کوریا اور جاپان میں یہ کھیل برف پر ہی کھیلتے ہیں بعض لڑکے تو اس میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ ٹاٹ پر بھی لٹو نہایت عمدہ گھما سکتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

سید نصیر احمد دہلی

اخلاقی قصے

فقیر بادشاہ

عرب کے ایک بادشاہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ اس کے کوئی وارث نہ تھا۔ اس نے وصیت کی، کہ علی الصباح جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو، اسی کے سر پر تاجِ شاہی رکھ دیا جائے۔ اور سلطنت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں سونپ دی جائے۔ اتفاق سے پہلا شخص جو شہر میں داخل ہوا وہ ایک فقیر تھا جس نے عمر بھر ٹکڑے مانگ مانگ کر کھائے تھے۔ اور چیتھڑے جمع کر کے پہنے تھے۔ امیروں اور سرداروں نے بادشاہ کی وصیت کی تعمیل کی اور قلعے اور خزانوں کی کنجیاں اس کے سپرد کر دیں۔ اس نے کچھ عرصہ تک تو نہایت امن واطمینان سے حکومت کی لیکن اسکے بعد بعض سردار باغی ہو گئے۔ اد چاروں طرف سے بادشاہوں نے جنگ کا ارادہ کر کے اس سے لڑنے کے لئے لشکر کشی شروع کر دی۔ آخر کار اس کی اپنی فوج بھی اس کے خلاف ہو گئی اور اس کے قبضہ سے نکل گئی۔ ان واقعات سے فقیر بہت فکرمند ہوا۔ اور اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اسکا ایک قدیم دوست جو افلاس و تنگدستی کے زمانہ میں اُس کا رفیق اور دوست تھا سفر سے واپس آیا۔ اس کو اتنے بلند مرتبہ پر دیکھ کر دوست نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ تمہاری ایسی تقدیر چمکی۔ کانٹے سے تمہارا گلاب کھِل اُٹھا۔ تمہارے پاؤں سے کانٹا نکل گیا۔ تم بادشاہ بن گئے۔ سچ کہا ہے کہ مصیبت کی صحبت مسرت کا دروازہ ہے کبھی غنچہ کھلتا ہے اور کبھی مُرجھاتا ہے۔ کبھی پیڑ سے پتے لگتے ہیں اور کبھی وہ خالی ہو جاتا ہے۔“

بادشاہ (فقیر) نے کہا: ”میرے پیارے دوست! میرے ساتھ ہمدردی کرو مبارکباد دی کا یہ کیا موقعہ ہے؟ جب تم نے مجھے پہلے دیکھا تھا، اس وقت مجھے ایک روٹی کی فکر تھی لیکن آج ایک دنیا کی فکر ہے۔“

اگر ہم جاہ و جلال سے بے بہرہ ہوں تو ہمیں رنج ہوتا ہے۔ اور اگر مال و دولت موجود ہو، تو ہم اس کی محبت سے اپنے پاؤں جکڑ لیتے ہیں۔ اس دنیا سے بڑھ کر مصیبت کی جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم حشمت کے طلبگار ہو، تو اسکی خوبی پر نگاہ نہ کرو کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ ”غریب کی قناعت دولت مند کی سخاوت سے بہتر ہے“۔

ایک بادشاہ کی بیماری

کسی بادشاہ کو ایک مہلک مرض نے آگھیرا۔ اکثر یونانی اطبا ر کی یہ رائے تھی، کہ اس مرض کی کوئی دوا نہیں ہے، سوا ایسے شخص کے جس میں فلاں فلاں اوصاف پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ ایسے آدمی کے لائے جانے کا حکم دیا گیا۔ بڑی جستجو کے بعد ایک کسان کا لڑکا ملا، جو ان تمام صفات سے متصف تھا۔ اس کے والدین کو طلب کیا گیا۔ اور انکو بے انتہا مال و دولت دیکر راضی کیا گیا۔ قاضی نے بھی فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کیلئے رعایا کے ایک آدمی کا خون بہانا روا ہے۔ جلاد تلوار کی ضرب لگا اس غریب لڑکے کو قتل کیا ہی چاہتا تھا کہ لڑکا آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ بادشاہ نے پوچھا: ”اس بیموقعہ ہنسی کا کیا مطلب“؟ لڑکے نے جواب دیا: ”کہ بیٹے والدین پر ناز کرتے ہیں، قاضی سے شکایت کرتے ہیں بادشاہ سے انصاف چاہتے ہیں لیکن اب والدین نے چند روزہ جہان زر و مال کیخاطر مجھے موت کے حوالہ کر دیا ہے۔ قاضی میری قتل کا فیصلہ کر چکا ہے اور بادشاہ اس میں بہبودی دیکھتا ہے چنانچہ خدا کے سوا مجھے اب کوئی اور پناہ نظر نہیں آتی کسکے روبرو میں آپکے خلاف شکایت لیجاؤں؟ آپ ہی سے میں آپ ہی خلاف انصاف کا خواہاں ہوں“۔

یہ سُن کر بادشاہ کا جی بھر آیا آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے وہ بولا ”کسی ایسے بیگناہ خدا کے بندے کا خون بہانیکی نسبت یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ میں جانبر نہو سکوں“ پھر بادشاہ نے اس لڑکے کو آزاد کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ اسکے بعد وہ بادشاہ بہت ہی جلد تندرست ہو گیا۔

محمد اسلم ارشد از پشاور

ہر بچہ کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینے چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو عہ ہے جو ایکدم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن عہ یا ۸/ ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہے تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھ کر ہم سے دریافت کرے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اسی دن اسکو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

		قیمت
(۱)	چڑیا چڑے کی کہانی	۲ر
(۲)	چوہے بلی نامہ	۴ر
(۳)	کرمو دھرمو	۴ر
(۴)	نقلی شہزادہ	۴ر
(۵)	گدھے کی سرگذشت	۴ر
(۶)	نرکوں کی کہانیاں	۴ر
(۷)	نعیم پچیسی	۳ر
(۸)	زرداد	۶ر
(۹)	لنگڑا ماموں	۳ر
(۱۰)	شہر شہری شہریت	۵ر
(۱۱)	ملکشمی	۴ر
(۱۲)	حکایات شیریں جلد اول	۶ر
(۱۳)	" " جلد دوم	۶ر
(۱۴)	" " جلد سوم	۶ر
(۱۵)	" " جلد چہارم	۶ر
(۱۶)	سولہ کہانیاں	۱۲ر

اسکاوٹ کی ۳ ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ۔ یہ دیوار پر لٹکانیوالا نہایت عمدہ نقشہ ہے جسمیں فرسٹ ایڈ کے متعلق مفصل معلومات ہے ۱۲ر

(۲) ضروری معلومات۔ یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے ۳ر

(۳) ٹنڈرفٹ ٹسٹ کارڈ۔ پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

عربی کی پہلی۔ مصنفہ احمد شاہ صاحب	۳ر
" دوسری " " "	۴ر
" تیسری " " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمن صاحب	۱۲ر
" " " حصہ دوم	۱۲ر

نظمیں

		قیمت
(۱)	بچوں کے گیت	۳ر
(۲)	سنہری گیت	۳ر
(۳)	پھول باغ حصہ اول	۱۲ر
(۴)	" حصہ دوم	۶ر
(۵)	راکھ بیگم	ار
(۶)	بیاض رنگیں حضور	۵ر
(۷)	مناجات ذکا	ار
(۸)	رباعیات حالی	۳ر
(۹)	حب وطن	۳ر
(۱۰)	مناجات بیوہ	۴ر
(۱۱)	چپ کی داد	۲ر
(۱۲)	درس عمل	۴ر
(۱۳)	مرزا پھویا	ار
(۱۴)	بیاض گل	۸ر
(۱۵)	آغوش مادر	۱۰ر
(۱۶)	پہیلیاں	ار

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ہندوستان بھر میں

عمدہ، مضبوط، دیرپا، خوبصورت نفیس اور نسبتاً ارزاں قیمت سامان کھیل مہیا کرنیوالا کارخانہ

ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ

شہر سیالکوٹ کو یاد رکھیں



اگر آپ کو

یا آپکے دوست احباب کو کسی قسم کا سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال والی بال ہاکی ٹینس، بیڈمنٹن وغیرہ کی ضرورت ہو تو ہمیشہ براہِ راست اسکولوں کے خاص دیرینہ خادم کارخانہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ سیالکوٹ کو لکھیں

ہمارا سامان ہاکی

اپنی خوبی، عمدگی مضبوطی اور نسبتاً ارزاں ہونیکی وجہ سے ثابت ہوچکا ہے۔ جوں جوں شوقین کھیل کلبوں کے سکرٹری اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان بطور آزمائش منگاتے ہیں اسکی عمدگی مضبوطی اور نفاست کو دیکھ کر شیدا ہوئے جاتے ہیں چنانچہ بہت سے ہمارا سامان ہاکی ایک مرتبہ بطور آزمائش کے منگا کر انہوں نے روزمرہ کی پریکٹس اور مقابلہ کے میچوں میں حسب خواہش عمدہ اور مضبوط پاکر اعلیٰ سرٹیفکیٹ دئے اور بڑے بڑے آرڈر دے مستفید فرمانے اور کارخانہ کے مستقل خریدار بننے کے علاوہ کمپنی کے مجسم اشتہار بنگئے

ہمارا سامان کھیل

عرصہ گیارہ سال سے مستقل طور پر ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں، جمخانوں، ریاستوں اور کلبوں میں بکثرت خریدا جانیکے علاوہ ممالک غیر میں بھی منگوایا جاتا ہے اس اثنا میں جسقدر شہرت اور ناموری میں اپنی دیانتداری کی وجہ سے کارخانہ کو نصیب ہوئی ہے شاید ہی کسی اور دوسرے کو ہوئی ہو آپ بھی اپنا آزمائشی آرڈر بھیجکر ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ذیل میں مختصر فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر ۲ر فی روپیہ کی خاص رعایت دی جائیگی حسب طلب ضرور لکھ کر طلب کریں۔

فہرست سامان ہاکی

دی منارک تین ربڑ سپرنگ ہنڈل ہاکی اوپر کا نچلا حصہ لپٹا ہوا نہایت مضبوط اور خوبصورت قیمت
دی میجسٹک ڈبل سپرنگ ہنڈل اوپر کا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط اور دیرپا قیمت
دی مارشل ڈبل سپرنگ ہنڈل ہاکی سن پروف رنگ کا ولایتی دھاگا لپٹا ہوا خوبصورت قیمت
دی مارشل سنگل سپرنگ ٹوائیں بونڈ ہنڈل
دی میجر آل کین ہنڈل اوپر سیاہ ولایتی دھاگہ
دی اسپیشل پریکٹس ڈنڈا ہاکی اوپر چمڑہ لپٹا ہوا
چھوٹے بچوں کی ہاکیاں مارسین پریکٹس
ہاکی بال منارک میچ
اسپیشل پریکٹس . . . . .

فہرست سامان کرکٹ

دی ہیمنگ تین ربڑ سپرنگ ہینڈل کرکٹ بیٹ اوپر کا مضبوط چمڑہ سیاہ نہایت مضبوط قیمت
دی مارشل ڈبل سپرنگ لیدر بونڈ ہینڈل بیٹ
دی میجر سنگل سپرنگ ٹوائیں بونڈ ہینڈل بیٹ
دی اسپیشل پریکٹس آل کین ہینڈل روزانہ پریکٹس کیلئے
چھوٹے بچوں کے کرکٹ بیٹ نمبر
کرکٹ بال دی منارک میچ اسپیشل پریکٹس
لیگ گارڈ چمڑے کے زنگدار
بیٹنگ گلوز وکٹ گلوز بڑھیا
فی جوڑہ۔ وکٹ دی مارشل بڑی چھوٹی فی سٹ معہ بلیز پیتل کی سکورنگ بک
چھوٹے بال ایک روپیہ

فہرست سامان فٹ بال

دی منارک اٹھارہ ٹکڑہ کا درجہ اول نہایت مضبوط اور خوبصورت فٹ بال معہ ایک ٹکڑہ میں مکمل قیمت
دی میجسٹک تیرہ ٹکڑہ کا معہ ایک ٹکڑہ میں مکمل
دی اسپیشل پریکٹس روزانہ پریکٹس کیلئے مضبوط فٹ بال . . . . . .
دی میجر سادہ مگر نہایت مضبوط ایک ٹکڑہ میں
چھوٹے بچوں کے لئے میجسٹک فٹ بال
بلیڈر سرخ تازہ مال
پچکاری بڑی قیمت درمیانہ قیمت
فٹ بال بوٹ ولایتی فی جوڑہ قیمت جرابیں
سلوشن سیٹی قواعد فٹ بال

فہرست سامان والی بال

ملک والی بال گلدستہ رنگ برنگی ٹکڑے لگا نہایت خوبصورت اور مضبوط معہ ایک ٹکڑا میں
دی منارک والی بال گلدستہ قسم دوم مکمل
چھوٹے بچوں کیلئے والی بال مکمل
فاتو بلیڈر برائے والی بال
جال نیوں رنگ بڑھیا قسم معہ سوتی ڈوری کے قیمت آٹھ روپیہ
دی منارک سفید بڑھیا جال قیمت
والی بال پولز فیروزی رنگ کے سنہری شاموں والے ولایتی پالش شدہ معہ رسوں اور منگلی

سامان بذریعہ وی پی پارسلوں کے ارسال ہوگا خرچ ڈاک پارسل اور کرایہ وغیرہ ہر حالت میں بذمہ خریدار

پتہ جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ

تار کا پتہ:۔ رجسٹری شدہ
"Malik" Sialkot

طابع و ناشر:۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب پی، ایچ، ڈی (برلن)، مطبع جید برقی پریس بلیماران دہلی۔ کاتب:۔ عبدالملک معلم جامعہ ملیہ دہلی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ ۲ع

ششماہی عہ

فی پرچہ ار

نرخنامہ اشتہارات

فی صفحہ ہئے

نصف صفحہ صہ

چوتھائی صفحہ سے

ایڈیٹر :۔ سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نمبر ۱۱	۷/اپریل سنہ ۱۹۳۰ء	جلد ۸

فہرست مضامین

خبریں

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

مہاتما گاندھی جی کا وہ تاریخی سفر جو تقریباً ۲۴ دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اب اپنی آخری منزل کو پہنچ رہا ہے، موجودہ زمانہ کی تاریخ میں سب سے بڑا واقعہ ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ اب سے ہزاروں سال پہلے رام چندر جی اپنی عصمت مآب سیتا کی حمایت میں اپنے جنگل کے کچھ غیر جنس ساتھیوں کو لیکر لنکا کے طاقتور راجہ راون کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے، مسلمانوں کے ہاں بھی انہی حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام ۷۲ حق پرستوں کی رفاقت میں یزید کے جیسے جرار لشکر سے لڑنے کے لئے میدان کربلا میں نکلے تھے ٹھیک اسی طرح آج سابرمتی آشرم کا یہ سادھو ۷۹ رضاکاروں کا غیر مسلح دستہ لیکر اس حکومت سے مقابلہ کرنیکے لئے پاپیادہ مسافت طے کر رہا ہے جو راون سے کہیں زیادہ ہندوستان کی عزت و آبرو کی غارتگر ہے اور یزید سے کئی گنا فاقہ کشوں کی ہلاکت کا باعث ہے۔ ۱۲ مارچ کو جسدن یہ قافلہ روانہ ہونیکو تھا، تمام اطراف واکناف سے ہزارہا آدمی جوق جوق آکر رات ہی سے آشرم کے چاروں طرف جمع ہوگئے تھے، تاکہ علی الصباح اس سربکف قافلہ اور سالار قافلہ کی آخری دید کا نظارہ کرسکیں۔



صبح کے ساڑھے چھ بجتے ہیں اور ۷۹ رضاکاروں کی یہ ننھی جماعت مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہوجاتی ہے اور سالار قافلہ کی سرکردگی میں فتح و مسرت کے نعروں کے ساتھ روانہ ہوتی ہے۔ پہلے دن صرف ۵ میل سفر طے ہوتا ہے اور اسلالی سب سے پہلی منزل قرار پاتی ہے اس کے بعد یہ قافلہ دوسرے دن آگے بڑھتا ہے لیکن اسکی شہرت کی لین ڈوری اس سے بھی آگے آگے چلتی ہے اور آگے آنیوالی بستیوں کے لوگ گروہ درگروہ اور ٹولی ٹولی آکر راستہ کے ارد گرد جمع ہوجاتے ہیں اور ان زائرینِ حق کے پیروں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں ہر ہر منزل پر گاؤں والوں کی طرف سے ضیافت ہوتی ہے، کہیں دیہیوں کی نذر پیش کی جاتی ہے کہیں عورتیں اپنی اپنی چار دیواریوں کو چھوڑ کر اس حق کی فوج میں نام لکھانے کے لئے آتی ہیں لیکن ان تمام نذر و ہدایے میں اور عقیدت و محبت کی اس ساری خریداری میں اس بڑھیا کی نذر سب سے بیش قیمت اور گرانبہا ہے جو میلوں کی مسافت طے کرکے نذر و عقیدت کا ہدیہ اپنے دامن میں لیکر آئی تھی۔

لیکن ان سب سے اہم اس جاترے کا سیاسی اثر ہے جو تمام صوبہ گجرات میں پھیلتا جارہا ہے اور اس کے توسط سے تمام ہندوستان میں چھا جائیگا جن جن تعلقوں اور گاؤں سے یہ قافلہ گزرتا ہے وہاں کے پٹیل، مکھیا، مقدم اور جتنے دیہات کے سرکاری ملازمین ہوتے ہیں، وہ سب اپنی اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دیتے جارہے ہیں،

جوں جوں یہ قافلہ منزل مقصود سے قریب ہوتا جارہا ہے، توں توں حکومت کے اوسان خطا ہوتے جاتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے جرم پر کہیں سزائیں دی جارہی ہیں کہیں مجرموں سے چشم پوشی کرلی جاتی ہے بعض جرائم کیلئے جن پر سال سال کی سزا اور ہزاروں روپے جرمانہ ہوتے ہیں، صرف ۰ ادن کی قید محض کافی سمجھی جاتی ہے۔ بنگال میں کلکتہ کارپوریشن کے میئر مسٹر سین گپتا برہما میں تقریر کرنے کے جرم میں پکڑے جاتے ہیں اور صرف دس دن قید محض کی سزا پاتے ہیں۔ ابھی لوگوں کے دلوں سے سزا کی یاد محو بھی نہیں ہونے پاتی کہ وہ چھوٹ کر آجاتے ہیں۔ شاردا ایکٹ کے مسترد کرانے پر مسلمانوں کا مطالبہ ابھی باقی تھا کہ انگلستان کے بڑے بڑے تاجروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے "ٹیرف بل" پاس کیا جاتا ہے اور حکومت کے ایک بڑے منظور نظر پنڈت مالوی جی مع ۳۰ ممبروں کی جماعت کے اسمبلی سے نکل آتے ہیں۔ گورنمنٹ کے ایک بڑے معتمد رکن مسٹر کریرار، ہوم ممبر اسمبلی، صدر اسمبلی سے روٹھ کر انگلستان چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے جانشین بھی ایک ذراسی آویزش پر اپنے عہدہ سے علیحدگی کی دھمکی دیتے ہیں۔ یہ سب اسی سادھو کے اس جاترے کا نتیجہ ہے کہ ایوان ہند سے لیکر ایوان انگلستان تک میں ایک درہمی پیدا ہے۔ دیکھئے ۶ اپریل کے بعد کیا ہوتا ہے۔

موجودہ سیاست اور طلبہ

مارچ سنہ مہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ اس لئے نہیں کہ اس مہینہ میں جو سیاسی تحریک مہاتما گاندھی اور اُنکے ساتھیوں نے احمدآباد سے شروع کی ہے، اس کے جلد کامیاب ہونے کی کوئی توقع ہے بلکہ اس لئے کہ کامیابی و ناکامی کو خدا پر چھوڑکر ایک کرم یوگی نے سیاست ہند میں پھر ایک بار اس راہ پر گامزنی شروع کی ہے جسے وہ اپنے ملک اور اپنے ملک کے واسطہ سے انگلستان اور ساری دنیا کے لئے نجات و فلاح کی راہ جانتا ہے۔ آج سے دس سال قبل بھی اس نے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے مقتدر رہنما علی برادران نے اس راہ پر قدم اُٹھایا تھا لیکن اس وقت مہندوستان کے سامنے معاملہ اس وضاحت سے نہیں آسکا تھا جیسا اس مرتبہ ممکن ہے۔ ملک میں مختلف گروہوں کو مختلف شکایات تھیں، مسلمانوں سے ترکی کے معاملے میں بدعہدی کی گئی تھی، جنگ کے زمانہ میں ملک سے جو وعدے ہوئے تھے اُنکی تعبیر جلیانوالہ باغ میں ملی تھی، ملک کی سیاسی جماعتیں جن میں تعلیمیافتہ مہندوستانیوں کا نفوذ ہے حقوق سیاسی کے مطالبے یعنی کونسلوں میں زیادہ نیابت، ملازمتوں میں زیادہ جگہوں کے لئے کوشاں تھیں۔ ان سب کو سابرمتی کے ایک سادھو نے ساتھ لے لیا تھا اور عدم تشدد کی شرط لگاکر سب کے دکھوں کی دارو تلاش کرنے نکلا تھا۔ اس تلاش میں بھی اس نے عدم تشدد کو شرط اول قرار دیکر اور پھر غریب کسانوں کی خاطر کھدر کو اپنے سیاسی لائحہ عمل کا لازمی جزو بنا کر سیاست ہند کو بالکل نئی راہ پر ڈالنا چاہا تھا اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا تھا۔ لیکن تحریک میں عام افسردگی اور سیاسی فضا میں اس پژمردگی کے بعد جو عدم تشدد کے اصول پر دیانتداری سے قائم نہ رہنے کے باعث ہوئی اور پھر تنگ دل ساتھیوں کی غلطیوں سے اور کوتاہ بیں دوستوں کی زود رنجیوں سے اس حد کو پہنچی کہ ملک کا ہر سچا بہی خواہ اس پر خون کے آنسو روتا تھا اس سادھو نے پھر سیاست کے میدان میں قدم رکھا تو اس مرتبہ ان دو چیزوں کو (جو حقیقتاً سیاست ہند میں اس کا مخصوص اضافہ ہے) بالکل واضح کر دیا۔ ان میں سے ایک چیز مقصد سے متعلق ہے دوسری طریقہ کار سے۔ اب مہندوستان کی جدوجہد آزادی میں یہ ممکن نہ ہوگا کہ چند تعلیمیافتہ لوگ اپنے کروروں ہم قوموں کے مفاد کو نظرانداز کرکے بس اپنی جیبیں بھرنے کو سیاست ملکی کی واحد غرض سمجھیں۔ مہندوستان میں سوراج کے معنی ان ..... کسانوں اور مزدوروں کی حق یابی ہونگے جو اب تک بے زبان تھے اور جنکا نام لیکر ہمارے تعلیم یافتہ ہندوستانی ایک سفید دفتریت کے بجائے سیاہ یا گندمی دفتریت قائم کرنا چاہتے تھے۔

طریق کار میں عین اس وقت جبکہ تشدد کی قوتیں زور پکڑ رہی تھیں اور بہت ممکن تھا کہ ان قوتوں کی ناعاقبت اندیشیاں اور عجلت پسندیاں ملک کو ایک غیر متعین عرصہ تک کے لئے بے نتیجہ کشت و خون اور دلوں کو بے سود نفرت و حقارت کا آماجگاہ بنا دیتیں، اس نبض شناس سادھو نے پھر عدم تشدد اور پُرامن سعی کے لئے وہ راہ نکالی جو صرف اسی وقت ملک کو گرم مزاج تشدد پسندوں کے تجربے سے محفوظ نہ کریگی بلکہ آیندہ کے لئے بھی مسائل کے تصفیہ کا ایک موثر طریقہ بتلاکر ملک کو شدید خانہ جنگیوں سے بچا سکے گی۔

ہر ملک کے نوجوان آزادی کی جنگ میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ مہندوستانی نوجوان بھی اس جدید تحریک میں شرکت کے لئے بیتاب ہوں پچھلے دنوں اس قسم کی متعدد خبریں شائع ہوچکی ہیں کہ سرکاری کالجوں کے طالب علموں نے کہیں قومی جھنڈا لگاکر کہیں تقریروں اور نعروں سے اس تحریک کے ساتھ اپنی ہمدردی کے ثبوت کی کوشش کی اور نادان معلموں نے ان نوجوانوں کے دلوں کو امتحانوں، سندوں، ملازمتوں کا واسطہ دیکر روکا۔ کاش یہ معلم سمجھتے کہ ان کے سپرد ان نوجوانوں کی روحوں کی پرورش کا کام ہے نہ انکے قتل کا! تعلیم و سیاست کے تعلق پر بے ربط اور اکثر بے معنی خیالات کا اظہار اس سنگین جرم کی نوعیت میں ذرا تغیر نہیں پیدا کرسکتا جو نفسیات شباب سے ناواقف معلم سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عملی سیاست میں شرکت سے مصالح شخصی کی بنا پر نوجوانوں کو روکا بھی جائے تو ہر سچے معلم کا فرض تو ضرور ہے کہ وہ موجودہ تحریک کے مذکورہ بالا دو عناصر

خصوصی کو ہر ہندوستانی طالب علم کے ذہنی متاع کا جزو بنانے میں مدد دے۔ جدید تعلیم نے ہندوستان کو تقریباً دو مختلف قوموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک قوم میں ہندوستان کے کروروں محنت کش ہیں اور دوسری قوم میں تھوڑے سے سفید پوش جو انکے نام سے اپنی روزی اپنی عزت اور اپنی نمود کا سامان کرنا چاہتے ہیں۔ ہر فرض شناس ہندوستانی معلم کو چاہیئے کہ وہ ان نوجوانوں کو جنکی ذہنی و اخلاقی تربیت اس کے سپرد ہے اس خطرناک خواہش کو دور رکھے کہ وہ اپنے غریب ہموطنوں کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اپنی اغراض کو پورا کرنا چاہے۔ اسلئے کہ اسکا لازمی نتیجہ جلد یا بدیر وہ ہوتا ہے جو روس میں اس ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کا ہوا۔ خدا ہندوستان کو اس دن سے بچائے جب صدیوں کے اس جماعتی قرض کو مہینوں میں چکانے کے لئے اس تعلیمیافتہ طبقے کے ساتھ ہماری ذہنی زندگی کے قیمتی عناصر بھی تباہ و برباد کئے جائیں۔

دوسری چیز جسکا راسخ عقیدہ معلمین کو اپنے طلبہ کے دلوں میں بٹھانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مخصوص حالات میں تمام مسائل سیاسی و جماعتی کا حل پُرامن طریقوں سے ہونا چاہیئے۔ علاوہ ان بے شمار فواید کے جو اس وقت اور آیندہ ہمارے ملک کو اس سے حاصل ہونگے، اس کا کامیاب تجربہ ساری دنیا کے لئے ایک بڑی برکت ثابت ہوگا۔ اس طریقہ کار کے لئے میدان عمل فراہم نہ کرنا اور اس تجربہ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بلا قصد ان تشدد پسند جماعتوں کے اثر کو بڑھانا ہے جن کا اثر افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

راہ عمل

"ینگ انڈیا" مورخہ ۲۰ر مارچ سنہ ۳۰ء میں مہاتما گاندھی نے طلبہ کے متعلق ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا ہے جس میں گجرات و دیاپیٹھ کی اس جنگ آزادی میں شرکت کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:۔

مجھے یقین ہے کہ ہر قومی تعلیم گاہ گجرات ودیاپیٹھ کی تقلید کریگی جس نے سنہ ۱۹۲۰ء کے عدم تعاون کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہا تھا۔ اور مجھے امید ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری درسگاہیں بھی اس مثال کی تقلید کرینگی۔ اس دور کے ہر انقلاب میں طلبہ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اس تحریک میں صرف اس وجہ سے کہ یہ ایک پُرامن تحریک ہے، طالبعلموں کو پیچھے ہرگز نہ رہنا چاہیئے۔

گجرات ودیاپیٹھ کا نصب العین ہے "علم جو نجات دلانیوالا ہو" اس اصول پر کہ جزو کل میں شامل ہے، قومی آزادی یا مادی آزادی، روحانی آزادی میں داخل ہے۔ جو علم تعلیم گاہوں میں حاصل کیا جاتا ہے، وہ کم سے کم اس قابل تو ہو جو اس قسم کی آزادی کا راستہ بتا سکے۔

معمولی سے معمولی آدمی بھی یہ ضرور محسوس کریگا کہ اُن ستیہ گرہی جاتریوں کی روزمرہ کی زندگی خود ایک مکمل تعلیم ہے۔ یہ آوارہ گرد باغیوں کی کوئی جماعت نہیں ہے جو ادھر اُدھر ہنگامہ مچاتی پھر رہی ہو اور جو کچھ جی میں آئے کر گزرتی ہو یہ ایک ایسے لوگوں کی جماعت ہے جنھیں اپنے اوپر پورا قابو ہے اور جنھوں نے منتظم مظالم کے خلاف عدم تشدد دانہ بغاوت کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے، جو خود مصیبتیں جھیلکر آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس جاترا کے دوران میں عدم تشدد اور صداقت کے ذریعہ آزادی کا پیغام پھیلانا چاہتے ہیں۔ والدین کو مطلق کوئی فکر نہ ہوتی چاہیئے کہ انھوں نے اپنے کسی بیٹے، یا بیٹی کو بہترین تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے جو ان حالات میں ممکن ہو سکتی ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء کی صدا اور اس وقت کی صدا میں بہت فرق ہے۔ سنہ ۲۰ء کی صدا سرکاری تعلیمگاہوں کو خالی کرنے اور قومی درسگاہیں قائم کرنے کے لئے اُٹھائی گئی تھی۔ وہ ایک تیاری کی صدا تھی۔ آج آخری جنگ لڑنے یعنی عام سول نافرمانی کرنے کی صدا دی جا رہی ہے۔ ممکن ہے اسکی نوبت آئے ممکن ہے، نہ آئے۔ اس کی نوبت نہ آئیگی اگر ان لوگوں نے جنھوں نے آزادی کی صدائیں بہت بلند اُٹھائی ہیں، لیکن ان کے اندر عمل نہیں ہے۔ اگر نمک اپنا مزہ کھو دے تو پھر نمک کہاں سے آئیگا؟ طلبہ سے یہ اُمید کیجاتی ہے کہ وہ ایک ایسی نازک حالت میں صرف بے معنی نعروں سے کام نہیں گے بلکہ اپنی خاموش، باوقار اور سرفروشانہ عملی کوششوں سے، جو انکے شایان شان ہونگی۔ ممکن ہے کہ طلبا کو ایثار و قربانی اور اس سے زیادہ عدم تشدد پر اعتقاد نہ جمتا ہو۔ اس صورت میں وہ قدرتاً باہر نہ آئیں اور نہ انکے آنیکی ضرورت ہے وہ انقلاب پسندوں کی طرح بیٹھے انتظار کریں اور دیکھیں کہ فعل میں عدم تشدد کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ انکا ایک بہت بہادرانہ کام ہوگا کہ وہ یا تو اپنے کو اس عدم تشددانہ بغاوت میں بالکل ڈالدیں یا پھر غیر جانبدار رہیں اور اگر وہ چاہیں تو غور سے مطالعہ کریں کہ آیندہ واقعات کی رفتار کیا ہوتی ہے۔ وہ اس تحریک کو خراب کر دیں گے اور نقصان پہنچائیں گے اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کریں گے اور بانیان تحریک کی تدبیروں پر کاربند نہونگے یا انکے خلاف کرینگے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر سول نافرمانی اپنے پورے پیمانہ پر اب نہ شروع ہو سکی تو پھر آیندہ نسل میں بھی نہ ہو سکیگی، طلبہ کے سامنے راستہ بالکل کھلا ہوا ہے۔ وہ جو راہ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ گزشتہ دو سال [illegible] وہ چاہیں تو آخری طور پر کر سکتے ہیں۔

آکسفورڈ اور کیمبرج

آکسفورڈ اور کیمبرج ؟ تم ہلکے نیلے کی طرف ہو یا گہرے نیلے رنگ کی طرف؟ بوٹ ریس میں کون جیتیگا ؟ ایسے سوالات اور ایسے فقرے بہار کے موسم میں ہزاروں آدمیوں کے منہ سے سُنے جاتے ہیں۔ درحقیقت اہل انگلستان ان دونوں درسگاہوں کو ایک دوسرے کا حریف سمجھتے ہیں۔

آکسفورڈ اور کیمبرج انگلستان کے ملک میں دو مشہور قصبے ہیں اور اس وقت سے مشہور ہیں جب کہ ابھی ان دونوں قصبوں میں یونیورسٹیاں تعمیر نہ ہوئی تھیں۔ آکسفورڈ ایک مشہور "کونٹی" (ضلع) کا صدر مقام ہے اور یہاں بہت سے گرجے ہیں۔ ۱۰۷۰ء میں ولیم فاتح نے رابرٹ ڈی آلی کو جو ایک مشہور سپاہی تھا حکم دیا کہ وہ ایک بڑا قلعہ وہاں تعمیر کرے، اب بھی اُس قلعہ کے کچھ آثار باقی ہیں۔ اگر آپ جنوب کی طرف سے آکسفورڈ میں داخل ہوں تو آپ کو ایک اونچے سے ٹیلہ پر ایک چوکور مینار سا نظر آئیگا۔ یہ قلعہ بہت مستحکم تھا اور تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کبھی فتح بھی کیا گیا تھا، اس قلعہ سے ایک مشہور واقعہ بھی وابستہ ہے ۱۱۴۲ء کے خزاں کے موسم میں ملکہ نے اپنے بھانجے اسٹیفن سے جان بچا کر اس قلعہ میں پناہ لی۔ سردی کا موسم تھا چند دن بعد خوراک ختم ہونیکو آئی۔ سردی اس قدر زیادہ تھی کہ پانی جم گیا تھا اور ہر جگہ برف ہی برف تھی۔ ایک تاریک رات کو یہ ملکہ سفید لباس میں ملبوس اپنے تین ساتھیوں کی مدد سے کھڑکی کے راستہ سے نکل بھاگی اور دریائے ٹیمز کو عبور کر کے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک اور قلعہ میں پناہ لی، آکسفورڈ کا بڑا گرجا شروع میں ایک خانقاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور شاہی خاندان کی ایک عورت :   کی ملکیت میں تھا جس کے متعلق بہت ہی روایات مشہور ہیں۔

کیمبرج گو گرجوں کا شہر نہیں لیکن انگلستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور رومیوں کے وقت سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں بھی آکسفورڈ کی طرح ایک قلعہ تھا جس کے آثار بالکل معدوم ہو چکے ہیں۔ اسکی نشانی رکھنے کے لئے ایک مصنوعی ٹیلہ بنا دیا گیا ہے جسے "کیسل ہل" کہتے ہیں۔

مرٹن جسکی بنیاد ۱۲۶۴ء میں رکھی گئی تھی، آکسفورڈ کے کالجوں میں بہت ہی قدیم کالج ہے اور سینٹ پیٹرز جسے پیٹرز ہاؤس بھی کہتے ہیں کیمبرج میں سب سے پُرانا کالج ہے جو ۱۲۸۴ء میں تعمیر ہوا تھا۔

ڈی مرٹن کے آنے سے پہلے جو کالج کا اصلی بانی تھا، تمام طلبا علیحدہ علیحدہ رہا کرتے تھے۔ ڈی مرٹن نے محسوس کیا کہ اگر ان نوجوانوں کو ساتھ ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے اور چند قوانین کے ماتحت رکھا جائے تو ان میں نظام عمل اور ادب پیدا کرنا آسان ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس نے ایک اسکیم تیار کی اور ان لوگوں سے ملا جن کو اس مقصد سے ہمدردی ہو سکتی تھی۔ جلد ہی یہ اسکیم کامیاب ہو گئی اور نہ صرف طلبا ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ بلکہ ان لوگوں نے اور کالجوں کی بنیاد بھی ڈالدی اور اس طرح کئی کالج بن گئے۔

پیٹرز ہوس کا بانی ہوگو ڈی بالشام تھا اور بالکل ڈی مرٹن کی مثال۔ لیکن اس نے ایک کافی رقم کالج کیلئے وقف کر دی تھی۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ان بڑے بڑے لوگوں کی تعداد جنہوں نے دونوں درسگاہوں میں سے کسی ایک میں بھی تعلیم حاصل نہیں کی، بہت ہے لیکن کیمبرج اور آکسفورڈ نے بھی بڑے بڑے علما، فضلا، پادری، لیڈر، وکلا، سیاح اور شاعر پیدا کئے۔

چند سال ہوئے آکسفورڈ اور کیمبرج میں عورتوں کے لئے اسکول کُھل گئے ہیں لیکن فارغ التحصیل ہونیکے بعد ڈگریاں صرف آکسفورڈ سے دیجاتی ہیں

تاریخ انگلستان کے بہت سے واقعات کا تعلق آکسفورڈ اور کیمبرج سے ہے۔ آکسفورڈ کے گرجے میں وہ جگہ اب تک محفوظ ہے جہاں آرچ بشپ کرینمر نے اپنے مقدمہ کا فیصلہ سُنا تھا۔ اور وہ جگہ بھی موجود ہے جہاں چارلس اوّل نے اسوقت خدا کا شکر ادا کیا تھا جب اسکو کرامویل کے ساتھیوں پر فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ دو سو سال سے شیلڈ نین تھیٹر میں مختلف چانسلر طلبا کو ڈگریاں دیتے چلے آئے ہیں

اخلاق

روسی کہاوتیں

(۴۹) چور باز چور کا بھائی۔

(۵۰) بھیڑیئے کو جتنا چاہو کھلاؤ، اُسکی نظر جنگل ہی کی طرف رہتی ہے۔

(۵۱) جسکی قسمت میں پھانسی ہو، ڈوب کے نہیں مرتا۔

(۵۲) روپیہ ہو تو گاڑی کے پہیئے چلنے لگتے ہیں۔

(۵۳) بھیڑیئے پکڑتے ہیں لیکن پکڑے جاتے بھی ہیں۔

(۵۴) بھٹکتے پھرنے سے لوٹ آنا اچھا۔

(۵۵) مرغی کو زیبا نہیں کہ مرغے کی اذان دے۔

(۵۶) بُرے سودے کا اندھا گاہک

(۵۷) چور وہ جو پکڑا جائے۔

(۵۸) جو اخروٹ نہ توڑے گودا نہیں کھاتا۔

(۵۹) سور کی ناک لیمو نہیں سونگھتی۔

(۶۰) لنگور ریشمی جوڑے میں بھی لنگور ہی رہتا ہے۔

(۶۱) ایک سپاہی سے پلٹن نہیں بنتی۔

(۶۲) باپ ماہی گیر۔ بیٹوں کی پانی پہ نظر۔

(۶۳) آخر سے بہتر پہلی لڑائی۔

(۶۴) بال بال کرکے ساری ڈاڑھی نُچ جاتی ہے

(۶۵) سور کو جتنا چاہو نہلاؤ کیچڑ میں جا بیٹھے گا۔

(۶۶) سوداگر کو ایک آنکھ کافی، گاہک کو سو کم۔

(۶۷) دوست دشمن بنے تو سب سے بڑا دشمن ہے۔

(۶۸) مست بیدار ہو جاتا ہے۔ احمق ہمیشہ سوتے ہیں۔

(۶۹) ستار کا بند زبان بولتی ہے

(۷۰) تنکوں کو آگ سے دور رکھو

(۷۱) خزانہ دوست ہو نہ ہو، دوست خزانہ ہوتا ہے۔

(۷۲) پوچھنا عیب نہیں۔ جواب نہ پانا بدقسمتی نہیں۔

(۷۳) آشتی پسند بھیڑیئے کو بچھڑے چومتے ہیں

(۷۴) انسانوں سے آشتی رکھو اور اپنے عیبوں سے دشمنی۔

(۷۵) بھیڑیئے سے دوستی بیشک رکھو مگر اپنے کلہاڑے کو بھی تیز رکھو۔

(۷۶) شرمیلا سائل بھوکا رہتا ہے۔

(۷۷) جب سیب نہ ملے تو گاجر کو بھی غنیمت جانو۔

(۷۸) بھرا پیٹ عقل کی نہیں سنتا۔

(۷۹) سو دوست کم ایک دشمن کافی۔

(۸۰) ہر جانور کی اپنی اپنی کھال۔

(۸۱) گھر میں عقل نہ ہو تو باہر سے نہیں آ سکتی۔

(۸۲) سیانا ساتھی آدھا رستہ طے۔

(۸۳) احمق کی دوستی رکھو تو ہوشیار بھی رہو۔

(۸۴) سیب حسین کو دو، اور گلاب کا پھول عقلمند کو۔

(۸۵) بیل کے سامنے ہو تو اس کا دھیان رکھو، گدھے کے پیچھے ہو تو اس کا دھیان رکھو۔ اور راہب کا خیال رکھو جہاں بھی ہو۔

(۸۶) ہمارا آپس میں رشتہ ہے۔ ہم سب نے ایک ہی دھوپ میں کپڑے سکھائے ہیں۔

(۸۷) دولت مند کو تحفہ دینا سمندر میں پانی پھینکنا ہے

(۸۸) گندھک کا ایک چمچہ شہد کا بھرا برتن بگاڑ دیتا ہے۔

(۸۹) نیا دوست ایسا ہے جیسے بہار میں منجمد ندی۔

(۹۰) بڑے چور چھوٹے چور کو سولی پر چڑھاتے ہیں

(۹۱) ہر شخص کو وہ درخت پیارا ہے جو اس کو سایہ دے۔

(۹۲) بچہ روئے نہیں تو ماں اسکی حاجت کو نہیں جانتی۔

ملک محمد مسلم صاحب، ایم اے (کیمبرج)

سائنس

روشنی

فضا میں ایک چیز ایسی ہے جو فرض کی گئی ہے۔ اسکو ہم ایتھر کہتے ہیں اور یہ ایتھر دنیا کی تمام چیزوں میں پھیلی ہوئی ہے خواہ وہ خلا کیوں نہ ہو اور اسکی وجہ سے ہمکو سورج کی روشنی حاصل ہوتی ہے سورج ایتھر میں ایک قسم کی لہر پیدا کرتا ہے ان لہروں کی دو قسمیں ہیں ایک لمبی لہریں اور دوسری چھوٹی لہریں لمبی لہریں مادی چیزوں سے یا ہمارے جسم سے ٹکراتی ہیں جسکا اثر حرارت ہوتا ہے۔

چھوٹی لہریں

ہماری آنکھ Retina پر جب ٹکراتی ہیں۔ تو ہم کو تمام چیزیں روشن دکھائی دیتی ہیں، اور اسکو ہم روشنی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اہل سائنس روشنی کے متعلق اور ایک نظریہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ نظریہ اتنا وقعت نہیں رکھتا جتنا کہ نظریہ مذکورہ بالا کو تقویت حاصل ہے اس نظریہ میں سائینسدانوں نے روشنی کو مادی چیز ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور بعض اہل سائنس کا خیال ہے کہ سورج چاروں طرف نہایت ہی باریک باریک ذرے پھینکتا ہے اور یہ ذرے ہمارے جسم اور آنکھوں سے ٹکراتے ہیں جو ذرے جسم سے ٹکراتے ہیں وہ حرارت پیدا کرتے ہیں اور جو ذرے آنکھ سے ٹکراتے ہیں وہ روشنی پیدا کرتے ہیں۔

اب ہم روشنی کی رفتار کے متعلق کچھ بیان کرینگے اگر ہم روشنی کی رفتار کو خیال کی رفتار سے تعبیر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ جس طرح کہ ہم اپنے خیال کی رفتار کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم روشنی کی رفتار کا اندازہ بھی مشکل سے کرسکتے ہیں۔ مگر بعض اہل سائنس نے اسکی رفتار کا بھی اندازہ کیا ہے اور فی سکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل تلایا ہے۔

جب روشنی کسی چیز پر کسی جگہ سے ڈالی جاتی ہے تو اس کا رُخ بالکل سیدھا رہتا ہے جسکو ہم ایک معمولی تجربہ سے بھی ظاہر کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر تین پٹھے لے لو اور انکو ایک سیدھ میں اور متوازی کھڑا کر دو اور ان پٹھوں میں ایک ہی سیدھ میں سوراخ کر دو اور اسکی دوسری طرف ایک موم بتی روشن کر دو پھر دیکھو۔ موم بتی کے شعلہ کی روشنی تمہیں ایک ہی سیدھ میں نظر آئیگی۔

جب روشنی ایک ہی سیدھ میں چلتی ہے تو اس سے ہم کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور اخذ کریں گے اگر ہم ان تختوں کے دوسری طرف دیکھیں تو ہمکو موم بتی کی تصویر اُلٹی دکھائی دیگی اس تجربہ کے لئے ایک اور چیز ہوتی ہے جسکو ہم پن ہول کیمرہ کہتے ہیں۔ یہ ایک معمولی سا آلہ ہوتا ہے جسکو ہم خود تیار کرسکتے ہیں یہ دراصل ایک پٹھے کی نلی ہوتی ہے جو اندر سے سیاہ کردی جاتی ہے اسکے ایک سرے پر ایک سیاہ کاغذ لگا دیتے ہیں اور اس میں پن سے سوراخ کر دیتے ہیں اور دوسرے سرے پر روغنی کاغذ لگا دیتے ہیں، اور جب ہم اسکو موم بتی کے سامنے کرتے ہیں تو موم بتی کے شعلہ کی تصویر اُلٹی بنتی ہے۔ اور تصویر کو چھوٹا بڑا کرنا موم بتی اور پن ہول کیمرہ کے فاصلہ پر منحصر ہے۔

اب اگر ہم پن ہول کیمرہ میں بہت سے سوراخ کردیں تو ہم دیکھیں گے کہ جتنے سوراخ کئے گئے ہیں، اتنی تصویریں بھی بنیں گی اور ہر ایک تصویر ہر ایک پر چڑھتی جائیگی۔ لیکن ان تصویروں کی تعداد بہت زیادہ ہوجائیگی اور ہم کو تصویریں نہ دکھائی دینگی طرف ایک معمولی روشنی نظر آئیگی۔

جب روشنی خط مستقیم پر گرتی ہے تو سایہ پیدا ہوتا ہے۔ ان سایوں کی ساخت روشنی کے منبع پر منحصر ہے اگر روشنی کا منبع اس چیز سے چھوٹا ہے جو سایہ پیدا کرنیکا باعث ہے تو ہم دیکھیں گے کہ سایہ بالکل سیاہ اور صاف کنارے والا ہوگا اسکو ہم (Umbra) کہتے ہیں۔ گر روشنی کا منبع اور وہ چیز جو سایہ کا باعث ہوتی ہے اگر برابر ہے تو سایہ دو قسم کا ہوگا ایک درمیانی حصہ جو کامل سیاہ ہوگا اور اس سیاہ حصہ کے دونوں طرف نیم سیاہ حصہ جسکو (Penumbra) کہتے ہیں تیسری صورت بھی ہوسکتی ہے یعنی روشنی کا منبع اس چیز سے جس سے سایہ پڑتا ہے بڑا ہو تو ہم دیکھیں گے کہ سایہ سب کا سب (Penumbra) ہوتا ہے اور بعض اوقات (Penumbra) کے درمیان چھوٹا سا (Umbra) بھی ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چیز جس پر سایہ پڑ رہا ہو اگر سایہ پیدا کرنیوالی چیز سے بہت دور ہو تو تمام (Penumbra) ہوگا لیکن قریب ہونیکی صورت میں (Penumbra) کے درمیان Umbra ہوگا چاند گرہن اور سورج گرہن بھی روشنی کے خط مستقیم میں چلنے کا نتیجہ ہیں۔

تاریخ

دنیا کی تاریخ کیسے لکھی گئی

میں نے اپنے پچھلے خط میں تمہیں بتایا تھا کہ ہم کو دنیا کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ "قدرت کی کتاب" سے کرنا چاہیئے۔ اس کتاب میں وہ تمام چیزیں ہیں جو تم اپنے گردوپیش دیکھتی ہو یعنی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں، اونچے اونچے پہاڑ، دریا اور ان کی وادیاں، سمندر اور کوہ آتش فشاں۔ یہ کتاب ہمارے سامنے ہمیشہ کھلی رہتی ہے لیکن ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو اسکی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھتے ہیں یا اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اسے پڑھنا یا سمجھنا سیکھ لیتے، تو ہم کو اس سے بہت سے دلچسپ قصے معلوم ہوتے۔ اسکے پتھر کے صفحوں میں ہم جو قصے پڑھتے، وہ جنوں اور پریوں کے قصوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہوتے۔

اسی "قدرت کی کتاب" سے ہمیں بہت سے حالات اس پرانے زمانہ کے معلوم ہونگے جبکہ ہماری اس زمین پر نہ کسی انسان کا پتہ تھا، نہ حیوان کا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہمیں ابتدائی جانور نظر آتے جائینگے اور اسی طرح دوسرے بہت سے جانور بھی۔ اس کے بعد مرد اور عورتیں نظر آئیں گی لیکن اس زمانہ کے مرد اور عورت آج کل کے مرد اور عورتوں سے بالکل مختلف ہونگے وہ بالکل جنگلی اور وحشی ہونگے اور ان میں اور جانوروں میں بہت کم فرق نظر آئیگا۔ رفتہ رفتہ وہ تجربہ حاصل کرتے جائیں گے اور ان میں سوچنے کا مادہ پیدا ہونے لگیگا۔ یہی سوچنے کی قوت انھیں جانوروں سے بالکل مختلف بنا دیگی۔ یہی حقیقت میں ایک ایسی طاقت ہو گی جو انھیں بڑے سے بڑے اور خوفناک سے خوفناک جانوروں سے بھی زیادہ طاقتور بنا دیگی۔ آج تم دیکھتی ہو کہ ایک چھوٹا سا آدمی بڑے سے بڑے ہاتھی کی گردن پر بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اس سے جو چاہتا ہے، کرالیتا ہے۔ ہاتھی ایک بڑا اور طاقتور جانور ہوتا ہے، اس چھوٹے مہاوت سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے جو اس کی گردن پر بیٹھا ہوتا ہے۔ لیکن مہاوت میں سوچنے کی طاقت ہے اور اسی طاقت کی بدولت وہ اسکا مالک بنا ہوا ہے اور ہاتھی اس کا نوکر۔ جوں جوں یہ سوچنے کی طاقت انسان میں بڑھتی گئی، وہ اور زیادہ ہوشیار اور عقلمند ہوتا گیا۔ اس نے بہت سی چیزیں دریافت کیں، مثلاً آگ کیونکر بنائی جاسکتی ہے، زمین کیسے جوتی اور بوئی جاسکتی ہے، پہننے کیلئے کپڑے اور رہنے کے لئے مکان کیونکر تیار کئے جائیں، بہت سے مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ رہنے لگے اور اس طرح شہر آباد ہوئے۔ شہر آباد ہونے سے پہلے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ ادھر سے اُدھر پھرا کرتے تھے اور غالباً خیموں میں رہتے تھے۔ ایسی حالت میں انھیں زمین سے فصلیں تیار کرنی نہیں آتی تھیں۔ وہ مطلق نہیں جانتے تھے کہ چاول کیا چیز ہے اور نہ وہ گیہوں سے واقف تھے جس سے روٹی بنا سکیں۔ کوئی سبزی وغیرہ بھی نہ تھی اور بہت سی چیزیں جو آج ہم کھاتے ہیں، اس وقت لوگ انکے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ غالباً کچھ جنگلی اخروٹ اور پھل رہے ہونگے جنہیں لوگ کھاتے تھے لیکن زیادہ تر انکی گذر اوقات جانوروں کے گوشت پر تھی جنہیں وہ شکار کیا کرتے تھے۔

جوں جوں شہر بڑے ہوتے گئے، لوگ بہت سے اچھے اچھے فنون سے واقف ہوتے گئے۔ انھوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا لیکن ایک عرصہ تک کوئی کاغذ وغیرہ نہیں تھا اور لوگ بھوج پتر درخت کی چھال پر یا کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے۔ آج بھی تم بعض کتب خانوں میں اس زمانہ کی پوری پوری کتابیں کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی دیکھ سکتی ہو۔ اس کے بہت عرصہ بعد کاغذ ایجاد ہوا اور پھر لکھنا بہت آسان ہو گیا۔ لیکن ابھی تک مطبع نہیں تھے اور اس لئے آجکل کی طرح کتابیں ہزاروں کی تعداد میں نہیں چھپ سکتی تھیں۔ ایک کتاب صرف ایکبار لکھی جاسکتی تھی اور پھر نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ اسکی مختلف نقلیں ہوتی تھیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ بہت سی کتابیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ تم کسی کتب فروش یا کسی کتابوں کی دکان میں جا کر کتابیں نہیں خرید سکتے تھے بلکہ تمہیں کسی شخص کو اسکے نقل کرنے کیلئے تلاش کرنا ہوتا اور اس میں بہت کافی عرصہ لگتا۔ لیکن اس زمانہ میں لوگ بہت خوشخط لکھتے تھے اور آج ہمارے کتب خانوں میں اس زمانہ کی بعض بہت خوشخط اور عمدہ لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ ہندوستان میں اس زمانہ کی لکھی ہوئی سنسکرت فارسی اور اردو کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ اکثر جو لوگ کتابیں لکھتے تھے، وہ حاشیہ پر پھول پتیاں بھی نہایت عمدہ بنا دیتے تھے۔

شہروں کی ترقی کے ساتھ ممالک اور قومیں بھی پیدا ہوتی گئیں، جو قومیں کہ

ایک دوسرے سے قریب رہتی تھیں، وہ قدرتاً ایک دوسرے سے زیادہ واقف ہوتی گئیں۔ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ ہم ان قوموں سے بہتر ہیں جو دوسرے ملکوں میں رہتی ہیں اور اس حماقت میں پڑکر وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگیں۔ انھوں نے یہ نہیں سمجھا اور بہت سے لوگ آج بھی نہیں سمجھتے۔ کہ جنگ وجدل کرنا یا قتل وخون کرنا بڑی حماقت ہے۔ اس سے کسی کو بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ان شہروں اور ملکوں کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کیلئے ہمیں بعض اوقات پُرانی کتابیں ملجاتی ہیں۔ لیکن یہ کتابیں کچھ بہت زیادہ نہیں ہیں۔ دوسری چیزوں سے بھی ہمیں اس بارے میں مدد ملتی ہے۔ پرانے زمانہ کے بادشاہ اور سلاطین اپنی سلطنت کے حالات تختیوں اور لاٹوں پر لکھوا دیا کرتے تھے۔ کتابیں بہت عرصہ تک نہیں ٹھہر سکتی ہیں۔ ان کے کاغذ یا تو سڑ جاتے ہیں یا ان کو کیڑے چاٹ جاتے ہیں۔ لیکن پتھر بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں۔ غالباً تمہیں اشوک کی وہ لاٹ یاد ہوگی جو تم نے الہ آباد کے قلعہ میں دیکھی ہے۔ اس لاٹ پر اشوک کا ایک اعلان کندہ ہے۔ اشوک سیکڑوں برس ہوئے، ہندوستان کا ایک بہت بڑا راجہ گزرا ہے۔ اگر تم لکھنؤ کے عجائب خانے میں جاؤ تو تمہیں بہت سی پتھر کی تختیاں ملیں گی جن پر کوئی نہ کوئی عبارت کندہ ہوتی ہے۔

اگر ہم دنیا کے مختلف ملکوں کی پُرانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ چین اور مصر میں لوگوں نے کیا کیا بڑے کام کئے جبکہ یورپ کے ممالک وحشی قوموں سے آباد تھے۔ ہمیں ہندوستان کے اس روشن زمانہ کا حال بھی معلوم ہوگا جبکہ رامائن اور مہابھارت جیسی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور جب کہ ہندوستان ایک بہت دولت مند اور طاقتور ملک تھا۔ آج ہمارا ملک بہت غریب ہے اور ایک غیر قوم کے لوگ ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ ہم اپنے ملک میں بھی آزاد نہیں ہیں اور ہم جو چاہیں وہ نہیں کرسکتے۔ لیکن ایسی حالت ہمیشہ نہیں تھی اور نہ آیندہ ہمیشہ رہیگی، بلکہ اگر ہم کوشش کریں تو ہم پھر اپنے ملک کو آزاد کرا سکتے ہیں اور اس ملک کو ویسا ہی قابل رہائش بنا سکتے ہیں جیسے آج یورپ کے بعض ممالک ہیں۔

میں اپنے آیندہ خط میں زمین کا دلچسپ قصہ بالکل شروع سے سناؤنگا۔

کوائف جامعہ

اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون، ملحقہ جامعہ ملیہ کے ایک طالب علم ممتاز احمد کی شادی ۱۶ر جنوری کو ہوئی۔ جامعہ والے اپنی خوشی میں جامعہ کی مدد کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ ممتاز احمد کے بھائی محمد حسین صاحب نے اس موقع پر جامعہ کے تعلیمی مرکز نمبر ۱ کی تعمیر میں امداد کے لئے مبلغ ۱۵؎ مرحمت فرمائے۔ ہم جناب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

دنیا کا یہ ایک عجیب انقلاب ہے کہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے سابق پرو وائس چانسلر جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب جو آج کل اسمبلی کے سلسلہ میں دہلی میں مقیم ہیں، جامعہ تشریف لائے اور طلبائے کالج کی انجمن "اتحاد" کے زیر اہتمام "مسلمانوں کے علم ہیئت" پر ایک پُر مغز لکچر دیا۔ ابتدائی تقریر میں آپ نے مسلم یونیورسٹی کے نصب العین اور اسکی تعلیمی کوششوں کو مسلمانوں کے لئے غیر مفید بتاتے ہوئے جامعہ کے مقاصد اور اسکے کاموں کی بہت تعریف فرمائی اور اس سے زیادہ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی بیدار مغزی اور اہلیت کی داد دی جو آپ کے قدیم شاگردوں میں اور تحریک ترک موالات کے زمانہ میں حریف جماعت کے لوگوں میں تھے۔

۲۸ر مارچ کو طلبہ کی خاص دعوت پر جناب مولنا شوکت علی صاحب نے انجمن اتحاد کے زیر اہتمام ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے ستیاگرہ کی موجودہ تحریک میں مسلمانوں کے شریک نہ ہونے کے اسباب بتائے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے گھر کو درست کرنا چاہیئے۔

ہماری جامعہ کے ایک لایق اُستاد جناب برکت علی صاحب کے برادر مکرم جناب ڈاکٹر قاسم علی صاحب مغفوری کا بعارضہ نمونیہ گزشتہ ماہ (مارچ سنہ ۳۰ء) علیگڈہ میں انتقال ہوگیا، جہاں آپ مسلم یونیورسٹی میں سائنس کے پروفیسر تھے ۱۷ر مارچ کو اساتذہ اور طلبہ کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا۔ ہم بھی جناب موصوف کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

قصے کہانیاں

ایک بیوقوف لڑکا

شہر بابل میں جو اب عراق عرب کے نام سے مشہور ہے ایک شخص رہتا تھا۔ اُس کے چار لڑکے تھے۔ جو سب سے بڑا تھا اُسکا نام نُم اور اُس سے چھوٹے کا نام کُم تھا تیسرے اور چوتھے کا نام سُم اور گُم تھا۔ گُم جسکا نام تھا یہ سب سے چھوٹا مگر نہایت عقلمند ذہین اور تیز تھا۔ اسکی عادت تھی کہ اپنے بھائیوں کی بُری باتیں دیکھ کر ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے اُنہیں ٹوکتا روکتا۔ یہ بات اُسکی اور کسی کو اتنی ناگوار نہ تھی جتنی گُم کو تھی سو وہ اکثر خفا ہوتا اپنی غلطی تسلیم نہ کرتا لیکن سچی بات کا اثر اُس کی سخن پروری دور نہ کر سکتی تھی اور بھائی جو انصاف پسندی کا مادہ رکھتے تھے گُم کی بات کی تائید کرتے جس سے گُم اور بھی پیچ و تاب کھاتا اور دل ہی دل میں بجائے اس کے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی کوشش کرتا دوسرے بھائیوں کی طرف سے اور بدگمانیاں پیدا کر کے بُرے بُرے خیالات پیدا کر لیتا بھائی چونکہ صاف قلب تھے وہ اُس وقت کے سوا جب کوئی ایسی بات پیش آتی اُن باتوں کو بھول جایا کرتے تھے۔ بھائیوں کے دل میں گُم کی طرف سے کوئی ملال نہ تھا لیکن گُم کے خیالات احمقانہ تھے وہ سب بھائیوں کی نسبت یہ رائے قائم کر چکا تھا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ باپ بھی اکثر ایسی باتیں جو بھائیوں بھائیوں میں ہوتی تھیں سنتا رہتا تھا باپ کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ گُم اپنے اور بھائیوں کے ساتھ کدورت رکھتا ہے اور کدورت کی بنیاد یہ بات ہے جو بیان کی گئی اتفاقاً ایک روز کہ برسات کا موسم تھا اور گُم ابھی بستر سے نہ اُٹھا تھا اور بھائی حوائج ضروری سے فارغ ہو کر چار کا شغل کر رہے تھے اور گُم چونکہ پاس ہی سو رہا تھا اس خیال سے کہ مبادا اسکی نیند میں خلل نہ واقع ہو آہستہ آہستہ پڑھنے لکھنے کی باتیں بھی کرتے جاتے تھے کہ دفعتہً گُم کی آنکھ کھل گئی اور بستر ہی سے اس نے بھائیوں کو باتیں کرتے سُنا گو کوئی بات پوری اُس کے کان میں نہ پڑی تھی نہ یہ کہہ سکتا تھا کہ درحقیقت کیا باتیں ہو رہی تھیں مگر باایں ہمہ اس نے بلا سوچے سمجھے فوراً یہ رائے قائم کر لی کہ یہ سب میری بُرائی کر رہے تھے۔ اس غلط رائے قائم کر لینے کا اُن بھائیوں کو مطلق خیال نہ ہوا اسلئے کہ دل کی بات چیت تھی کسی کو کیا علم ہو سکتا تھا یہ بیچارے اپنی چار نوشی میں مصروف رہے اور اس سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ جا بیٹھے۔ اسکے بعد گُم اُٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر منہ پھلائے ہوئے پڑھنے آ بیٹھا سب بھائیوں نے ادب اور محبت سے پوچھا کہ بھائی صاحب چار پی لیجئے ایک دوڑ کر پیالی بھر لایا اور سامنے رکھدی مگر گُم بدگمانیوں میں گُم تھا یہ سلیقہ شعاری جو کی گئی اور اس طرح ادب و محبت کا برتاؤ جو کیا گیا اُسکی قدر گُم جیسے احمق اور بداندیش کو کیا ہو سکتی تھی اُس کے منہ پھلانے میں کوئی فرق نہ آیا۔ متواتر تقاضوں کے بعد چار اُس نے پی لی برسوں گُم کی یہی حالت رہی اور یہ ناپاک خیالات بیجا توھمات یہاں تک ترقی کر گئے کہ بعض اوقات بھائیوں کو بھی اس ناگوار برتاؤ سے تکلیف پہنچنے لگی اور اکثر بدمزگی کی صورتیں رونما ہوئیں والدین کے کان بھی اس سے آشنا ہوئے اور اس سے پہلے جو کچھ سُنا تھا وہ سب کچھ انہیں یاد آگیا اور یہ قیاس کر لیا گیا کہ درحقیقت گُم ہی مفسد اور بے وقوف شریر ہے کہ بیجا ہٹ اور بلاوجہ اپنی زود رنجی و خود رائی سے لڑ مرتا ہے اور اُسی دُھن میں شب روز رہتا ہے اور جو کام کرتا ہے بے سوچے سمجھے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ بھائی باوجود اس کے کہ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن یہ اُسکو عداوت خیال کرتا ہے۔ کل مدرسہ جانے سے پہلے گُم نے ایک اچھی بات کہی تھی کہ بھائی آپ دن چڑھے اُٹھتے ہیں چار خراب ہو جاتی ہے جو مزا چار کا ہمیں آتا ہے وہ آپ کو نہیں آتا اگر آپ بھی سویرے اُٹھنے کی عادت ڈالیں تو کیا اچھا ہو سب بھائی مزے سے ساتھ ہی ساتھ چار پیا کریں بس اس پر آپ آگ بگولہ ہو گئے اور لڑنے لگے کہ سب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور میری جان کے دشمن ہو گئے ہیں قم نے کہا کہ بھائی صاحب آپکا کیا خیال ہے آپ ہم

ایک نہیں جو بات کم سے کہی برا ماننے کے قابل نہیں نہ دشمنی پر محمول ہو سکتی اُسکا دلی جذبۂ محبت اور شوق اُلفت یہ نہیں چاہتا کہ آپ تنہا بغیر اور بھائیوں کے چائے پئیں اُسے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے اُسکا جی خوش نہیں ہوتا وہ آپ کی خالی پیالی دیکھ دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے اور بار بار پلنگ کی طرف دیکھتا ہے لیکن استراحت میں مخل نہیں ہوتا باتیں بھی کرتا ہے تو آہستہ، آپ کو اس جذبہ کی قدر کرنی چاہیئے نہ کہ اظہار ملال۔ بیفائدہ اپنا دل جلاتے ہو اور بھائیوں کو بھی ستاتے ہو میں بڑا تھا اگر کوئی بات خلاف ادب ہوتی تو خود گوشمالی کر دیتا، والد صاحب موجود تھے وہ تنبیہ کر دیتے یہ ضرور ہے کہ وہ چھوٹا ہے لیکن بزرگی بہ عقل است نہ بسال۔ ہمیشہ آپ دن چڑھے اُٹھتے ہیں کوئی کہاں تک چپ رہے آپ کو خود ایسا موقع نہ دینا چاہیئے کہ چھوٹے آپکی حرف گیری کریں آپ نے خواہی نخواہی بھائیوں کی طرف سے دشمنی کا خیال قائم کر لیا ہے اور یہ آپ کی محض جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی ہے کہ آپ صلاحیت کیساتھ کسی بات کو نہیں سوچتے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے اور پہلے سے پہلے ہی اپنی خودی و خشونت طبع سے ایک بُرا خیال قائم کر لیا کرتے ہیں ایسے کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کو گھر بھر میں کوئی دوست نظر نہیں آتا اسکول میں بھی آپکا یہی حال ہے وہاں بھی کوئی آپکا دوست نہیں۔ اگر آپ اچھی بات سننے سے نفرت کریں گے اور ناصح مشفق کو دشمن سمجھیں گے یا نصیحت کے سخن پر کان نہ دھریں گے تو جو کام آپ کریں گے وہ کبھی درست نہ ہوگا کوئی ماں کے پیٹ سے سیکھ نہیں پیدا ہوتا عقل اس طرح آتی ہے دوسروں کی اچھی باتیں سننا اور اُن پر عمل کرنا اور بُری باتوں سے بچنا اور بُری باتوں کے نتائج سے عبرت حاصل کرنا انسان کو انسان بنا دیتا ہے اس کے علاوہ ہر شخص کی طرف نیک گمان رکھنا ہر شخص کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیئے بڑے بھائیوں کا ادب چھوٹے بھائیوں پر شفقت کرنا شیریں زبانی سے پیش آنا ازدیاد محبت کا باعث ہے شرافت اور انسانیت اسی کا نام ہے یہی وہ جوہر ہے جس سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں اگر آپ اس پر عمل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ کس لطف سے گذرتی ہے اور کتنے آپ خوش رہتے ہیں قمر کی یہ بات گم کے دل میں اُتر گئی اور قمر نے کچھ اس طرح کہی کہ کارگر ہو گئی اُس دن کا دن ہے کہ گم جیسے تند خو اور بدگمان لڑکے نے پھر بھائیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا نہ اس عادت کے چھوڑ دینے کے بعد اُسکو بلا وجہ غصہ اُٹھانا پڑا نہ بھائیوں میں پھر کبھی ان بن ہوئی باپ چونکہ شاعر تھا اُس نے اس قضیہ کے طے ہونیکی مسرت میں ایک نظم لکھی جو خصوصیت کے ساتھ اس کہانی سے تعلق رکھتی ہے اگر لڑکے اسکو یاد کریں گے تو یقیناً فائدہ اُٹھائیں گے اور اس بُری عادت سے محفوظ رہیں گے۔

بدگمانی

بے سبب دل میں کبھی رنج نہ اپنے لاؤ — بات جو رنج کی ہو پاس نہ اُس کے جاؤ

بدگمان ہو نہ کسی سے، یہ بُری عادت ہے — بدگمانی سے زمانہ کو بڑی نفرت ہے

دوست ہو جاتے ہیں دشمن اسی عادت کے طفیل — دل میں احباب کے آجاتا ہے ایسے ہی میل

یہ مرض وہ ہے کہ مشکل ہے مداوا اس کا — کر نہیں سکتے کوئی چارہ مسیحا اس کا

یہ وہ آتش ہے کہ جس سینہ میں روشن ہوجائے
بھڑک اُٹھے تو گھڑی بھر میں وہ گلخن ہوجائے

عشق بے لطف ہے بے کیف محبت اس سے
اُٹھتی رہتی ہے شب و روز قیامت اس سے

دل کے ارمانوں کو مٹی میں ملا دیتا ہے
متوقع کو یہ مایوس بنا دیتا ہے

امن و راحت کا عدو ہوش و خرد کا دشمن
غضب و غیظ سے خوش عیش و خوشی سے بدظن

اس سے اللہ بچائے یہ بلا زحمت ہے
اس سے ہر کام میں دنیا کے پڑا کھنڈت ہے

از سید الشعراء سید حسن رشید نائب تحصیلدار بھوپال

مناظرِ فطرت

فطرت اپنی گوناگوں دلچسپیوں سے انسان کو محوِ حیرت کرتی ہے فطرت کے راز اور کرشمہ سازی انسانی تخیل سے بالا ہیں۔ فطرت آئے دن ہماری دلچسپیوں کے سامان پیدا کرتی ہے۔ لیکن انسان اسکی قدر نہیں کرتا اور اپنی بلند پروازیوں کے آگے ہیچ سمجھتا ہے۔
صبح کا وقت کتنا لطف اندوز ہوتا ہے۔ پرندے اپنے گھونسلوں سے پر جھٹک کر باہر نکلتے ہیں اور جانور اپنے غاروں سے دم ہلا ہلا کر جنگل کی راہ لیتے ہیں۔ سورج اپنے آشیانے سے سر باہر نکالتا ہے۔ اور اپنے رُخِ روشن کی نرم نرم شعاعیں ان لہلہاتے سبزوں پر ڈال کر شبنم کے قطروں کو منور کرتا ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبزے نے موتیوں کا ہار پہنا ہے۔ جنگل میں بڑے بڑے سایہ فگن اشجار کھڑے ہیں اور اپنی ٹہنیوں اور پتوں کو ہلا ہلا کر پرندوں کو اپنے آغوش میں بلاتے ہیں۔ دریا دبے پاؤں اُن سبزہ اور مرغزار وادیوں سے ہوکر گذرتا ہے۔ جسکے کنارے جانور بیٹھے شفاف پانی سے اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔ اور جب خوشی کی لہر اُن میں دوڑ جاتی ہے تو پرندے بیساختہ دیوانہ وار ہوا میں پرواز کرتے ہیں اور فضائے بسیط میں راگ چھیڑ کر وجد طاری کرتے ہیں۔
پھر آیئے اور اس کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمایئے۔ سورج دن کا تھکا ماندہ جب اپنے آشیانے کو ستانے جاتا ہے تو اپنے سُرخ اور ملائم کرنوں سے آسمان کو سرخ مخملی لباس پہناتا ہے۔ پرندے جنہوں نے قوت لایموت کی تگ و دو میں سارا دن صرف کیا تھکے ماندے اپنے آشیانوں کو لوٹتے ہیں بعض گھونسلوں میں تو خوشی رچ جاتی ہے اور بعض اپنے ہم جنس کی گمشدگی پر آنسو بہاتے ہیں۔ وہ

بیچارے یا تو صیاد کے جال میں پھنس کر قید میں اپنی تمام عمر کاٹتے ہیں اور اُنکے ننھے بچے آشیانوں میں بھوک کے مارے واویلا کرتے ہیں۔ درندے جنہوں نے کئی معصوم اور بیگناہ جانوروں کو مار مار کر اپنے شکم کو سیر کیا ہے اور اُن کے خون سے اپنے دانتوں کو رنگا ہے غاروں میں مست پڑے ہیں۔ تاریکی درختوں اور سبزوں کو اپنے آغوش میں چھپا لیتی ہے اور سب کو غمی اور خوشی کی لوری دے کر تھپکاتی ہے۔ ندی بھی تاروں کی روشنی میں آہستہ گذرتی ہے اور اپنا راگ مختلف گذرگاہوں میں مختلف گاتی ہے۔

ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال کے حسب ذیل چند اشعار سے مناظر فطرت کی سچی ترجمانی ہوتی ہے۔

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
پتوں کا ہو نظارہ میری کتاب خوانی
دفتر ہو معرفت کا جو بگل کھلا رہا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

اقبال

سید نور المہتدی متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ
حیدر آباد (دکن)

میم صاحبہ اور بیوی صاحبہ کی گفتگو

میم صاحبہ بیوی صاحبہ سے۔ کیوں بیوی صاحبہ یہ کیا بات ہے کہ تم اپنے گھر میں دن ورات مثل قیدی کے قیدخانہ میں بند رہتی ہو۔ اور سوائے اپنے آپس کے آدمی سے اور کسی باہر کے آدمی سے بات چیت بھی نہیں کر سکتی ہو۔ اور نہ کسی باہر والے کے سامنے ہو سکتی ہو (واہ رے پردے) اور کپڑوں کو رنگ کر پہننے کو خوبصورتی اور چمک دکھائی کے لئے گوٹہ کو استعمال کرتی ہو۔ اور پانی کو بھی ایک عجیب غذا کی طرح کھاتی ہو۔ ہم کو دیکھو کہ ان میں سے ایک بات بھی تم نہ پاؤگی ہمیں ہر شخص سے ہر طرح کی بات چیت کرنے کے لئے کوئی بندش نہیں۔ ہم ہر آدمی سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ اور جہاں چاہیں وہاں آزاد ہو کر جا سکتے ہیں۔ کوئی ہمکو روک نہیں سکتا۔ ہم راہ چلتوں سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ تم ہماری طرح ناچنا اور گانا بھی نہیں جانتی ہو۔ ہم ہر وقت مثل بلبل کے چہکتے رہتے ہیں یعنی ہر وقت خوش رہتے ہیں۔ تم ہر وقت رنجیدہ۔ ہاں اگر تم پردہ چھوڑ دو تو یہ سب مشکلیں تمہارے پاس سے ہٹ جائیں اور ہماری طرح تم بھی اس چمن میں آزاد ہو کر پھرنے لگو۔ افسوس۔ واقعی یہ سب خرابیاں تمہارے اوپر پردے کے سبب سے ہیں۔

بیوی صاحبہ میم صاحبہ سے:۔ اجی میم صاحبہ تم تو بہت چڑ چڑائیں۔ اور ہم کو ایک کی دس سنائیں۔ اب میری باری آئی ہے غور سے سنو کہ تم بادشاہ وقت ہو جو چاہو سو کرو۔ تمہاری ہماری کوئی ریس نہیں ہے اور نہ ہو؟ اگر تمہارا دل چاہے تو اپنے خاوند کے سامنے ہی دوسرے سے ہاتھ ملاؤ۔ تمہیں کوئی شرم نہیں۔ اور یہ تمہارا آزاد ہو کر ہر ایک سے ملنا بھی عجیب بات ہے تمہارے ہاں محرم اور غیر محرم کی کوئی قید نہیں تم جس سے چاہو، اور جس وقت چاہو مل سکتی ہو جس وقت تم منہ پر پوڈر لگاتی ہو اس وقت مثل بھانڈ یا تھیٹر کے ایکٹر یا مثل سادھوؤں کے جو کہ تمام جسم پر راکھ مل کر نکلتے ہیں۔ معلوم ہوتی ہو۔ ہمارا چہرہ قدرتی اُجلا اور گورا بنا ہوا ہے۔ ہم کو خدائے پاک کی قدرت سے پوڈر کی ضرورت نہیں۔

نور بخش: دہرہ دون

جادو کے سوالات

اپنے ساتھی سے کہئے کہ وہ کوئی ہندسہ اپنے دل میں سوچ لے مگر وہ ہندسہ ۳ عددوں سے زیادہ نہ ہو یعنی ۹۹۹ سے تے سکتے ہیں اگر اس سے ایک بھی زیادہ لیں گے تو ۴ عدد ہوجائیں گے۔ خیر تو جو ہندسہ آپ نے سوچا ہے وہ ایک کاغذ پر لکھ لیجئے اور جیسے جیسے میں کہوں ویسے کرتے جائیے اول اس ہندسہ کو ۲ سے ضرب دیجئے اور پھر اس میں ۵ جمع کر دیجئے پھر اسے ۵ سے ضرب دیجئے اور اس میں ۲ جمع کر دیجئے اب اسے ۱۰ سے ضرب دیجئے اور ۳ جمع کر دیجئے اب جو کچھ جواب آیا ہے اسے ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے دیدیجئے میں بتادیتا ہوں کہ آپ نے کونسا ہندسہ لیا تھا۔ اسکا حل بہت آسان ہے حل اسکا نیچے لکھتا ہوں۔

جو جواب ہے اس میں سے ایک سو پچاس ۱۵۰ نفی کر دیجئے۔ نفی کرنے سے آخر میں یعنی اکائی، دہائی، سیکڑہ میں جتنے تین ہوں وہ کاٹ دیجئے اور جو بچے اس میں سے ایک گھٹا دیجئے پہلا ہندسہ آجائیگا۔

مثلاً ایک عدد ہم نے ۳۲۳ لیا اسے ۲ سے ضرب دیا تو ۶۴۶ ہوئے اس میں ۵ جمع کئے، ۶۵۱ ہوئے اب پھر اسے ۵ سے ضرب دیا ۳۲۵۵ ہوئے، اس میں ۳ جمع کئے ۳۲۵۸ ہوئے، اسے ۱۰ سے ضرب دیا ۳۲۵۸۰ ہوئے اس میں پھر ۳ جمع کئے ۳۲۵۸۳ ہوئے اب اس میں سے ۱۵۰ نفی کر دیجئے ۳۲۴۳۳ بچے آخر کے جتنے ۳ ہیں وہ کاٹ دیجئے ۳۲۴ رہے اس میں سے ۱ گھٹا دیجئے۔ ۳۲۳ جواب آیا۔ کہئے یہی ہندسہ لیا تھا

۳۲۳ × ۲ + ۵ × ۵ + ۲ × ۱۰ + ۳ - ۱۵۰ تمام کاٹنے کے بعد - ۱ جواب آگیا۔

دیکھئے ایک پونڈ کا سوال دیتا ہوں آپ اپنے کاغذ پر کچھ پونڈ شلنگ پنس لکھ لیجئے مگر دیکھئے کوئی عدد ۱۱ سے زیادہ نہ ہو۔ اچھا تو آپ نے کاغذ پر لکھا؟ اب اس رقم کو اُلٹ دیجئے اور بڑی رقم میں سے چھوٹی رقم گھٹا دیجئے۔ اب اس جواب کی رقم کو پھر اُلٹ دیجئے۔ اور ان دونوں کو آپس میں جمع کر دیجئے۔ جواب آگیا بتاؤں کیا جواب ہے؟

پونڈ ۱۲ - شلنگ ۱۸ - پنس ۱۱ ہے

مثلاً آپ نے پونڈ ۲ - شلنگ ۸ - پنس ۶ لیئے اس رقم کو اُلٹ دیجئے۔ پونڈ ۶ - شلنگ ۸ - پنس ۲ ہوئے بڑی رقم میں سے چھوٹی رقم گھٹا دیجئے

پونڈ	شلنگ	پنس
۶	۸	۲
۲	۸	۶
۳	۱۹	۸

پونڈ ۳ - شلنگ ۱۹ - پنس ۸ بچے انہیں پھر اُلٹ دیجئے۔ پونڈ ۸ - شلنگ ۱۹ - پنس ۳ ہوئے ان دونوں کو جمع کر دیجئے۔

پونڈ	شلنگ	پنس
۸	۱۹	۳
۳	۱۹	۸
۱۲	۱۸	۱۱

دیکھئے وہی جواب پونڈ ۱۲ - شلنگ ۱۸ - پنس ۱۱ آگیا کوئی ہندسہ لے لیجئے یہی جواب آئے گا۔

(محمد طیب صاحب بچھرایونی متعلم جامعہ)

طابع و ناشر: ڈاکٹر عابد حسین پی ایچ ڈی۔ مطبع: جامعہ ملیہ اسلامیہ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی۔ کاتب: عبدالملک متعلم جامعہ

ٹیلیفون نمبر ۲۲۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیام تعلیم

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ/

ششماہی عہ/

فی پرچہ ار

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ ۱۰ئے/

نصف صفحہ ۵/

چوتھائی صفحہ ۳/

اڈیٹر:۔ سعید انصاری، بی اے (جامعہ)

نمبر ۱۲   ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ عیسوی   جلد ۸

فہرست مضامین

دنیا میں کیا ہو رہا ہی؟

ہندوستان کے اندر

۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء مہاتما گاندھی جی کا سابرمتی آشرم سے نکلنا کیا ہوا اُس وقت سے سوائے ان کی تحریک کے اور کوئی واقعات ایسے پیش ہی نہیں آتے جو لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔

۵ر اپریل کو مہاتما جی مع اپنے ۸۰ سپاہیوں کے منزل مقصود یعنی ڈانڈی پہنچ گئے اور اس روز آرام کر کے اگلے دن نمک کے قانون کو توڑا۔ تمام لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ کہ مہاتما جی دوسرے روز کس طرح قانون شکنی کرتے ہیں اور حکومت انکو کیا کرتی ہے؟ صبح کے ٹھیک ساڑھے چھ بجے مہاتما جی مع اپنے ۸۰ ساتھیوں کے سمندر کے کنارے آئے۔ سب سے پہلے آپ نے سمندر کے اندر غسل کیا اور اس کے بعد پانی سے باہر نکلے اور اپنے انہی گیلے کپڑوں کے ساتھ اس جانب روانہ ہوئے جہاں نمک بنایا جانے کو تھا۔ آپ نے قانون شکنی کی ابتدا کرنے سے پیشتر سب سے پہلے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اظہار عجز و نیاز کیا جسکے قانونوں کی پابندی آپکا سب سے بڑا دھرم ہے اور جسکی حکومت آپ اس دیس میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نمک کے ذخیرہ میں قدم رکھا اور دونوں ہاتھوں سے نمک اُٹھا کر باہر لائے۔ آپ کے نمک بناتے ہی جتنے ساتھی تھے، سب نے یکبارگی نمک بنانا شروع کیا اور لوگوں کی اُمیدوں کے خلاف کسی نے آکر پوچھا تک بھی نہیں کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ حکومت بمبئی کی طرف سے اتنے عرصہ سے جو تیاریاں ہو رہی تھیں، وہ سب کی سب طاق پر دھری کی دھری رہ گئیں اور اس نہتے کمزور انسان نے دنیا کی سب سے طاقتور اور جنگی ساز و سامان سے بھرپور سلطنت کے قانون کو اسکی آنکھوں کے سامنے پاؤں تلے روند کر رکھدیا۔

اس خبر کا ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلنا تھا کہ ہر جگہ نمک بنانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ حکومت مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کو تو چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن تمام ہندوستان میں کیسے اس آگ کو بڑھنے اور پھیلنے دینا گوارا کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود گجرات اور اس کے گرد و نواح کے دوسرے علاقوں میں گرفتاریاں اور پولیس کی طرف سے سختیاں کیجانے لگیں اور کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ سیٹھ جمنالال بجاج، منی لال کٹھاری کے۔ ایف نریمان۔ رامداس گاندھی، جیسے لوگ پکڑ لئے گئے جو گجرات اور بمبئی کے صوبوں میں بہترین کام کرنے والے تھے۔ اسی کے ساتھ کلکتہ میں مسٹر سین گپتا جو ابھی چند دن ہوئے، دس روز کی قید کاٹ کر چھوٹے تھے، پھر گرفتار کر لئے گئے۔ دہلی میں دیوداس جی گاندھی، مولانا عارف ہسوی، لالہ شنکر لال، اور بہت سے دوسرے لوگ پکڑ لئے گئے۔ اسی طرح بنارس، لکھنؤ آگرہ، رائے بریلی، کراچی اور تمام دوسری جگہوں پر جہاں جہاں مقامی کام کرنے والے سرگرم کار تھے، ان سب کو پولیس نے گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کے اس طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے تمام چھوٹے چھوٹے کام کرنیوالوں کو پکڑ لینا چاہتی ہے، پھر اس کے بعد گاندھی جی کی گرفتاری رہجائیگی جو بہت آسانی سے ہو سکیگی۔ اس طرح اس کے خیال میں مہاتما جی کی گرفتاری پر نہ کچھ چیخ و پکار ہوگی۔ اور ان کے جیل جانے سے تحریک کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن حکومت کو معلوم نہیں کہ اس کا مقابل فہم و تدبر میں سے اس سے کچھ کم نہیں۔ مہاتما گاندھی جی نے جب یہ رنگ دیکھا تو انھوں نے لیڈری کے قصہ ہی کو اُڑا دیا اور یہ کہدیا ہے کہ اب سے ہر کام کرنیوالا لیڈر ہے، اسے کسی رہبر و رہنما کا انتظار نہ ہونا چاہیئے۔ راستہ بالکل صاف ہے۔ نمک بناتے جاؤ اور جیل جاتے جاؤ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ گھر گھر نمک بننے لگا۔ ہر ہر گاؤں اور ہر ہر قصبہ میں جہاں جہاں اس کا امکان ہے، نمک بن رہا ہے۔ ٹھیلہ والے ٹھیلوں پر نمک بناتے جا رہے ہیں۔ جیل کے اندر نمک سازی کے جرم پر مقدمہ کی کارروائی ہو رہی ہے اور جیل کے باہر "خونی دروازہ" میں نمک بن رہا ہے۔ پولیس دیکھتی ہے اور نظر بچا جاتی ہے، حکام کو خبر ملتی ہے اور کانوں میں تیل ڈالے ہوئے ہیں۔

غرض نمک کا قانون تو ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

والدین اور اُستادوں کا صفحہ

اُردو کا قاعدہ اور اُسکی مشکلات

"پیام تعلیم" نے اردو کی ابتدائی تعلیم کے متعلق جو بحث اُٹھائی ہے، الحمد للہ کہ اس پر کافی توجہ ہو رہی ہے۔ منشی عبد القیوم صاحب انخفا کے مضمون "اردو کا نیا قاعدہ" شائع ہونیکے بعد جناب اکبر علی صاحب کا یہ ایک اور مضمون آج ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے جو ابتدائی تعلیم سے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک "انقلابی قاعدہ" کے مصنف بھی ہیں۔ اُمید ہے کہ اس بحث سے دلچسپی رکھنے والے دیگر حضرات بھی اپنے خیالات سے ناظرین کو مستفید ہونیکا موقع دیں گے۔

(اڈیٹر)

اردو قاعدہ کی طرف افسوس کہ بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ حالانکہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے یہ خاص توجہ کا محتاج ہے اور عقدہ کشایان تعلیم کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ بالخصوص دور حاضرہ میں جبکہ اُردو، ہندی کا مسئلہ بڑی شد و مد کے ساتھ لیڈران اور زعمائے ہند کا خاص مبحث ہے۔ جو اصحاب اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تمام ہندوستان کی عام زبان ایک ہی تسلیم کیجائے ان پر لازم ہے کہ اس طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ ہوں۔ جو لوگ اردو زبان کے حامی ہوں انہیں چاہیئے کہ اردو زبان کو ہر پہلو سے ہندی زبان کے برابر ہی نہیں بلکہ بہ وجوہ افضلتر، اعلیٰتر اور مفید تر ثابت کر کے قائل کر دیں کہ یہی زبان ہندوستان کی بہترین و مقبول ترین زبان ہو سکتی ہے۔ اسکے صوری و معنوی عیوب کی پڑتال کریں اور جو نقائص معلوم ہوں اور اصلاح پذیر سمجھے جائیں انکی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور زندہ قوم کی زبان کو اگر زندہ رکھنا چاہتے ہوں تو اسکو بھی ضروریات زمانہ کے مطابق زندگی و تازگی بخشتے رہیں اور اسے کل ہندوستان کی واحد قومی زبان بنانے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں کیونکہ کسی قوم کی موت و زیست کا انحصار اس قوم کی زبان کی موت و زیست پر زیادہ تر ہوتا ہے۔ چنانچہ زبان کی خدمت کسی ملک و قوم کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں فی زمانہ تعلیم کا چرچا عام ہو رہا ہے ہر طرف تعلیم تعلیم کی چیخ پکار بلند ہے۔ ہر قوم کا نصب العین تعلیم ہے یہانتک کہ گورنمنٹ کو بھی مجبور کیا جا رہا ہے کہ اشاعت تعلیم کے لئے پرائمری تعلیم کا لازمی ہونا ضروری قرار دے۔ چنانچہ جبریہ پرائمری تعلیم بتدریج ملک میں پھیل رہی ہے۔ ان حالات میں بہی خواہان ملک و قوم کا اولین فرض یہ ہے کہ اس طرف متوجہ ہوں اور اردو زبان میں ہر ایک علم کے دریا بہا دیں۔ اسے ہر طرح سے مکمل اور آراستہ کریں اور اسکی تعلیم کے راستہ سے مشکلات کے کانٹے دور کر کے اسے مقبول عام بنا ڈالیں۔ ہر ایک زبان کی ترقی کا انحصار زیادہ تر اسکی اپنی ہی صوری و معنوی خوبیوں پر ہوا کرتا ہے۔ اردو زبان کی سادگی، شیرینی، سلاست و روانی مسلّم و ضرب المثل ہے۔ ابتدائی مراحل البتہ مشکل ہیں۔ چنانچہ میرے اس مضمون کا موضوع جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اردو قاعدہ کی مشکلات پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ جو ننھے بچے فی زمانہ تعلیم کے لئے مجبور کئے جا رہے ہیں ان مشکلات کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ کر خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق نہ بنیں بلکہ جلد از جلد تحصیل علم کر کے اپنی عاقبت کی فکر کریں، اچھے شہری بنیں، ملک و قوم کی خدمت میں مشغول ہوں اور اقوام عالم کے دوش بدوش کھڑے ہو کر کام کرنیکے لایق بن جائیں کیونکہ تعلیم کی اصلی غرض و غایت یہی ہے۔ لہذا میں اس مضمون میں اپنے خیالات کو اسی مسئلہ تک محدود رکھونگا۔ کیونکہ اصل الاصول یہی ہے اگر جڑ درست ہوگئی تو شاخیں خود بخود نشو و نما پاتی رہینگی۔

جہانتک میرا ذاتی تجربہ ہے، مدارس میں اردو کا قاعدہ پڑھانا بڑی دقت کا سامنا ہے جسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ اول تو ہندوستان کی دیگر مروجہ زبانوں کے مقابلہ میں اردو حروف تہجی کی اشکال مجردہ اور ترکیب لفظی میں ہر ایک حرف کی مختلف تبدیلیاں ایک ایسا گورکھ دھندا ہیں جس سے بچہ کو تعلیمی راستہ میں پہلے ہی قدم پر دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حروف کی شکلیں جو پڑھائی جاتی ہیں وہ کچھ ہیں اور جہاں ان سے کوئی لفظ بنا، وہ کچھ سے کچھ ہوگئیں۔ دوسری زبانوں میں یہ بات نہیں۔ اُن میں جو حروف پڑھائے جاتے ہیں انہی

کو جوڑ کر لفظ بنا لیے جاتے ہیں اور یہ بات نوخیز و خواندہ دونوں میں موجب سہولت ثابت ہوتی ہے۔ اسکی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات اردو کی ان خصوصیات میں ہے جو ناقابل اصلاح ہیں۔ بہرکیف یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ ایک رکاوٹ ہے جہاں بچہ پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا جاتا ہے۔ اگر اسے بھی کسی طریقہ کے ماتحت سمجھا جائے تو ایسی بڑی رکاوٹ نہیں جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتی ہے۔

دوسری رکاوٹ جو بچہ کی تعلیم میں سنگ راہ بنتی ہے وہ حروف تہجی کے اسماء و اصوات کی باہمی بیجیدگیاں ہیں۔ آپ ہندوستان کی قریبا کسی زبان کو لے لیجئے اس کے حروف تہجی کے قریب قریب وہی نام ہونگے جو اُن کی آوازیں ہیں یعنی اسماء و اصوات متفاوت نہیں لیکن برعکس اس کے اردو زبان میں حرف کا نام زمین ہے تو آواز آسمان ہے۔ ا (الف) ج (جیم) د (دال) ڈ (ڈال) ذ (ذال) س (سین) ش (شین) ص (صاد) ض (ضاد) ط (طوئے) ظ (ظوئے) ع (عین) غ (غین) ک (کاف) ق (قاف) گ (گاف) ل (لام) م (میم) ن (نون) و (واؤ) وغیرہ حروف کی متعلقہ اصوات و اسماء پر ذرا غور کریں تو دونوں میں بعد المشرقین معلوم ہوگا۔ ہم بچہ کو حرف کا نام کچھ بتاتے ہیں اور اسکی آواز کچھ چاہتے ہیں۔ معاملہ اگر یہیں ختم ہو جاتا تو بھی چنداں افسوس کی بات نہ تھی کیونکہ یہ ایک حرف کا معاملہ تھا لیکن مصیبت در مصیبت تو یہ ہے کہ جوں جوں بچہ آگے قدم رکھتا ہے، بھاری سے بھاری پتھر اس کے سامنے رکھ کر اس بیچارے معصوم کی نازک کمر ہمت کو ناحق توڑا جاتا ہے مثلاً ہم لفظ (کج) ک (کاف) اور ج (جیم) ملا کر پڑھاتے ہیں اور بلا سمجھائے بچوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ ترکیب لفظی میں محض ک क اور ج ज آواز نکالو۔ حالانکہ کاف اور جیم میں علاوہ حروف علت کی آوازوں کے ک (क) ف (फ) ج (ज) اور م (म) چار مستقل آوازیں شامل ہیں۔ اب بتائیے بچہ کو کیا معلوم کہ ان میں کونسی آوازیں بولتے وقت چھوڑنی ہیں اور کونسی ادا کرنی ہیں اور کیوں؟ لیکن ہم اسی پر بس نہیں کرتے لفظ 'کج' کی ہجا کرتے وقت اس پر آخر کوئی اعراب بھی لگائیں گے۔ مثلاً کاف۔ جیم۔ زبر۔ کج۔ سوچیے کہ بچہ سے لفظ زبر کہلوانا ہماری زبردستی نہیں تو اور کیا ہے! ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ حرفوں اور اعراب کے نام تو کچھ کہلوائے جائیں اور اُن سے مراد کچھ اور ہی لی جائے۔ علی ہذا

القیاس جب کئی حروف ملا کر ایک لفظ بنانا اور ہجار کے ساتھ مع اعراب وغیرہ بچہ کو پڑھنا پڑتا ہے اس وقت اس بیچارے معصوم کی مصیبت کا اندازہ کیجئے مثلاً محض سہ حرفی لفظ 'کاج' ہی لیجئے۔ اسکو یوں پڑھایا جاتا ہے کاف الف زبر کا جیم موقوف یا ساکن 'کاج' آخر سوچیے تو سہی کہ اس موقوف سے اس نادان بیوقوف بچہ کو کیا وقوف اور ساکن سے کیا سکون حاصل ہوتا ہوگا۔ بچہ یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور دل ہی دل میں حیران ہے کہ یا اللہ میاں! یہ کیا مصیبت مجھ پر مسلط ہے لیکن افسوس کہ وہ اپنی حیرانی بیان کرنے سے قاصر ہے کیونکہ وہ معصوم بے زبان ہے اور ایک ظالم، جابر، منہ زور منہ توڑ اُستاد کے سامنے بیٹھا ہے۔ جہاں ذرا اُف کی تو ہاتھ، کان ناک کی خیر نہیں۔ اُستاد صاحب اپنی سمجھ کے مطابق جو کچھ کہلوانا چاہیں بچہ کا فرض ہے کہ بلا چون و چرا اسکی رٹ لگائے جائے۔ کاش کوئی بچہ زبان کھول سکتا تو اُستاد صاحب کو حقیقت کا پتہ چلتا اور اسکے اعتراض کا معقول جواب نہ دے سکنے پر دل میں کھسیانے ہوتے اور ضرور ہوتے اور آئندہ اس سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کرتے۔

اب قدرتاً دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان باتوں کی اصلاح غیر ضروری ہے یا یہ سب باتیں ناقابل اصلاح ہیں؟ اگر ضروری ہیں اور اصلاح پذیر بھی ہیں تو اس قسم کی فضول اور ناجائز رکاوٹیں بچوں کے راستہ میں کیوں روا رکھی گئی ہیں۔ کیا محض اس لئے کہ بیچارے بچے بے زبان ہیں۔ کوئی انکا نمایندہ نہیں، حامی نہیں، خیر خواہ نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قاعدہ کا پڑھنا بطور آزمائش ہے یعنی جو بچہ ابتدا میں ان ناجائز مشکلات پر حاوی ہو سکے وہی آیندہ تعلیم کا مستحق سمجھا جائے۔ ورنہ وہ کسی دوسرے کام میں لگے۔ قدیم زمانہ میں ممکن ہے یہ ضروری سمجھا جاتا ہو جبکہ حصول تعلیم خاص خاص افراد کا استحقاق سمجھا جاتا تھا لیکن دور حاضرہ میں جبکہ بچہ بچہ کو تعلیم دینا نہ صرف ضروری بلکہ لازمی قرار دیا جا رہا ہے، اس معاملہ میں قدامت پسندی کا پابند رہنا، لکیر کا فقیر بنے رہنا، مشکلات کو مشکلات سمجھنے کے باوجود اس طرف متوجہ نہ ہونا، ننھے بچوں پر بیجا ظلم روا رکھنا، انکو ظالم شقی القلب اساتذہ کا تختہ مشق بنا رکھنا۔ جدید طرز تعلیم کی سہولتوں سے محروم رکھنا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔ جدید طرز تعلیم نے ہر شعبہ تعلیم میں موشگافیاں کی ہیں۔ لیکن اگر محروم ہے تو صرف اردو کا قاعدہ۔ اسکی تعلیم میں سرمو فرق نہیں

آیا۔ باوصف ان تمام باتوں کے اس روشنی اور ترقی کے زمانہ میں بھی اکثریت ان اصحاب کی ہوگی جو اس قسم کی کوئی تبدیلی گوارا نہ کریں گے لیکن ان اصحاب سے میری دست بستہ گزارش ہے کہ آپ تعلیم کے معاملہ کو معمولی نہ سمجھیں آیندہ نسل کی موت وزیست کا سوال تعلیم کے حصول میں مضمر ہے۔ قدیم زمانہ میں تعلیم سے محروم رکھ کر بہت سی نسلیں تباہ و برباد کی جا چکی ہیں محض طباع، ذہین اور خوش قسمت بچے ان دشوار گزار تعلیمی گھاٹیوں کو عبور کر لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمیافتہ لوگ خال خال ہوا کرتے تھے مگر موجودہ زمانہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا آجکل بچہ بچہ کے لئے ایک حد تک تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے لہذا ہر ایک ناجائز رکاوٹ کا ان کے تعلیمی راستہ سے دور کرنا، ہر ایک محب قوم کے اہم ترین فرائض میں سے ہے، جس میں فی زمانہ بے اعتنائی گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ ہماری تعلیمی پستی میں ہمارے اساتذہ کی سستی وغفلت بھی ایک حد تک ضامن ہے جنھوں نے نہ خود اس طرف توجہ کی اور نہ کسی دوسرے کی توجہ اس طرف منعطف کرائی۔ معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ بچوں کے پیچھے اور اپنی عقل کے پیچھے ہمیشہ ڈنڈا ہی لئے پھرتے رہے۔ لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ان بیچاروں کا بھی چنداں قصور نہیں۔ ایسے اہم کام کے لئے برائے نام معاوضہ پر کام کرنا انہی لوگوں کا دل گردہ ہے۔ کھال اُدھیڑ کر ہی سہی آخر کچھ تو ہی دیتے ہیں ایسی حالت میں ان اساتذہ سے اس سے زیادہ توقع رکھنا ہماری زیادتی ہے۔ لیکن اب منتظمین اور عقدہ کشایان تعلیم پر واجب ہے کہ بچوں کی تعلیم پر ایسے اساتذہ کرام مامور کئے جائیں جو کافی تنخواہ دار ہوں، نیک چلن ہوں، علم النفس کے پورے پورے ماہر ہوں، بچوں کی ذہنیت کو فرداً فرداً خوب سمجھ سکتے ہوں، رحم مجسم ہوں یعنی والدین کی طرح محبت اور شفقت رکھنے والے ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تعلیم کے دلدادہ ہوں اور اشاعت تعلیم کے جذبہ سے ان کے قلوب معمور ہوں۔ جب تک یہ نہ ہوگا کبھی قسم کی کوئی اصلاح یا کوشش کماحقہ کارگر نہ ہوگی۔ بایں ہمہ تعلیمی انقلاب رونما ہوگا اور یہ تبدیلیاں ہوکر رہیں گی اور ہمیں آج نہ سہی کل انکے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ آیندہ کی اشاعت میں یہ واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی کہ اردو قاعدہ کی نئی ترتیب میں کن باتونکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک قاعدہ بھی طریق جدید پر "انقلابی قاعدہ" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے جس میں بلا حروف و اعراب کا نام لئے اور بلا ہجے کئے بچے کے تعلیم دینے کا التزام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اکبر علی صاحب۔ سابق ایجوکیشنل سکریٹری منگرول (کاٹھیاوار) مقیم الحال نئی دہلی

کوائف جامعہ

۸ر اپریل ۱۹۳۰ء کو عالیجناب نواب اکبر یار جنگ صاحب، ہوم سکریٹری ریاست حیدر آباد۔ شیخ الجامعہ صاحب کے یہاں تشریف لائے اور شام کا کھانا تناول فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے جامعہ کی دو تربیت گاہوں یعنی "خاکسار منزل" اور "بشیر منزل" کا معائنہ بھی فرمایا۔ آپ ہر دو اقامت گاہوں کی صفائی، ستھرائی، خوش سلیقگی اور حسن انتظام سے بہت خوش ہوئے اور لڑکوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقے اور انتظام کو بہت پسند فرمایا ۱۰ر تاریخ کو آپ جامعہ تشریف لائے اور کتبخانہ اور بعض دوسرے شعبوں کا معائنہ فرمایا۔

آپ شیخ الجامعہ صاحب کے عزیز ہوتے ہیں۔ دولت آصفیہ حیدر آباد کی طرف سے جو عطیہ جامعہ کو ابھی منظور ہوا ہے، اسکی منظوری میں آپکی کوششوں کو بہت دخل ہے۔

تحریک ستیاگرہ کے سلسلہ میں آج کل ملک میں جو گرفتاریاں ہو رہی ہیں، ان میں دو اشخاص ہماری جامعہ سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں۔ ان میں ایک سیٹھ جمنالال جی بجاج اور دوسرے دیوداس جی گاندھی ہیں ہم دونوں صاحبان کی خدمت میں اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اول الذکر صاحب "انجمن تعلیم ملی" کے خازن تھے جنھوں نے اپنے اختیارات اپنے جانے کے بعد اپنے وکیل کو منتقل کر دئے ہیں۔ ثانی الذکر صاحب مہاتما گاندھی جی کے صاحبزادے ہیں اور جامعہ میں چرخہ اور ہندی کی تعلیم دیتے تھے جنکا آپکے چلے جانیکے بعد دوسرا انتظام ہو گیا ہے۔

جناب مولوی مسعود علی صاحب ندوی جو "انجمن تعلیم ملی" کے معاون رکن بھی ہیں، اواخر مارچ میں جامعہ تشریف لائے تھے اور جناب شیخ الجامعہ کے مہمان رہے آپ کوئی ایک ہفتہ تک جامعہ میں مقیم رہے اور اس عرصہ میں آپنے جامعہ کیلئے زمین کے انتخاب کے سلسلہ میں بہت کوشش فرمائی آپکی توجہ سے یہ مسئلہ جو کچھ دب سا گیا تھا، از سر نو اُبھر آیا ہے۔

مذہب

رمضان اور اُسکے روزے

گزشتہ ماہ رمضان میں ایک مضمون عنوان بالا سے جناب مولوی خلیل احمد صاحب کا شائع ہوا تھا جس میں ماہ رمضان اور اسکے روزوں کا تعلق بتایا گیا تھا۔ اسی کو نظر رکھ کر ایم اسلم عمر صاحب نے بھی ایک مضمون لکھا ہے جس میں رمضان اور اس کے روزوں میں بے تعلقی دکھلائی ہے۔ مضمون اپنی دوسری خوبیوں کے لحاظ سے بھی مفید ہے اس لئے ہم اسے بخوشی شائع کرتے ہیں۔ (اڈیٹر)

لفظ رمضان سے روزوں کا تعلق کچھ نہیں ہے۔ مہینوں کے عربی نام رکھتے وقت موسم کے لحاظ سے ایک کا نام رمضان بھی رکھا گیا۔ غار حرا میں رسالت مآب پر کلام الٰہی کا نزول جب شروع ہوا تو وہ زمانہ آخر ماہ رمضان کا تھا۔ روزے اُس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو جب یہ عبادت اپنے مسلم بندوں پر فرض کرنا منظور ہوئی تو اُس نے اس کے لئے رمضان مبارک کے دن پسند فرمائے یقیناً اس لئے کہ اسکو ایک امتیازی عظمت اسی کی مرضی سے حاصل ہو چکی تھی۔ "انزل فیہ القرآن" روزہ کی فرضیت ۲ھ میں نازل ہوئی جب کہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ یاایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم .... فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ...... شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ و من کان مریضاً .... یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ بخاری میں ایک روایت ابن عمرؓ سے فدیہ والی آیۃ کے منسوخ ہونیکی ہے اور دوسری ابن عباسؓ سے اس کے منسوخ نہ ہونے بلکہ بہت بوڑھے لوگوں کے متعلق ہونیکی ہے۔

اختلاف کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ جو بزرگ اس آیۃ کو دوسری کے ساتھ تطبیق نہیں دے سکے انہوں نے اسے منسوخ سمجھا اور جنکے نزدیک تطبیق ہو گئی انھوں نے غیر منسوخ سمجھا۔ دراصل قرآن مجید میں کوئی آیۃ منسوخ نہیں۔ صاحب قرآنؐ نے کسی ایک آیۃ کی بابت بھی ایسا نہیں فرمایا۔ پس جس نے قرآن کی آیات بتائی اور لکھوائی تھیں جب اس نے کسی آیۃ کی تنسیخ نہیں فرمائی تو کوئی آیۃ منسوخ نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگوں کی اپنی رائیں ہیں اور اسکی وجہ وہی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ منسوخ کہی جانیوالی آیات میں پانچسو پانچ تک فرق و اختلاف ہے علامہ سیوطی اکیس کو منسوخ کہتے ہیں۔ علامہ ولی اللہ صرف پانچ کو۔ پس جب کئی سو سے اکیس اور اکیس سے پانچ ہو سکتی ہیں تو پانچ سے ایک بھی نہ رہنا زیادہ آسان و صحیح ہو سکتا ہے۔

یطیقونہ کی ضمیر کا اسی طرف جانا زیادہ صحیح ہے جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ طاقت اس مقدار کا نام ہے جس میں سخت مشقت کی ضرورت ہو۔ لہذا الذین یطیقونہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں۔ اس کی دوسری قرأتیں بھی اسی معنی کی تائید کرنیوالی ہیں پس صاف اور واضح منشاء الفاظ قرآنی کا یہ ہے کہ بیمار و مسافر بعد کو روزے رکھ لیا کریں لیکن جن لوگوں کو ان میں بھی مشقت پڑے وہ فدیہ دیدیا کریں۔ اسی لئے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اس حکم میں رکھی گئی ہیں جیسا کہ امام احمد اور اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔ نیز اسی جماعت میں کمزور بوڑھے، اور سدا بیمار بھی داخل ہیں۔ ہمیشہ سفر کی زحمت میں رہنے والے اور وہ مزدور جنکا پیشہ سخت محنت کا ہے بلاشبہ اسی گروہ میں داخل ہونگے۔ آیۂ مقدس کا مفہوم اسکا متحمل ہے۔ تا وقتیکہ وہ ماہ صیام بھر اپنے کام کو بسہولت ترک نہ کر سکتے ہوں۔ پس رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دو قسم کے لوگوں کو ہے ایک معمولی مریض و مسافر جو بعد کو قضا کریں گے دوسرے وہ جنکے لئے روزہ دشوار ہے اور اس لئے وہ فدیہ دیں گے۔

سفر میں بزمانۂ رسالت یہ معمول تھا کہ جسکا دل چاہتا روزہ رکھتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا چنانچہ جماعت میں دونوں قسم کے لوگ رہا کرتے تھے اور کوئی

جامعہ میں قومی ہفتہ کا آخری دن

سچی خدمت اور مساوات کی عملی مثال

جامعہ میں ۶ اپریل سے لیکر ۱۳ اپریل تک "قومی ہفتہ" ایک خاص نوعیت سے منایا جاتا ہے۔ اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ ہفتہ کے آخری دن یعنی ۱۳ اپریل کو چھٹی ہوتی تھی اور تمام طلبا اور اساتذہ ملکر اس دن چھوٹے بڑے جتنے کام ہوتے تھے، وہ سب خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بھنگی، بھشتی، باورچی اور تمام دوسرے ملازمین کو بالکل چھٹی رہا کرتی تھی۔ دوپہر تک یہ سب کچھ کرکے فارغ ہونے کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں وہ تمام ملازمین بھی نہا دھوکر ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے اور اس طرح اہل جامعہ آپس کی حقیقی مساوات اور سچی محبت کا ایک عملی ثبوت پیش کرتے تھے۔ شام کو ایک جلسہ ہوتا تھا جس میں اس ہفتہ کے واقعات اور ان کی اہمیت کو جتایا جاتا تھا۔

لیکن اس سال تھوڑی سی ترمیم ہوئی ہے اور ایک قدم آگے بڑھایا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ایسا کرنے کے لئے صرف ایک دن کافی نہیں ہے بلکہ ممکن ہوسکے تو اس کا سلسلہ پورے سال بھر جاری رکھنا چاہئے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے جامعہ والوں نے دو کام اپنے ذمہ لئے ہیں، ایک تو پورے قرولباغ میں صفائی وصحت کا انتظام، دوسرے بیکار لوگوں کو تھوڑا بہت کام بہم پہونچانا۔

طلبہ کی محنت اور جانفشانی

بہرحال ۱۲ اپریل کو تمام دارالاقاموں میں صبح ہی سے لڑکوں نے تمام کاموں کی تیاریاں شروع کردیں۔ ان سب میں سب سے اہم کام صفائی کا تھا۔ ہر ہر دارالاقامہ میں ہر ہر کام کے لئے مختلف ٹولیاں بنگئیں۔ ایک نے نالیوں اور پاخانے کی صفائی کا کام اپنے ذمہ لیا، ایک نے کمروں میں جھاڑو دینے کا، ایک نے کواڑوں اور شیشوں کے صاف کرنے کا، ایک نے دارالاقاموں کے باہر نالوں اور راستوں کی درستی کا۔ غرض اس طرح کوئی ۱۲ بجے تک ہر ایک دارالاقامہ اور مرکزی کوٹھیاں آئینہ کی طرح چمکنے لگ گئیں۔ لڑکے تھک کر اگرچہ چور چور ہوگئے تھے لیکن فوراً ہی نہا دھوکر گلشن منزل میں جمع ہوئے، جہاں دن کا کھانا ایک ساتھ ہونے کو تھا۔ اس کھانے کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ اس کی تیاری میں بھی طلبہ کا بہت حصہ شامل تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کھانے میں تمام ملازمین بھنگی، بھشتی، خدمتگار اور چپراسی سب شامل تھے۔ نیز اساتذہ بھی مدعو تھے۔ اور ایک نووارد کے لئے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوگا کہ اساتذہ کی صف میں یا کہیں طلبہ کی صف میں ملازمین اور خدمتگار بھی نظر آتے ہیں۔ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ کم از کم ایک دن تو ہم اور وہ دونوں یہ محسوس کرسکیں بحیثیت انسان ہم سب برابر ہیں اور جامعہ کی اس چھوٹی سی برادری میں اونچ نیچ، اور ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی پیدائشی فرق نہیں۔

کھانے کے بعد جلسہ ہونے کو تھا، لیکن اس میں تاخیر ہوجانے کی وجہ سے جلسہ شام کے لئے ملتوی کردیا گیا۔ چنانچہ بعد مغرب جناب شیخ الجامعہ کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جسمیں دو ایک پر درد نظمیں پڑھے جانے کے بعد چند تقریریں ہوئیں۔ ان تقریروں میں شفیق الرحمن صاحب قدوائی کی تقریر قابل ذکر ہے جس میں آپنے جامعہ سے علیحدہ ہونے اور تحریک ستیاگرہ میں شریک ہونے کا اعلان کیا، اسکے بعد مولوی سعد انصاری صاحب نے تقریر کی جس میں آپ نے اپنی بعض مجبوریوں کا ذکر کرکے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ اگر جناب شیخ الجامعہ نے اجازت دی تو میں بھی اپنے اس فرض کی ادائگی میں پیچھے نہ رہوں گا۔ عبد الکریم خانصاحب نائب صدر انجمن اتحاد نے قرآن کی آیت لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ الخ پڑھکر کام کی اسپرٹ پر زور دیا۔ اس کے بعد سب سے اخیر میں جناب صدر نے اس قومی ہفتہ کی اہمیت بتاتے ہوئے بعض تقریروں پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا جو تقریباً آپ ہی کے الفاظ میں ذیل میں درج کیجاتی ہے:-

جناب شیخ الجامعہ کی تقریر

"میں آج آپ لوگوں کے سامنے کوئی بڑی تقریر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ہفتہ جسکی یاد سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے اس کوشش کے آغاز کی یادگار ہے جو ہندو مسلمانوں اور سب ہندوستانیوں نے ملکر اپنے ملک کی

آزادی کے لئے آج سے دس سال پہلے شروع کی تھی اور جسکی اول منزل یہ تھی کہ ان سب کا خون بلا امتیاز مذہب ملکر جلیانوالہ باغ میں بہا تھا۔ ہم اس تاریخی واقعہ کی یاد کو تازہ رکھتے ہیں لیکن اس کی یاد مختلف طریقوں سے تازہ رکھی جاسکتی ہے۔ اسطرح بھی یہ واقعہ یاد رہ سکتا ہے کہ ہم اپنے دلوں میں انگریزی قوم کی طرف سے نفرت و انتقام کے جذبات کی پرورش کریں اور ان ہی جذبات کو دوسری نسلوں تک منتقل کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ ہم سب کے لیے بہت مضر ہے۔ نفرت کی زمین میں نیکی کا پودا کمہلا جاتا ہے اور غصہ و انتقام کی ہوا خدمت کے پھولوں کو مرجھا دیتی ہے۔ نفرت تخریب ہے، محبت تعمیر۔ اسلئے جامعہ جو تعمیری کام کو اپنی امتیازی خصوصیت بنانا چاہتی ہے نفرت کی پرورش نہیں کرسکتی۔

"اس ہفتہ کی یاد اس طرح بھی منائی جاسکتی اور بڑے وسیع پیمانہ پر منائی جاتی بھی ہے کہ نوجوانوں کے سامنے ملک کی حالت بیان کرکے ان میں محکومیت کی ذلت کا احساس پیدا کیا جائے اور اس سے نجات پانے کے لئے سعی و کوشش پر ابھارا جائے۔ یہ کام تقریروں اور تحریروں سے لیا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ بھی کافی نہیں۔ ہم تقریروں سے جذبات کو برانگیختہ کرسکتے ہیں، وقتی نتائج حاصل کرسکتے ہیں، لیکن ہمارے لئے یہ کب کافی ہوگا کہ ہم ایک دفعہ جوش میں آکر اپنی آزادی تک حاصل کریں۔ آزادی کو حاصل کرنا مشکل ہے لیکن اسے قائم رکھنا مشکل تر۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آزادی اس کو ملتی ہے اور اسی حد تک ملتی ہے جس حد تک کوئی شخص یا جماعت اسے قائم رکھنے کی اہل ہو۔ آزادی ایک مرتبہ حاصل نہیں ہوچکتی۔ یہ روز حاصل کرنے کی چیز ہے۔ اور اس کے لئے وقتی جوش یا جذبہ کارگر نہیں ہوتا بلکہ مستقل عادتوں کی ضرورت ہے یعنی اچھی سیرت کی۔ اور اچھی عادتیں مشق سے پیدا ہوتی ہیں۔

سچی خدمت کیا ہے ؟

"میری آرزو ہے کہ اس قومی ہفتہ کی یاد تم اس طرح مناؤ کہ اپنے اندر اپنی قوم اور اپنے ملک کی سچی خدمت کے جذبہ کو وقتی اور عارضی ابال میں ضائع نہ کرو بلکہ اسے ایک مستقل عادت کے طور پر اپنی سیرت میں محنت و مشقت سے اس طرح راسخ کرلو کہ وہ تمہاری فطرت ثانیہ بن جائے۔ جس ملک میں ہزاروں نہیں لاکھوں، لاکھوں نہیں کروروں انسان وباؤں میں مچھر اور مکھی کی طرح مرجاتے ہیں اور کوئی نہیں جو انہیں صفائی اور حفظان صحت کے اصول سکھائے اور جس ملک میں کروروں انسان دنیا سے بلا ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کھانا کھائے چلے جاتے ہیں اور کوئی نہیں جو ان کے افلاس اور انکی جبری بیکاری میں ان کو سہارا دے وہاں سچی خدمت کے مواقع کی کیا کمی ہے ؟

"جامعہ میں ابتک جس طرح قومی ہفتہ منایا جاتا تھا اس میں اکثر خواہش پیش پیش تھی کہ سب کام کرنے والوں کو مساوات کا سبق دیا جائے لیکن سال میں ایک مرتبہ ایسا کرلینے سے ہم بس اپنے نفس کو دھوکہ دیتے تھے۔ اسلئے مجھے بڑی خوشی ہوئی جب طلبہ کے نمائندہ عبدالکریم خاں صاحب نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ ایسا کرنا بیکار ہے اور دکھاوا۔ میں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور بعض اساتذہ کے مشورہ سے اس سال کے لئے میں نے یہ تجویز کیا کہ ہم آج سے قرولباغ کے لئے دو کام شروع کریں۔ قرولباغ میں صفائی اور اس کے باشندوں کو اصول صحت سے آگاہ کرنا اور یہاں کے مفلس اور نادار لوگوں کے لئے بیکاری میں کام فراہم کرنا۔

"یہ کام آپ نے آج شروع کئے ہیں اور صبح سے جس طرح آپ نے ان میں انہماک کا ثبوت دیا ہے اس پر میں آپ سب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ پورے سال بھر ان کاموں کو جاری رکھیں گے۔ اساتذہ اور طلبہ میں سے جو لوگ اس میں شرکت کرنا چاہیں وہ براہ کرم مجھے ایک ہفتہ کے اندر اندر مطلع کردیں کہ وہ ان کاموں کے لئے مہینہ میں کتنے گھنٹے وقف کرسکیں گے۔

جامعہ کا نصب العین

"اس کے بعد میں شفیق صاحب کی تقریر کے متعلق چند جملے کہنا چاہتا ہوں شفیق صاحب نے ابھی ابھی جو اعلان کیا کہ وہ جامعہ سے الگ ہوکر سیاسی کام میں وقت صرف کریں گے، وہ تھوڑا سا قبل از وقت ہے۔ اسلئے کہ جامعہ نے ابھی انہیں الگ ہونے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اجازت ملجائیگی اور شفیق صاحب جس کام کو اپنا فرض سمجھکر کرنا چاہتے ہیں اسے ضرور کرسکیں گے۔ اس بارہ میں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اسوقت پھر بوضاحت کہتا ہوں کہ

جامعہ تعلیم گاہ ہے اور تعلیم گاہ ہی رہے گی۔

اس نے اپنے ذمہ جو تعمیری کام لیا ہے اس کو یکسوئی اور انہماک سے انجام دینا ہمارا فرض ہے۔ اور یہ فرض ادا کیا جائے گا۔ لیکن جامعہ کے جو لوگ اپنے عقیدہ اور یقین کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اس سیاسی جنگ میں جو آج ملک میں ہو رہا ہے، حصہ لینا چاہیئے وہ جامعہ سے الگ ہوکر اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ بلکہ

خود شفیق صاحب نے اس دیانت کی وجہ سے جو انکی خصوصیت ہے یہی راہ تجویز کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ جامعہ کے تعلیمی کام اور ملک کے سیاسی کام کو ساتھ ساتھ ایک وقت میں انجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے انہوں نے جامعہ سے الگ ہو کر اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے اور ہر شخص جو شفیق صاحب کو جانتا ہے اسے یقین ہوگا کہ شفیق صاحب جو کچھ کرینگے سچائی، خلوص، نیک نیتی کے ساتھ کرینگے اور اپنے عمل سے اپنی مادر علمی کے نام اور اسکی شہرت کو چار چاند لگائیں گے۔ مجھے جامعہ کے سب طلبہ سے یہی توقع ہے کہ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ہوں، سیاست کی کسی ٹولی سے انکا تعلق ہو وہ اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو اپنی شخصی شہرت اور منفعت پر ترجیح دینگے اور جامعہ کی تعلیم کا اچھا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر جامعہ کا کوئی طالب علم کل راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں حکومت سے سمجھوتہ کی گفتگو کرنے جائے تو اس پر اسکی نیت کی پاکی، اس کی بے نفسی اور خلوص پر سب کو ایسا ہی اعتماد ہو جتنا شفیق صاحب کے ایثار اور خود فراموشانہ جذبۂ قربانی پر ہے۔ میں آخر میں شفیق صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اپنے یقین اور عقیدہ کا احترام عمل سے کرتے ہیں اور اسمیں اپنے آرام و آسایش تک کا خیال نہیں کرتے۔ خدا انہیں انکے مقاصد میں کامیاب کرے۔"

اس کے بعد جلسہ ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے دارالاقاموں کو چلے گئے۔

بقیہ مضمون صفحہ (۱۰)

پر لکھا ہوا تھا۔

"انگلینڈ اُمید کرتا ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گا" اس طرح اس نے اپنے ساتھیوں میں ہمت اور جوش وخروش پیدا کر دیا۔ مقابلہ بہت زبردست ہوا نیلسن نے پوری طاقت صرف کر دی۔ اثنائے جنگ میں بدقسمتی سے ایک گولی اس کے آ کر لگی اور وہ خطرناک طریقہ پر زخمی ہوگیا لیکن اس کی روح نے ۱۸۰۵ء میں قفس عنصری سے اسی وقت پرواز کیا جبکہ اس نے اپنی فوج کو کامیاب دیکھ لیا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنا فرض پورا کیا"

محمد عمر صاحب متعلم ثانوی سوم (جامعہ)

بقیہ مضمون صفحہ (۶)

کسی پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ لیکن دشمن کے مقابلہ پر یعنی جنگ کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کا حتمی حکم دیدیتے تھے۔ جسکی خوبی وضرورت ظاہر ہے۔

شہر رمضان والی آیت میں اس کے دوہرائے نہ جانے سے اس کو منسوخ سمجھنا صحیح استدلال نہیں۔ یہ محض ایک رخصت ہے۔ اس کو دوبارہ بیان کئے جانیکی بالکل ضرورت نہ تھی۔ فمن شهد منكم الشهر فليصمه ان الفاظ کی رو سے وہ مقامات خارج ہو جاتے ہیں جہاں بہت لمبے دنوں کی وجہ سے بارہ مہینوں کی تقسیم نہیں ہوتی، نہ ہلال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ نیز اسی آیت سے ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم ماہ رمضان کے روزے رکھیں۔ بیمار وغیرہ کے بعد کو گنتی پوری کرنیکا حکم اس لئے دوہرا دیا گیا ہے کہ رمضان کی خاص برکات کے ذکر کی وجہ سے لوگ شدید تکلیف اُٹھاتے ہوئے روزہ رکھنا اچھا نہ سمجھ لیں۔ اگلی آیت يريد الله بكم ...... سے اللہ تعالیٰ اپنے اس منشاء کو واضح کر دیتا ہے۔ مریضوں وغیرہ کے لئے اس رخصت سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ روزہ سے مقصود صحت جسمانی کی بھی بڑی درستی ہے۔ پس جہاں نتیجہ اس کے برعکس ہونیکا احتمال ہو، اس شخص کے لئے روزہ پر اصرار کرنے میں کوئی خوبی و ثواب نہیں۔ عقل اور ہمارا عقل والا مذہب دونوں ایسے شخص کو قضائے صیام کی رخصت بلکہ حکم دیتے ہیں۔

(ماخوذ از بیان القرآن وترجمہ زاد المعاد)

تصحیح

پیام تعلیم مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۱ء میں ایک مضمون "بحری تار برقی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اسکے مضمون نگار صاحب کا نام غلطی سے "عبداللطیف دادا بھائی" چھپ گیا ہے۔ پورا اور صحیح نام "داؤد عبداللطیف دادا بھائی" ہے۔ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

(اڈیٹر)

تاریخ

نیلسن

نیلسن انگریزی تاریخ کی ایک بہت نمایاں شخصیت ہے اسنے اپنے ملک و قوم کی خاطر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ انگریزی قوم کو اس پر بجا طور پر فخر و ناز ہو سکتا ہے وہ ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوا اس وقت انگلستان کے سب سے طاقتور بادشاہ چارلس دوم کے انتقال کو ۷۰ سال گذر چکے تھے۔
انگریزی قوم کو اس وقت بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا تھا سب سے بڑی پریشانی فرانس کی دشمنی تھی وہ انگریزوں کا ہمیشہ سے مقابل کا دشمن تھا اس زمانہ میں انگلستان اور فرانس کی کامیابی کا دار و مدار بحری بیڑے پر تھا۔ اس لیے انگلستان خصوصًا اپنے بحری بیڑہ کو مضبوط تر بنانیکی فکر میں تھا۔ ملک کو ایسے جہازرانوں کی اشد ضرورت تھی جو کامیابی کے ساتھ دشمن کی مدافعت کر سکیں نیلسن نے اس ضرورت کو پورا کیا اور اس کامیابی، جوش اور شجاعت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے کہ دشمن کے دانت کھٹے ہوگئے۔

نیلسن بچپن میں بہت کمزور اور نحیف تھا اسکی جسمانی ساخت کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اتنا بڑا آدمی ہونیوالا ہے۔ مگر اسکی طبیعت کی چند خصوصیتیں ابتدائے عمر ہی سے بہت نمایاں تھیں یعنی وہ بہت مستقل مزاج اور باہمت تھا۔ یہاں بچپن کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس سے اسکی ہمت اور بے خوفی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسکی تربیت اسکی دادی کے ذمہ تھی جو نہایت محبت و شفقت کے ساتھ اسکی پرداخت کرتی تھی ایک مرتبہ وہ تنہا مکان سے نکل گیا اور دیر تک واپس نہ آیا۔ اسکی دادی کو اس سے پریشانی ہوئی اور ایک ملازم اُسکی تلاش میں بھیجا۔ جب نوکر اسے تلاش کرکے گھر لے آیا تو دادی نے اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ لیکن اس نے کچھ جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔ دادی نے دوبارہ پوچھا "کیا میاں تم کہیں ڈر گئے تھے جو گھر تک آنیکی ہمت نہ ہوئی" نیلسن نے بیساختگی اور تعجب کے ساتھ جواب دیا۔ "ڈر! ڈر میں نے کبھی نہیں دیکھا یہ کیا چیز ہوتی ہے؟" اس نے بالکل سچ کہا تھا کیونکہ اس 'چیز' سے اسے اپنی زندگی میں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

بارہ سال کی عمر میں وہ اپنی دادی کی اجازت سے ایک جہاز پر ملازم ہوگیا تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایک ہوشیار ملاح ہوگیا حتیٰ کہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے وہ ایک دن بحری بیڑہ کا کپتان بنا دیا گیا۔ اسے فرانسیسیوں کے مقابلہ میں متعدد بار جنگ کرنی پڑی اور ہر دفعہ اسے شاندار کامیابی ہوئی انھیں لڑائیوں میں اسکی ایک آنکھ اور ایک ہاتھ بھی ضائع ہوگیا لیکن ان جسمانی نقصانات کی وجہ سے اس کے عزم و استقلال میں ہرگز فرق نہ آیا بلکہ اس نے اس وقت جاکر دم لیا جب دشمن کو شکست ہوگئی۔

فرانسیسیوں کے علاوہ ایک دفعہ اسے اہل ڈنمارک کا مقابلہ بھی کرنا پڑا اس وقت بھی وہ ایک بیڑہ کا کپتان تھا۔ اس وقت موقعہ کچھ ایسا آن پڑا تھا کہ انگریزی امیر البحر دشمن کا مقابلہ کرنا ہلاکت کے مترادف سمجھتا تھا چنانچہ اس نے فورًا نیلسن اور دوسرے سرداروں کے پاس جاکر لڑائی بند کرنیکا حکم دیدیا لیکن نیلسن نے اس حکم کا کچھ خیال نہ کیا اسکے دوسرے ساتھیوں نے بھی اُسے روکا مگر وہ پھر بھی نہ رُکا اس لئے کہ اس نے اپنے دشمن کی طاقت کا اندازہ اچھی طرح کر لیا تھا۔ اس نے کہا میں اسی وقت لڑائی بند کرونگا جبکہ اپنے ملک و قوم کے جھنڈے کو یہاں لہراتا دیکھ لونگا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے میدان سر کر لیا۔ اور اہل ڈنمارک کو زبردست شکست ہوئی۔ انگلستان کا بادشاہ نیلسن کے اس کارنامہ سے بہت خوش ہوا اور اُسے لارڈ کا خطاب دیا گیا۔

اسکی زندگی کا آخری کارنامہ جس میں اس نے اپنی جان تک ملک و قوم پر نثار کر دی۔ زریں حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

فرانس اور اسپین دونوں نے مل کر انگلستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ انگلستان کے لئے بہت نازک موقع تھا۔ نیلسن مقابلہ کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے جب اپنی اور دشمن کی فوج کا بغور موازنہ کیا تو اُسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ اس مرتبہ دشمن بہت قوی ہے لیکن وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ دشمنوں کو پیٹھ دکھانے اور بے غیرتی کی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میدان جنگ میں جان دی جائے اُسنے اپنے جہازوں پر بہت سے جھنڈے نصب کرائے ان جھنڈوں

قصے کہانیاں

بگڑے نواب

لکھنؤ شہر میں ایک محلہ تھا، نواب گنج، وہاں رہتے تھے ایک نواب۔ لوگ اُنھیں نواب منّو، نواب منّو پکارا کرتے تھے۔ تھے تو خاندانی امیر لیکن اب ان کے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ بڑے بوڑھوں نے، خدا جنت نصیب کرے، جو کچھ کمایا، افیم گانجے کے بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اب یہ نواب تو تھے لیکن نام کے، پھر بھی جی کڑی کھرچن اتنی تھی کہ نواب منّو کی دو پشتیں رکھ رکھاؤ کے ساتھ کھا پی سکتی تھیں مگر قسمت تو نصیب میں ٹھوکریں، ایسا ہوتا ہی کیوں؟

بُری صحبت نے نواب منّو کے خیالات اس قدر بدل دئے تھے کہ جو کام ان کے باپ دادا نے کبھی نہیں کئے انھوں نے کر دکھائے ہوٹلوں کی بیٹھک، یار دوستوں سے اِدھر اُدھر کی گپ شپ، اس پر سنیما کے شوق کی انتہا کیا تھی؟ کچھ نہ پوچھو آخر جوئے کے ہاتھوں تو یہ تباہ ہی ہوئے۔

ان کے مرحوم باپ، اللہ بخشے، نواب ابو نے مرتے وقت دس ہزار روپیہ نقد چھوڑا تھا اور کوئی پچیس تیس ہزار کی جائداد بھی ہوگی۔

نواب منّو نے سب سے پہلے نقدی ہی پر ہاتھ پھیرا، اور دیکھتے دیکھتے چند ہی روز میں یہ روپیہ اُڑا دیا۔ دس ہزار ختم کرکے ڈکار بھی نہ لی۔

ایسوں کی تاک میں بنئے تو لگے ہی رہتے ہیں اُسی محلہ کا بنیا روپیہ مل نامی حضور میں آ ہی تو پہنچا نواب منّو کو کہیں دیکھتا تو جھک جھک کر پانچ پانچ تسلیمیں بجا لاتا۔ دیوالی کا تہوار آیا تو اس نے نواب منّو کو خاص طور پر دعوت دی۔ اُنہیں پھولوں کے ہار پہنائے یوں ہی سیٹھ جی نے اور زیادہ راہ رسم بڑھالی نواب منّو کے دوستوں کی خاطر مدارات میں بھی کوئی کمی نہ کی۔ آخر سیٹھ جی نواب صاحب کے گویا ندیم جی ہوگئے۔

نواب منّو کے پاس جب دس ہزار میں سے پیسہ بھی باقی نہ رہا تو ایکدن گجردم سیٹھ جی ہانپتے کانپتے ہاتھ جوڑے نواب منّو کے سامنے ذرا ادب سے دو زانو بیٹھے ہوئے دکھائی دیے اور ہم نے یہ کہتے سُنا۔

"خباب نواب منّو صاحب صرف پچاس۔ پچاس کی جرورت (ضرورت) ہے آپ پرے تو پچاس ہجار بھی کربان، ابھی لیجئے حجور (حضور) اے لیجئے" یہ کہہ کر روپیہ مل نے جیب میں سے پچاس روپیہ کا نوٹ نکالکر سامنے رکھدیا۔

نواب صاحب فرمانے لگے" روپیہ مل بالفعل پچاس ہی کی ضرورت ہے باقی آئندہ دیکھا جائیگا"

روپیہ مل:- میں ہر وکھت (وقت) حاجر (حاضر) ہوں جب جرورت (ضرورت) ہو حجور (حضور) منگالیں۔

نواب منّو:- اچھا تمہارا حساب ہر فصل پر ہو جایا کریگا اس زمانہ میں ہمیں جتنی ضرورت ہو دیدیا کرنا۔ بھلا؟ روپیہ سود بیاج بھی ایک ہی دم میں ادا کردیا جائیگا۔

روپیہ مل:- حجور کس (خوف) رہیں۔ حجور ہی کے جیر (زیر) سایہ پرورس (پرورش) ہوتی ہے۔

نواب منّو:- اچھا اب جاؤ مجھے باہر جانا ہے۔

روپیہ مل حجور حجور کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

اب پانچ فصلیں ہوچکیں۔ نواب منّو کے اشغال کا خاتمہ ہونے کو آیا۔ کچھ دنوں خوب گلچھرے اُڑائے۔ روپیہ مل نے بھی جب تک مناسب سمجھا ڈھیل دی۔ آخر سود بیاج لگا کر سوا پچیس ہزار کا بل نواب منّو کے پاس بھیجدیا۔ لیکن نواب صاحب نے کوئی توجہ نہیں کی۔ مقدمہ کا سمن آیا تو اُسے وہ نہ کرکے ٹالدیا۔

یہ بھی گیا اور وہ بھی گیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک برہمن کاشی[1] جاترا کے لئے جانے لگا۔ اس کے پاس ایک ہزار روپیہ کا مال تھا۔ اسکو حفاظت سے رکھنے کی غرض سے وہ قریب ہی ایک بیراگی[2] کے مٹھ[3] میں گیا۔ اس نے سمجھا کہ مٹھ میں رہنے والے کے پاس اگر مال رکھا جائے تو وہ اس میں خیانت نہ کریگا۔ اس خیال سے اس نے بیراگی سے اسکا ذکر کیا بیراگی کہنے لگا "ہم دنیا سے بے تعلق! ہم کو تمہارا مال رکھ کر کیا کرنا ہے۔ کون اس جھگڑے میں پڑیگا۔ تم کسی اور کے پاس یہ مال رکھدو" بیراگی کی ایمان داری دیکھکر برہمن نے بہت ہی اصرار کیا۔ بیراگی نے کہا کہ "اگر تمہارا اصرار ہے تو اچھا اُس کونے میں اپنا مال گاڑ دو" اس کے کہنے کے مطابق برہمن نے گڑھا کھودکر اپنا مال اس میں رکھدیا۔ اور بعد میں وہ کاشی جاترا کے لئے چلا گیا۔ چھ مہینے کے بعد جاترا سے جب واپس آیا۔ اور بیراگی سے اپنے مال کا طالب ہوا تو بیراگی نے کہا "ہم کو کیا خبر؟ ہم نے اس کو چھوا تک نہیں۔ جہاں رکھا تھا وہاں دیکھ لو" برہمن نے کھود کر وہاں دیکھا تو کچھ نہ پایا۔ بے چارہ دم بخود رہ گیا۔ اب شکایت کس کے پاس لیجائے۔ زندگی بھر کی پونجی نادانی سے کھو بیٹھا۔ اس کے پڑوس میں ایک بہت ہی چالاک عورت رہتی تھی۔ اسکو یہ سارا قصہ سُنا کر برہمن بے چارہ رونے لگا۔ وہ عورت بیراگی کے چال چلن سے خوب واقف تھی۔ کہنے لگی "کچھ فکر مت کرو میں تمکو تمہارا مال واپس دلا دونگی"۔

اس واقعہ کے آٹھ دس دن بعد ایک روز وہ عورت اپنے تمام زیورات پہن کر بیراگی کے پاس جانیکو روانہ ہوئی۔ جانے سے پہلے اس نے برہمن سے کہا "میرے جانے کے آدھ گھنٹے بعد تم مٹھ میں آنا اور میرے پاس آکر کھڑے ہو جانا" اور اپنے نوکر سے کہا "تم ایک گھنٹے کے بعد سامنے والے مٹھ میں آنا اور مجھ سے کہنا کہ تمہارا بھائی ابھی سفر سے آیا ہے۔ جلدی چلو" یہ کہہ کر وہ مٹھ میں گئی اور اس بیراگی سے کہا "باباجی میرا بھائی پردیس میں رہتا ہے اور اب سے کئی دن پہلے وہ آنیوالا تھا مگر اب تک نہیں آیا۔ مہربانی کرکے میرے تمام زیورات آپ اپنے پاس رکھ لیجئے۔ مجھ کو سوائے آپ کے کسی پر اعتماد نہیں" مکار سادھو نے مالا کے دانے ہلاتے ہوئے کہا "ہم کسی کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے"۔ مگر عورت کا جب بہت اصرار دیکھا تو باباجی ایک کونے کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے "اگر تم چاہتی ہو تو اس کونے میں اپنے زیور گاڑ دو" اتنے میں برہمن کی سواری بھی آپہنچی۔ ان کو دیکھتے ہی باباجی سمجھے کہ اگر اس نے اپنے مال کے متعلق کچھ کہا تو یہ عورت اپنا زیور میرے پاس نہیں رکھیگی اور یہ لاکھوں کا شکار ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اس لئے وہ برہمن سے کہنے لگا "میاں برہمن، کیا تم دیوانے ہو گئے ہو؟ اپنا مال رکھتے کہاں ہو اور ڈھونڈھتے کہاں ہو؟" اس جگہ کھود کر دیکھو نکلتا ہے یا نہیں؟ بتائے ہوئے مقام پر برہمن نے کھود کر دیکھا تو اپنا مال جوں کا توں پایا۔ ادھر اس عورت نے اپنے بدن پر سے آدھے زیور اُتارے ہی تھے کہ اتنے میں اُسکا نوکر آپہنچا۔ اور کہا کہ "تمہارا بھائی ابھی گاڑی سے آیا ہے۔ جلدی چلو۔ اب زیور رکھنے کی ضرورت نہیں"۔

تب اس عورت نے اپنے تمام زیورات پھر پہن لئے۔ اور اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ اس بات پر وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اس کے ساتھ برہمن بھی زور سے ہنس دیا۔ ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر باباجی کا چیلہ بھی اچھل اچھل کر قہقہے مارنے لگا۔ تب باباجی نے غصہ سے اپنے چیلے سے کہا "عورت اس لئے خوش ہوئی کہ اسکا بھائی آیا۔ برہمن اس لئے خوش ہے کہ اس کا مال مل گیا۔ مگر تجھکو کیوں خوشی ہوئی" چیلے نے جواب دیا "مجھے اس لئے خوش ہوئی کہ "یہ بھی گیا اور وہ بھی گیا"۔

(ترجمہ از مرہٹی زبان) میر اصغر علی، طالب علم جامعہ

---

[1] کاشی، بنارس کو کہتے ہیں، اور جاترا کے معنی ہیں کسی مقدس مقام کی زیارت کے۔ بنارس چونکہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہاں زیارت کیلئے جانے کو ہندو کاشی جاترا کہتے ہیں۔

[2] بیراگی ایک قسم کے سادھو ہوتے ہیں۔

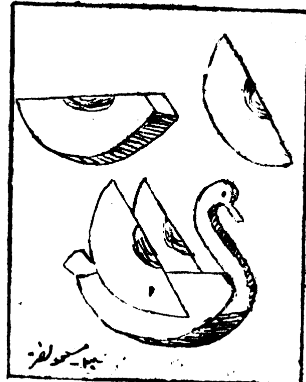
[3] مٹھ وہ جگہ جہاں سادھو رہتے ہیں۔

سیب کا سیب اور ہنس کا ہنس

انسان نے جو آج دنیا میں اتنی ترقی کی ہے یہ صرف اسکی سوچ بچار اور اسکے غور و فکر کا نتیجہ ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھیے کہ وہ ایک دم ہی سے جہاز یا ریل بنانے لگا تھا۔ ہر کام رفتہ رفتہ ہوا کرتا ہے اسی طرح انسان بھی زینہ بزینہ اس چوٹی پر چڑھا یہاں تک کہ وہ آج ترقی کر کے بہت کافی درجے طے کر چکا ہے۔ اسی طرح ہم کو بھی چاہیئے کہ انھیں معمولی معمولی کاموں سے ترقی کریں اور اس حد تک پہنچیں اور انہیں کاموں سے ہماری ذہنی قوت بڑھیگی اور اکثر بیکار وقت جو ہم اپنا کھو دیتے ہیں کام میں لائیں۔

پیام بھائیو! اچھا دیکھو اب ہم ایک کھیل نیچے درج کرتے ہیں جس کے بنانیکی تم لوگ ضرور کوشش کرو۔

ہنس بنانا کچھ مشکل نہیں ہے صرف تھوڑی سی عقل سے کام لیا جائے تو بالکل صحیح ہنس بنجائیگا۔ اچھا ایک سیب لو اور ایک تیز چاقو۔ صرف ان دو چیزوں کی مدد سے تمہارا ہنس آسانی کے ساتھ بن سکتا ہے۔ سیب جو لو وہ نہ تو بہت سخت ہو اور نہ بہت زیادہ پکا ہوا۔ بلکہ درمیانی ہو اس کو بیچ سے دو ٹکڑے کرلو۔ ایک کو تو رکھ دو اور پہلے ایک سے کام لو۔ سب سے پہلے ایک حصہ کے پھر دو ٹکڑے کرو۔ یہ تو ہنس کا جسم ہوگا جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے۔



مگر اس کی گردن لگانے کے لئے جسم میں سے تھوڑا سا ٹکڑا کاٹ لو وہ دم بن جائیگی۔ تم نے ابھی جو دو ٹکڑے لئے ہیں ان میں سے ایک تو جسم ہوا دوسرا جو بچا اس میں سے دو قاشیں پتلی پتلی اُتار لو یہ اس کے بازو ہو گئے اب صرف گردن اور سر کی کسر رہ گئی ہے ابھی تک تم نے سارا کام ایک ہی ٹکڑے سے لیا ہے۔ اور دوسرے ٹکڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ گردن اور سر اس میں سے نکالو۔ مگر بہت صفائی کے ساتھ۔ کیونکہ گردن کی خوبصورتی جاتی رہی تو ہنس نہیں معلوم ہوگا۔ اس لئے جس طرح ہنس کی گردن خم کھائی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح اس میں سے گردن کاٹو۔ اب صرف ان سب کو لگانا باقی رہ گیا ہے۔ لگانے کے لئے دیا سلائی کی پتلی پتلی تیلیاں بنالو اور انھی سے جسم کے جوڑوں کو ملاؤ۔ آنکھوں کی جگہ آر پار سوراخ کردو۔ اب تمہارا ہنس پورا ہو گیا۔ مگر دیکھو کہیں اُڑ نہ جائے۔ (اڈیٹر)

مسعود اختر طالب علم ثانوی اول (جامعہ)

حکمت کی باتیں

(۱) معدہ اور رنج مانگتے ہیں تو بن بولے مانگتے ہیں۔
(۲) چیونٹیاں مل جائیں تو گھوڑے کو بھی مار ڈالتی ہے
(۳) بدنامی کوئلے کی طرح ہے۔ یا ہاتھوں کو جلا دیتی ہے اور یا گندا کر دیتی ہے۔
(۴) چور سے چوری کرنا تضیع اوقات ہے۔
(۵) خوبصورت پنجرے سے پرندے کی بھوک نہیں مرتی۔
(۶) کوئیں میں تھوکو نہیں۔ شاید کہ اس کا پانی پینا پڑے۔
(۷) گناہ کا کوئی آقا نہیں۔
(۸) قسمت والوں کے مرغے بھی انڈے دیتے ہیں۔

انعامی معمے

ذیل میں اپنی نوعیت کا ایک بالکل نیا معمّا دیا جاتا ہے جس پر ۲ع کی قیمت کی کوئی کتاب انعام میں دیجائیگی۔ جواب یکم مئی ۱۹۳۰ء تک اڈیٹر پیام تعلیم کے نام پہنچ جانا چاہیئے۔ وہ معمّا یہ ہے، جو تین مصرعوں کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱) سر کاٹو تو ٹھنڈی روشنی ہوں اور ویسے جلتا رہتا ہوں۔

(۲) میں سیدھے ہوں نیکی، اُلٹے پُرانے قصوں کا مجموعہ ہوں۔

(۳) میں اُلٹے سیدھے دونوں طرح سے "دکھ" کے معنی دیتا ہوں۔

دوسرا معمّا

میں ایک آٹھ حرفوں کا انسان ہوں جس کے

۱+۳+۴ = یاد

۳+۲+۸ = جسم کا ایک حصہ۔

۸+۲+۴ = آگ

۷+۲+۴ = دوست

۵+۶+۸ = خوبصورتی

بتاؤ میرا نام کیا ہے؟

۱۔ اس معمہ کا حل ۷ر مئی ۱۹۳۰ء تک ذیل کے پتہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔

ن۔م صاحب بتوسط اڈیٹر "پیام تعلیم" قرولباغ۔ دہلی۔

۲۔ حل کے ہمراہ ۱ر کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل آنے پر انعامات قرعہ اندازی کے ذریعہ سے تقسیم ہونگے۔

۴۔ انعام اول:۔ پردۂ غفلت۔ انعام دوم:۔ اورنگ زیب عالمگیر۔

نوٹ:۔ ہر دو انعامات پیشگی وصول ہو گئے ہیں اور نتیجہ شائع ہونیکے ساتھ ہی مستحق انعام کو مل جائیں گے۔ (اڈیٹر)

ہر بچے کے پاس ایک علیحدہ کتب خانہ ہونا چاہیئے

جس میں

"پیام تعلیم" یا کوئی دوسرا اخبار آتا ہو اور ہر مہینہ چند نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہو

(۱) اس فہرست کی سب کتابوں کی قیمت تو للعہ ہے جو ایک دم صرف خاص خاص بچے خرید سکیں گے لیکن عہ/ ۶/ ماہانہ کی کتابیں سب ہی خرید سکتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی بچہ عہ سے بھی کم کی کتابیں لینا چاہتا ہو تو ایک کارڈ میں اپنی پسند کی کتابیں لکھ کر ہم سے دریافت کرلے کہ کتاب کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ پر کتنے پیسے اور خرچ ہوں گے۔ ہم اسی دن اس کو جواب دیدیں گے۔

کہانیاں

کتاب	قیمت	
(۱) چڑیا چڑے کی کہانی	قیمت	۲ر
(۲) چوہے بلی نامہ	"	۲ر
(۳) کرمو دھرمو	"	۴ر
(۴) نقلی شہزادہ	"	۴ر
(۵) گدھے کی سرگزشت	"	۴ر
(۶) ترکوں کی کہانیاں	"	۴ر
(۷) نعیم بھیّی	"	۳ر
(۸) زردار	"	۲ر
(۹) لنگڑا ماموں	"	۳ر
(۱۰) شہر شہری اور شہریت	"	۵ر
(۱۱) ملکشی	"	۲ر
(۱۲) حکایات شیریں حصہ اول	"	۲ر
(۱۳) " " " دوم	"	۶ر
(۱۴) " " " سوم	"	۶ر
(۱۵) " " " چہارم	"	۶ر
(۱۶) سولہ کہانیاں	"	۱۲ر

اسکاوٹ کی تین ضروری چیزیں

(۱) فرسٹ ایڈ چارٹ - یہ دیوار پر لٹکانے والا نہایت عمدہ نقشہ ہے جس میں فرسٹ ایڈ کے متعلق مفصل معلومات ہے۔ قیمت ۱۲ر

(۲) ضروری معلومات - یہ اسکاوٹنگ پر بڑی اچھی کتاب ہے ہر اسکاوٹ کے پاس رہنا ضروری ہے قیمت ۳ر

(۳) اسٹنڈرڈ فسٹ کارڈ - پہلے امتحان کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کردیا ہے - چھوٹا سا کارڈ ہے جو ہر وقت جیب میں رکھا جاسکتا ہے۔ قیمت ۲ر

عربی سکھانیوالی کتابیں

کتاب	قیمت
عربی کی پہلی مصنفہ احمد شاہ صاحب قیمت	۳ر
" دوسری " " " "	۴ر
" تیسری " " " "	۵ر
عربی بول چال حصہ اول مصنفہ حافظ عبدالرحمن صاحب	۱۲ر
" " " دوم " " " "	۱۲ر

نظمیں

کتاب	قیمت	
(۱) بچوں کے گیت	قیمت	۳ر
(۲) سنہری گیت	"	۳ر
(۳) پھول باغ حصہ اول	"	۱۲ر
(۴) " " " دوم	"	۶ر
(۵) راکھ بیگم	"	۱ر
(۶) بیاض رنگین حضور	"	۵ر
(۷) مناجات ذکا	"	۱ر
(۸) رباعیات حالی	"	۳ر
(۹) حب وطن	"	۳ر
(۱۰) مناجات بیوہ	"	۴ر
(۱۱) چپ کی داد	"	۲ر
(۱۲) درس عمل	"	۴ر
(۱۳) مرزا پھویا	"	۱ر
(۱۴) بیاض گل	"	۸ر
(۱۵) آغوش مادر	"	۱۰ر
(۱۶) پہیلیاں	"	۱ر

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی

طابع وناشر:- ڈاکٹر سید عابد حسین پی۔ ایچ۔ ڈی مطبع:- جامعہ ملیہ اسلامیہ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی کاتب:- عبدالملک متعلم جامعہ

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا ۔